بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنویر الایمان

تصنیف:

علامہ ابو الحسان حکیم محمد رمضان علی

قادری قریشی

پبلشرز:

حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ

ملنے کا پتہ: ۶۸-۶۷ اوورسیز ہاؤسنگ سوسائٹی، بلاک ۷/۸-کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ

تنویر الایمان

بوسیلۂ اولیا الرّحمٰن

تصنیف:

علاّمہ ابوالحسّان حکیم محمّد رمضان علی

قادری قریشی

پبلشرز:

حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ

ملنے کا پتہ: ۶۸-۶۷ اوورسیز ہاؤسنگ سوسائٹی، بلاک ۸/۷، کراچی

نام کتاب ——— تنویر الایمان

ترتیب و پیشکش — حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

پبلشرز ——— حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

اشاعت	تاریخ ہجری و عیسوی	تعداد
اوّل		۲۰۰۰

پیش لفظ

الحمد لله ربّ العالمين ۔ الرّحمن الرّحيم ۔ مالك يوم الدّين ۔ والصّلوٰة والسّلام على شفيع المذنبين رحمة للعالمين سيّد الاوّلين والآخرين وسيلتنا فى الدّنيا وفى يوم الدّين خاتم النّبيّين محمّد رّسول الله وعلىٰ آله الطيّبين الطّاهرين واصحابه المكرّمين المعظّمين واولياء امّته واحبّائه اجمعين ۔ امّا بعد ۔ فاعوذ بالله من الشّيطٰن الرّجيم ۔ بسم الله الرّحمٰن الرّحيم ۔ يا ايّها الّذين آمنوا اتّقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة وجاهدوا فى سبيله لعلّكم تفلحون (پ ۶ سورۂ مائدہ ع ۹)

برادرانِ اسلام ! بدقسمتی سے مسلمانوں میں سے ایک فرقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو اُمّت کے بہت سے مسلّمہ عقائد اور اعمال کا نہ صرف منکر ہے بلکہ ان عقائد اور اعمال کو شرک و بدعت قرار دے کر مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی ٹھہراتا ہے۔ حالانکہ یہ عقائد و اعمال قرآن مجید اور احادیث شریف سے ثابت ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان، مفسرین، محدّثین اور علمائے دین ان پر عقیدۃً و عملاً متفق ہیں۔

اس فرقہ کا بانی ابن عبد الوہاب نجدی ہے اور ابتداءً تیرھویں صدی ہجری سے یہ فتنہ ممالک اور امصار میں پھیل رہا ہے۔ ابن عبد الوہاب نجدی کے متبعین اپنے عقائد باطلہ کی نشر و اشاعت میں شب و روز منہمک رہتے اور مسلمانوں پر بے بنیاد الزام تراشی کرتے ہوئے انہیں بات بات پر مشرک اور بدعتی قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ قدّسنا اللہ باسرارہم کی شانِ اقدس و اعلیٰ میں انتہائی بے ادبی اور گستاخی کا مظاہرہ

تقریر اور تحریر سے علی الاعلان کرتے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک فتنہ برپا ہے اور اس فرقہ کی مذموم حرکات امّت میں انتشار کا موجب بنی ہوئی ہیں۔

متبعین ابن عبدالوہاب نجدی جن عقائد و اعمالِ حقّہ کے منکر ہیں اور جن امور کو یہ بزعم خویش شرک و بدعت قرار دیتے ہیں، ان میں سے ایک مسئلہ توسّل بھی ہے اور اس مسئلہ کو خصوصیّت کے ساتھ شرک ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ مسئلہ قرآن مجید و حدیث شریف اور سلف و خلف صالحین سے بالوضاحت ثابت ہے اور منکرین کے پاس اس عظیم الشّان مسئلہ کو باطل ٹھہرانے کے لئے ایک بھی قابلِ قبول اور صحیح دلیل نہیں ہے۔

منکرین جب بھی علمائے حق کے مقابل ہوئے باوجود اپنے روایتی ہتھکنڈوں کو استعمال کرنے کے ہمیشہ غائب و خاسر رہے۔ چنانچہ مؤرخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۵۷ء کے اجلاسِ عام بمقام سنجھورو میں موجود مسلمان بخوبی دیکھ چکے ہیں کہ غیر مقلّد اسماعیل روپڑی نے مسئلہ توسّل کو شرک ثابت کرنے کے لئے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر ناکام رہا۔ اس مباحثہ کی روئداد علیحدہ شائع کی جا رہی ہے۔ شائقین اس کا مطالعہ کر کے حق و باطل میں تمیز کر سکتے ہیں۔

کتاب "تنویر الایمان لوسیلہ اولیاء الرّحمان" حصّہ اوّل میں حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، باعثِ ایجاد، ہر دو عالم احمدِ مجتبےٰ **محمّد مُصطفٰی** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم سے توسّل و تبرک اور استمداد و استعانت نیز نداء و استغاثہ عرض کرنے کی ضرورت و جواز کے ثبوت میں قرآنِ مجید، حدیث شریف اور تصریحات مفسرین و محدّثین و آئمہ دین و اکابر علمائے امّت کی روشنی میں مدلّل و مکمل مضمون ہے۔ اور اتمام حجت کے لئے پیشوایان فرقہ نجدیہ کی کتابوں کے حوالے بھی درج کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مسئلہ حیات النّبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر بھی سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے، اور ضمناً حسبِ موقعہ فرقہ نجدیہ کے عقائدِ باطلہ و خیالاتِ فاسدہ کی بیخ کنی اور تردید بھی ہو گئی ہے۔

حصّہ دوم میں مقبولانِ بارگاہِ اولیاء کرام سے توسّل و تبرک و استمداد و استعانت کی ضرورت و جواز میں حصّہ اوّل کی ترتیب کے لحاظ سے مدلّل و مکمل مضمون ہے۔ نیز بعض مسائل تصوّف اور کرامات اولیاء اللہ کا بیان ہے اور ضمناً منکرین کے عقائدِ فاسدہ اور اعتراضاتِ واہیہ کا قلع قمع کر دیا گیا ہے۔

اس کتاب کا مؤلف فقیر الی الرحمان ابو الحسّان حکیم محمّد رمضان علی قادری بارگاہِ ربّ العزّت میں دست بدعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے محبوب سیّد المرسلین خاتم النّبیّین شفیع المذنبین رحمۃ اللّعالمین حضور محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں فقیر پر تقصیر کی اس سعیٔ ناچیز کو قبول فرمائے اور جُملہ مسلمانوں کے لئے نافع اور گم شدگانِ راہ کے لئے باعثِ ہدایت اور مؤلّف کے لئے سرمایۂ آخرت و ذریعہ نجات بنا سکے۔

اٰمین یا ربّ العالمین

تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ۝

اَمّا بعد! قبل اس کے کہ مسئلہ توسّل و استمداد کی ضرورت و جواز کے ثبوت میں قرآن و حدیث اور ارشادِ بزرگانِ دین سے دلائل پیش کروں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توسّل و استمداد کی حقیقت مختصراً بیان کر دی جائے تاکہ اس مسئلہ کے سمجھنے میں مزید آسانی ہو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہی خالق کلّ شئی، مدبّر الامور اور متصرّف حقیقی ہے۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اس کی مشیّت اور اِذن کے بغیر کوئی پتّہ اور ذرّہ تک حرکت نہیں کر سکتا۔ سارے اختیارات اور تمام قوّتیں کامل و اکمل طور پہ بالذات مستقلاً اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

کائنات میں جملہ امور اسی کی تدبیر و ارادے کے مطابق پایۂ تکمیل تک پہنچتے ہیں۔ اسے کسی مشیر یا مددگار کی قطعاً احتیاج نہیں۔ مختصر یہ کہ وہ فعّالٌ لِّمَا یُرِید اور علیٰ کُلِّ شَئٍ قدیر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیّت و حکمت سے عالم دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات میں ہر چھوٹا بڑا کام اسباب و ذرائع اور وسائل کے تحت

ظہور پذیر ہے۔ یہ سنت الٰہی ہے۔

وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۝ (پ ۲۲)

اللہ تعالیٰ بیشک قادر ہے کہ دنیا کو سورج اور چاند ستاروں کے بغیر روشن فرمائے۔ مگر اس کے باوجود سورج اور چاند ستاروں کے بغیر جہان کو روشنی نہیں پہنچاتا۔

اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ بادلوں کے بغیر بارش برسائے۔ بادلوں کو ہوا کے بغیر چلائے۔ بغیر پانی کے فصلیں اگائے اور پرورش فرمائے اور اس پر بھی کہ حیوانات اور انسانوں کے لئے غذائیں زمین سے پیدا فرمانے کے بجائے آسمان سے نازل فرمائے۔ حتیٰ کہ اگر وہ چاہے تو نباتات، ہوا، پانی اور روشنی کی مدد کے بغیر اگیں اور پرورش پا کر تیار ہوں اور تمام جاندار کھانے پینے، سانس لینے اور دیگر ضروریاتِ زندگی کے بغیر زندہ اور صحیح وسلامت رہیں۔ اور اگر وہ چاہے تو نباتات بغیر بیج کے اگیں اور بچّے والدین کی مخالطت اور امتزاجِ نطفہ کے بغیر پیدا ہوں۔ مگر سب جانتے ہیں کہ بادلوں کے بغیر بارش نہیں برستی۔ ہوا کے بغیر بادل نہیں چلتے۔ ہوا، پانی، روشنی اور حرارت وغیرہ کے بغیر نباتات نہیں اگتیں اور نہ پرورش پاتی ہیں۔ حیوانات اور انسانوں کے لئے مختلف انواع و اقسام کی غذائیں زمین سے حاصل ہونے کے بجائے آسمان سے نہیں آتیں۔ حیوانات و انسان ضروریاتِ زندگی کے بغیر زندہ اور صحیح و سلامت نہیں رہ سکتے۔ نہ نباتات بغیر بیج کے اُگتے ہیں اور نہ ہی بچّے والدین کی مخالطت و امتزاجِ نطفہ کے بغیر پیدا ہوتے ہیں۔ وَقِس عَلیٰ ھٰذا وَ تَدَبّر۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مالکِ خلق و امر اور مدبّر الامور حقیقی ہونے کے باوجود ملائکہ کو تدبیرِ امور کی خدمات تفویض فرما رکھی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام کو حسبِ مناسب و مراتب انبیاء کرام

علیہم الصّلوٰۃ والسّلام پر دی لائے۔ جنگوں اور لڑائیوں میں فتح و شکست، ہوا کے چلانے، بارش برسانے، کھیتیاں اور دیگر نباتات اگانے، رزق پہنچانے، حیوانات اور انسانوں کے ابدان میں روح ڈالنے، قبض ارواح، ہر جاندار کی عمر اور رزق کا اندازہ مقرر کرنے، وباؤں، بیماریوں اور آفات و حوادث وغیرہ امور کی تدبیر پر مامور و مؤکل فرمایا ہوا ہے۔

پھر ان چاروں سرداران ملائکہ میں سے ہر ایک کے ماتحت ملائکہ کے لشکر مقرر فرما دیئے ہیں جو اپنے اپنے محکمہ کے سردار فرشتوں کے احکامات کے تحت خدمات تدبیر و نفاذ سرانجام دیتے ہیں۔ نیز قرآن مجید کی تفسیروں سے ثابت ہے کہ باذن اللہ تعالیٰ انبیاء و رسل علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء کرام (قدّسنا اللہ باسرارہم) بھی مدبّرات الامور میں شامل ہیں[1]۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جبریل امین علیہ السّلام کے واسطہ کے بغیر انبیاء و رسل علیہم الصّلوٰۃ والسّلام پر براہِ راست وحی نازل فرما دیا کرتا یا پھر بغیر کسی واسطہ اور وسیلہ کے زبور، تورات، انجیل اور قرآن مجید لکھے لکھائے مجموعات کی صورت میں لوگوں تک پہنچا دیتا۔ مگر ظاہر ہے کہ بغیر وسائط اور وسائل کے کچھ بھی وقوع پذیر نہیں ہوا۔

مزید غور کا مقام ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا کہ اس کی جملہ مخلوق صراطِ مستقیم پر چلے تو کوئی امر مانع نہ تھا مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کو حسبِ ضرورت و موقعہ دنیا میں مبعوث فرمایا جنہوں نے توحید و نبوّت و رسالت کی تبلیغ اور رہنمائی کی خاطر منکرین و معاندین کے ہاتھوں انتہائی تکالیف و مصائب برداشت کئے۔

---

[1] اس اجمال کی تفصیل تنویر الایمان حصّہ دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔ (مؤلف)

پھر سب سے بڑھ کر یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات عالم ہی بغیر وسیلہ کے پیدا نہ فرمائی بلکہ اکرم الاوّلین والآخرین محمّد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دنیا کی پیدائش ہوئی اور اس پر ارشادِ الٰہی لولاک لما خلقت الافلاک، لولاک لما خلقت الدنیا، لولاک لما اظہرت الربوبیۃ (احادیث قدسیہ) دالّ و شاہد ہے۔ یعنی اے میرے محبوبؐ! اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا۔ اگر آپ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں دنیا کو پیدا نہ فرماتا۔ اگر آپ کی جلوہ گری مجھے منظور نہ ہوتی تو میں اپنی ربوبیّت کو ظاہر نہ فرماتا۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیّت سے تمام مخلوق کو پیدا فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری فرماتے ہیں: قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اخبرنی عن اوّل شیٔ خلقہ اللہ تعالیٰ قبل الاشیاء۔ میں نے عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ! میرے ماں باپ حضورؐ پر قربان مجھے بتا دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کیا چیز بنائی۔ آپ نے فرمایا: "یا جابرِ انّ اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیّک من نورہٖ فجعل ذالک النور یدور بالقدرۃ حیث شاء اللہ تعالیٰ ولم یکن فی ذالک الوقت لوحٌ ولا قلمٌ ولا جنّۃٌ ولا نارٌ ولا مَلَکٌ ولا سماءٌ ولا شمسٌ ولا جنّیٌ ولا انسیٌ فلمّا اراد اللہ تعالیٰ ان یّخلق قسّم ذالک النور اربعۃ اجزاءٍ فخلق من الجزءِ الاوّل القلم ومن الثّانی اللّوح ومن الثّالث العرش ثمّ قسّم الجزء الرّابع اربعۃ اجزاءٍ فخلق من الاوّل حملۃ العرش ومن الثانی الکرسیّ ومن الثّالث باقی الملٰئکۃ ثمّ قسّم الرّابع اربعۃ اجزاءٍ فخلق من الاوّل السّمٰوٰت ومن الثّانی الارضین ومن الثّالث الجنّۃ والنّار ثمّ قسّم الرّابع

ارْبَعَۃَ اَجْزَاءٍ۔ الحدیث بطولہٖ۔

اے جابرؓ! بیشک بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نورؐ اپنے نورؐ سے پیدا فرمایا۔ وہ نورؐ قدرت الٰہی سے جہاں خدا تعالیٰ نے چاہا دورہ کرتا رہا۔ اس وقت لوح و قلم، جنّت و دوزخ، فرشتے، آسمان، زمین، سورج، چاند، جنّ و انس کچھ نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصّے فرمائے۔ پہلے حصّہ سے قلم دوسرے سے لوح تیسرے سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے حصّے کے چار حصّے فرمائے۔ پہلے حصّہ سے فرشتگانِ حاملانِ عرش، دوسرے سے کرسی تیسرے سے باقی ملائکہ پیدا فرمائے، پھر چوتھے کے چار حصّے کئے۔ پہلے حصّہ سے آسمان، دوسرے سے زمینیں، تیسرے سے جنت و دوزخ بنائے۔ پھر چوتھے کے چار حصّے فرمائے۔ الی آخر الحدیث۔

اس حدیث کو امام اجل سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے استاد اور امام بخاری و امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے استاذ الاستاذ حافظ الحدیث حضرت عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مصنّف میں درج فرمایا اور امام بیہقی نے دلائل النبوّۃ میں اس کو روایت فرمایا اور حضرت امام قسطلانی شارح بخاری مواہب لدنیہ میں اور امام ابن حجر مکّی افضل القریٰ اور علامہ زرقانی شرح مواہب اور علامہ دیار بکری خمیس اور شیخ عبدالحق محدّث دہلوی مدارج النبوّۃ میں اس حدیث سے استناد فرماتے ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور دوسرے علمائے کرام و محدّثین نے اس کو اپنی تصنیفات میں نقل فرمایا اور اس سے سند پکڑی تو بیشک اور بلاشبہ یہ حدیث حسن صالح مقبول اور معتمد ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ کائنات کی ہر چیز حضور نورِ ربّ العالمین رحمۃ اللعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک سے آپ کے وسیلہ سے معرضِ وجود میں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے لئے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی

معرفت کو وسیلہ قرار دے کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی معرفت کی خاطر تمام مخلوق کو پیدا فرمایا اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی معرفت کو اپنی معرفت قرار دیا۔

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کنت کنزًا مخفیًّا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق وفی روایۃٍ فخلقت نورَ محمّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلّم) میں ایک خزانہ مخفی تھا پس مجھے یہ بات محبوب ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اور ایک روایت میں ہے تو میں نے نورِ محمّدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیدا فرمایا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا: من رّانی فقد رأی الحقّ جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اپنا خلیفۂ اعظم بنا کر خالق و مخلوق کے درمیان رابطہ بنایا اور وسیلہ ٹھہرایا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اللہ تعالیٰ کے احکامات وعطیات مخلوق کو پہنچاتے اور تقسیم فرماتے ہیں اور آپ ہمارے رسولؐ ہیں کہ ہماری عرضداشتیں اور حاجات و مشکلات کی دعائیں اور فریادیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو آپ کے صدقہ میں قبول فرماتا اور ہماری حاجات کو آپؐ کے وسیلہ سے پورا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، رحمتیں اور عنایات حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہاتھوں آپ کے وسیلہ سے پیدائش مخلوقات سے لے کر آج تک تمام مخلوق کو پہنچتی رہی ہیں، پہنچ رہی ہیں اور ہمیشہ پہنچتی رہیں گی۔

آپؐ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّخَازِنٌ وَّاللّٰہُ یُعْطِی

(بخاری جلد اوّل صـ۴۳۹)

میں اللہ تعالیٰ کے خزائن کا خزانچی ہوں۔ اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ دین و دنیا کی ساری نعمتیں دیتا اللہ تعالیٰ ہے اور تقسیم آپؐ فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جسے جو کچھ ملتا ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ

والسّلام کے دستِ کرم اور آپؐ کے وسیلہ سے ہی ملتا ہے۔ فرمانِ نبویؐ ہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کی عطایں کوئی قید نہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تقسیم ہیں۔ فالحمد للّٰہِ علیٰ ذالک ؎

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

کائنات حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صدقے ہیں اور آپؐ کے نُور سے وجود ہیں آئی۔ انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کو نبوّت و رسالت ملی تو آپؐ کے وسیلہ سے جملہ انبیاء و رسل علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کو علوم و کمالات اور معجزات ملے تو آپ کے فیضان اور وسیلہ سے ملے۔ اولیاء عظام کو ولایت، علوم و معارف اور کمالات و کرامات آپ ہی کے فیوض اور وسیلہ سے ملتے ہیں۔ مختصر یہ کہ دنیا و دین کی جو نعمت ہے ہر کسی کو آپؐ کے ہی وسیلہ اور آپ کی وساطت سے حاصل ہوتی ہے ؎

لا و ربّ العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی
وہ جہنّم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسولؐ اللہ کی

اب رہا معترض کا یہ سوال کہ جب کہ اللہ تعالیٰ مالکِ خلق و امر اور مدبّر الامور ہے اور ہر قسم کا نفع اور نقصان اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے تو پھر ان امور کی نسبت حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ کی جانب کیونکر جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عام قاعدہ کی رو سے اظہار بیان کے لئے کسی کام کی نسبت اس ذریعہ اور وسیلہ کی طرف کر دی جاتی ہے۔ جس ذریعہ اور وسیلہ سے وہ کام سر انجام پایا ہو یا کوئی واقعہ وقوع پذیر ہوا ہو اور اس ذریعہ یا وسیلہ کی طرف یہ نسبت مجازاً ہوتی ہے نہ کہ حقیقتاً۔ اور جس ذریعہ اور وسیلہ کی طرف نسبت

مجازی کی جارہی ہے اس کو الوہیت و خدائی میں شریک نہیں قرار دیا جاتا اور اس ذریعہ و وسیلہ کو قادرِ مطلق یا متصرف حقیقی ٹھہرانا مقصود نہیں ہوتا۔

مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ کام فلاں وسیلہ سے ہوا یا یہ حاجت فلاں ذریعہ سے بر آئی۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ میں سخت بیماری میں مبتلا تھا تو فلاں حکیم و معالج سے مجھے شفا حاصل ہوئی یا کوئی یوں کہے کہ میرا یہ عزیز فلاں مرض سے مر رہا تھا مگر فلاں معالج نے اسے بچا دیا۔ یا کوئی مریض اپنے معالج کا شکریہ ادا کرتے ہوتے کہتا ہے کہ آپ کے علاج سے مجھے بہت فائدہ پہنچا یا شکایتاً کہے کہ آپ کی دوا نے مجھے بہت تکلیف دی۔

مثلاً طبیب کہتا ہے کہ یہ دوا ہر درد کو آرام دیتی ہے۔ یہ دوا فلاں مرض کے لئے فائدہ بخش ہے۔ یہ سفوف قبض کشا ہے۔ یہ شربت فریاد رس ہے۔ یہ دوا محافظ اولاد ہے۔ ان گولیوں سے حمل قرار پاتا اور تندرست بچّہ پیدا ہوتا ہے اور یہ دوا مانع حمل ہے وغیرہ۔ اور سب جانتے ہیں کہ یہ روزمرّہ کے محاورات ہیں۔ ان محاوروں کو منکرین بھی عموماً بلا جھجک استعمال کرتے ہیں تو کیا تعزیراتِ نجدیہ کی رُو سے ان محاوروں پر شرک کا فتوےٰ عاید کیا جائے گا کہ ان میں نفع و نقصان، فائدہ اور تکلیف، شفا دینے وغیرہ امور کی نسبت معالج اور دوا کی طرف براہِ راست ہے، نہیں اور ہرگز نہیں۔ کیونکہ کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ معالج کو بالذّات مستقلاً یہ قدرت حاصل ہے اور نہ یہ کہ کوئی دوا مستقلاً بالذّات شافی یا نافع و ضار ہے یعنی کوئی شخص دواؤں یا معالج کو خدا یا خدائی میں شریک نہیں جانتا۔ اگرچہ معالج کو بھی حکیم کہا جاتا ہے۔ حالانکہ حکیم اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، مگر اس کے باوجود کوئی معترض یا فرقہ منکرین میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ دیکھو جی معالج کو حکیم کہہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں شریک ٹھہرایا جا رہا ہے۔

اور یہ اس لئے کہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ ان امور کی نسبت حکیم اور

ادویہ کی طرف نسبت مجازی ہے۔ حقیقتاً شفا دینے والا، مرض کو دور کرنے والا اور نافع و ضار مستقلاً بالذّات اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اگرچہ عام بول چال میں ان باتوں کی نسبت براہِ راست معالج و حکیم اور ادویہ کی طرف ہی کی جایا کرتی ہے اور اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ معالج اور ادویہ شفا حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔

اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ کی تدابیر اس کی مشیّت سے مخلوقات کے ذریعہ اور وسیلہ سے ظہور پذیر ہیں۔ تمام اشیاء مظاہرِ قدرت و صفاتِ الٰہی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے قانونِ فطرت کے تحت اشیاء مخلوقات میں مختلف تاثیرات ودیعت فرمائی ہیں اور نظامِ مؤثرات و متاثرات کے تحت ہر آن تغیّرات و انقلاباتِ دنیا وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔ تاہم یہ ہرگز نہ بھولئے کہ ہر مؤثر کی تاثیر اور متاثر کا تاثر اگرچہ امور عادیہ سے ہے مگر اس کے باوجود یہ اثر و تاثر اللہ تعالیٰ کی منشار اور مشیّت پر منحصر ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ چاہے تو کسی چیز کا اثر ظاہر ہو اور نہ چاہے تو کچھ بھی نہ ہو یا اگر چاہے تو یہ اثر الٹا ظاہر ہو جائے۔ مثلاً آگ میں اللہ تعالےٰ نے گرمی اور جلانے کی تاثیر ودیعت فرمائی ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ آگ حرارت پہنچاتی اور جلاتی ہے مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ حرارت پہنچانے اور جلانے کی قدرت مستقلاً بالذّات آگ میں ہے بلکہ آگ کا یہ اثر اور عمل بھی اللہ تعالےٰ کے خلق امر اور مشیّت پر موقوف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آگ حرارت دے اور جلائے اور نہ چاہے تو نہ حرارت دے اور نہ جلائے۔ سیّدنا حضرت خلیل اللہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام آتش کدہ نمرود میں باذن و مشیّتِ الٰہی نہ صرف یہ کہ صحیح سلامت رہے بلکہ وہ بھڑکتی آگ آپ کے لئے فرحت بخش گلزار بن گئی اور یہ خرق عادت ہے۔ پس جب کوئی خارق عادت واقعہ انبیاء و رسل کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے ذریعہ وقوع پذیر ہو تو اسے معجزہ کہتے ہیں اور

جب کسی ولی اللہ کے ذریعہ ہو تو کرامت۔ پھر جو واقعہ جس کے ذریعہ ظاہر ہوتا اور وقوع میں آتا ہے تو اس واقعہ کی نسبت اسی کی جانب ہوتی ہے، اور یہ نسبت حقیقتاً نہیں ہوتی کہ کفر و شرک ٹھہرے بلکہ یہ نسبت مجازی ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ کی مشیت و قدرت ہی ہر چیز اور ہر اَمر میں مؤثر حقیقی ہے۔ باقی تمام اشیاء مظاہر ہیں۔ اس حقیقت کا انکار سُنّتہ اللہ کو جھٹلانا اور اپنی جہالت و سفاہت کا اظہار ہے۔ فافھم وتدبّر ولاتکن من المنکرین۔

اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینے کے بعد جاننا چاہیئے کہ حضور پُر نور حبیبِ ربِّ غفور سیّد یوم النّشور خلیفتہ اللہ الاعظم حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اللہ تعالےٰ کے مظہرِ اتم ہیں اور جملہ انبیاء و رُسل علیہم السّلام اور اولیاء کرام (قدسنّا اللہ اسرارھم) آپ کی نیابت اور وساطت سے مظاہر اعلیٰ ہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رضا اور بخشش و عطاء سے اولیاء اللہ کو یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشّان قدرتوں کا ظہور ان کے ذریعہ ہونے لگتا ہے اور یہ نفوسِ قدسیہ اپنے وجود کو مقام فنا میں تحلیل کر چکنے کے بعد بقاء باللہ کے مقام پر فائز ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے بندے کو جب محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سُنتا ہے، اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ (بخاری، مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزّ وجل)

اس حدیثِ قدسی سے معلوم ہوا کہ اولیاء حق نورِ الٰہی کی قوّت سے سنتے ہیں، دیکھتے ہیں۔ پس ان کی سماعت و بصارت کے لئے ظاہر و باطن اور نزدیک و دُور کی چیزوں اور آوازوں کا دیکھنا اور سُننا یکساں ہوتا ہے۔ ظاہر و باطن اور نزدیک و دُور کے امور میں انہیں قوّتِ تصرّف حاصل ہوتی ہے اور ان کی رفتار کے آگے تمام مسافتیں

اور دوریاں کالعدم ہوکر رہ جاتی ہیں۔

پھر اسی روایت میں ہے : وان سالنی لاعطینہ ، ولئن استعاذنی لاعیذنہ ۔ اگر میرا محبوب بندہ مجھ سے کوئی سوال کرتا ہے تو ضرور اسے (قبول فرماکر) عطا فرماتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں۔

پس اولیاء کرام ہمارے لئے وسیلہ ہیں کہ ہمیں ان کے وسیلہ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام کی بارگاہِ عالیہ تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ ان کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہماری دعائیں قبول اور حاجات پوری ہوتی ہیں۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے ارشادات واضح ہیں کہ اولیاء اللہ کے وسیلہ سے تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔ بارش نصیب ہوتی ہے۔ دشمنوں کے مقابلہ میں تمہاری نصرت کی جاتی ہے اور اولیائے کرام کے صدقہ میں ان کے وسیلہ سے تمہاری حیات و موت وابستہ ہے اور زمین قائم ہے۔ اس مضمون کی روایات صحیح بخاری و مسلم اور مشکوٰۃ کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔

پس جس طرح کاروبارِ دنیاوی کے سلسلہ میں ہم اسباب و ذرائع ظاہری کے محتاج ہیں۔ اسی طرح اولیاء کرام (قدسنا اللہ تعالٰے باسرارھم) کے وسیلہ کے بغیر چارہ نہیں، اور جب اسباب و ذرائع اور وسائل دنیاوی اختیار کرنا شرک نہیں تو تمام مخلوق کے اصل وسیلہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم کا وسیلہ اختیار کرنا کیونکر شرک ٹھہر سکتا ہے؟

اور جب کہ نفع و نقصان کی نسبت اسباب و ذرائع اور وسائل دنیاوی کی طرف روزمرّہ کی جاتی ہے اور شرک کا شائبہ تک نہیں ہوتا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام اور اولیائے کرام کی نسبت کس دلیل سے شرک قرار دی جاسکتی ہے۔ حالانکہ مادی اسباب و ذرائع اور وسائل دنیاوی عموماً تجربات کی رُو سے اختیار کئے جاتے ہیں اور نفع و نقصان کی نسبت ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں خطا و غلطی کا احتمال بھی پایا جاتا ہے۔ مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام اور اولیائے عظام (قدسنا اللہ باسرارھم) کا وسیلہ اختیار کرنے

میں خطا و غلطی کا احتمال ہی نہیں تو پھر ان نفوسِ قدسیہ کی طرف نفع و نقصان کو مجازاً منسوب کرنے کو شرک اور ناجائز کہنا جہل و نادانی اور بدعقیدگی نہیں تو اور کیا ہے۔ خصوصاً جبکہ اس نسبت مجازی کا استعمال قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

خوب ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ کسی کام یا امر کی نسبت جب اللہ تعالٰے کی طرف ہو تو نسبت حقیقی مراد ہوتی ہے اور وہی کام یا امر جب حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام یا کسی ولی اللہ یا مخلوق میں سے کسی کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس سے نسبتِ مجازی مقصود ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں عموماً تین قسم کی نسبتیں پائی جاتی ہیں:۔

(۱) عبد کے فعل کی نسبت اللہ تعالٰے کی طرف۔

(۲) اللہ تعالٰے کے کسی فعل کی نسبت عبد کی طرف۔

(۳) ایک ہی کام کی نسبت اللہ تعالٰی کی طرف بھی اور عبد کی طرف بھی۔

تفصیل اس اجمال کی ملاحظہ ہو:۔

(۱) قال اللہ تعالٰے۔ فلم تقتلوھم ولٰکنّ اللہ قتلھم (پ۹ س انفال ع۲)

ترجمہ :۔ تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ (تعالٰے) نے انہیں قتل کیا۔

اس آیۃ مبارکہ میں اللہ تعالٰے نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰے علیہم اجمعین کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔ بدر کے میدان میں کفّار کے خلاف جہاد کرتے ہوئے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے اپنے ہاتھوں کفّار کو قتل کیا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں مگر اس کے باوجود اللہ تعالٰے نے قتلِ کفّار کے فعل کی ا[illegible]ے اپنی طرف فرمائی۔ پس اگر نسبت حقیقی اور نسبت مجازی کے فرق کو نظر انداز کر دیا جائے تو ظاہری الفاظ پرست وہابی اس آیت کا صحیح مطلب کیا بیان کرے گا؟۔

کیا اس آیۃ کے ظاہری معنیٰ کے لحاظ سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے بجائے خود اللہ تعالٰے نے اپنے ہاتھ میں تلوار وغیرہ لے کر بدر کے مقام پر کفّار سے جنگ کی اور انہیں قتل کیا۔ ظاہر ہے کہ آیۃ کے یہ ظاہری معنٰے مراد نہیں بلکہ مطلب

یہ ہے کہ بہ ظاہر اگرچہ تم نے کفّار کو قتل کیا مگر چونکہ تم ذاتی قوّت و اختیار کے مالک نہیں اور نہ ہی تم اپنے افعال کے خالق ہو۔ پس اگر کفار تمہارے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے تمہیں قوّت بخشی اور فعلِ قتل کفّار کو میں نے خلق فرمایا تو کفّار تمہارے ہاتھوں مقتول ہوئے اور میری مدد سے تم نے کفّار پر قالو اور غلبہ پایا۔

تفسیر جلالین میں ہے: فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ (ببدرٍ بقوّتکم) ولٰکنّ اللّٰہ قتلھُم (بنصرہٖ ایّاکم)

معلوم ہوا کہ فاعلِ حقیقی اللہ تعالےٰ ہے۔ اس کے افعال و صفات کا صدور و ظہور مخلوقات کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ جو کام جس سے لینا چاہتا ہے بطورِ آلہ کے لیتا ہے۔ پس میدانِ بدر میں قتلِ کفّار کا فعلِ الٰہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ذریعہ وقوع پذیر ہوا۔ فافہم و تدبّر!

اسی ذیل میں دوسری آیتہ مبارکہ ملاحظہ ہو۔

قال اللہ تعالےٰ:۔ وما رمیت اذ رمیت ولٰکنّ اللہ رمیٰ

(پ۹ س انفال ع۲)

ترجمہ:۔ "اور (اے محبوب!) وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی"۔

اس آیتہ میں اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔ تفسیر جلالین میں ہے:۔

وما رمیت (یا محمّد اعین القوم) اذ رمیت (بالحصیٰ لانّ کفّا من الحصا لایملأ عیون الجیش الکثیر برمیتہ لبشر) ولٰکنّ اللہ رمیٰ (بایصال ذالك الیھم) حاشیہ۔ یعنی:۔ انّ الرمیة التی رمیتھا انت لم ترمھا انت علی الحقیقة لانّك لو رمیتھا لما بلغ اثرھا الّا ما یبلغہ اثر رمی البشر ولٰکنّھا کانت رمیة اللہ حیث اثرت ذالك الاثر العظیم وفی الآیتہ بیان ان فعل العبد مضاف الیہ

کسباً و الی اللہ تعالیٰ خلقاً (بحوالہ تفسیر مدارک)

یعنی اے میرے محبوب! کفّار لشکریوں کی آنکھوں میں خاک اور کنکریاں تم نے نہیں پھینکیں، تم نے ان کی آنکھوں میں نہیں ڈالا۔ اس لئے کہ ایک مشت کنکریاں اگر کوئی بشر پھینکے تو مُٹھی بھر خاک اور کنکریوں سے ایک بڑے لشکر کی آنکھیں بھر نہیں سکتیں۔ پس یہ خاک اور کنکریاں اللہ تعالےٰ نے پھینکیں۔ یہ اس طرح کہ اللہ تعالےٰ نے مٹھی بھر خاک اور کنکریوں کو کفّار لشکریوں کی آنکھوں تک پہنچایا جس سے ان کی آنکھیں بھر گئیں اور بند ہو گئیں۔ غرض کہ خاک اور کنکریوں کو جو آپ نے پھینکا ہے یہ پھینکنا حقیقتاً آپ کا پھینکنا نہیں۔ اس لئے کہ اگر آپ پھینکتے تو جہاں تک بشر کے پھینکنے کا اثر پہنچتا ہے وہیں تک اس پھینکنے کا اثر پہنچتا مگر چونکہ آپ کے اس پھینکنے کا اثر عظیم ظاہر ہوا۔ لہٰذا یہ پھینکنا اللہ تعالےٰ ہی کا پھینکنا ہے۔ اس آیتہ میں اس کا بیان ہے کہ بندے کے فعل کی بندے کی طرف اضافت (نسبت) از روئے کسب کے ہے اور بندے کے فعل کی اللہ تعالےٰ کی طرف (نسبت) از روئے خلق فعل کے ہے۔ کذا فی المدارک۔

اب اسی مضمون کی تیسری آیتہ بھی ملاحظہ ہو۔

قال اللہ تعالیٰ۔ فاذا قرأناہ فاتّبع قرآنہ (پ۲۹ س القیامہ ع۱)

ترجمہ:۔ تو جب ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔

تفسیر جلالین:۔ فاذا قرأناہ (علیك بقرأة جبرئیل) فاتبع قرآنہ (استمع قرأتہٗ) اس آیتہ مبارکہ میں اللہ تعالےٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السّلام کی قرأة کو اپنی قرأة قرار دیا ہے۔ جبرئیل کے قرآن پڑھنے کو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا، اور فرمایا کہ اے میرے محبوب! جب میں قرآن پڑھوں تو آپ خاموشی سے سُنا کریں۔ اس آیتہ میں بھی بندے کے فعل کی نسبت بندے کی طرف از روئے کسب فعل کے ہے۔ اور یہ نسبت، نسبت مجازی اور بندے کے فعل کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف از روئے خلق فعل کے ہے اور یہ نسبت، نسبتِ حقیقی ہے۔

(۲) اللہ تعالےٰ کے فعل کی نسبت بندے کی طرف۔

قال اللہ تعالیٰ:۔ قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلٰما ذکیا۔ (پ۱۶ س مریم ع۲) جبرئیل علیہ السّلام نے حضرت مریم علیہ السّلام سے فرمایا:۔ "میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ستھرا بیٹا دوں"۔ اس آیۃ مبارکہ میں حضرت جبرائیل نے بیٹا دینے کی نسبت براہِ راست اپنی طرف فرمائی حالانکہ جبرئیل علیہ السّلام کو حقیقتاً بیٹا دینے کی قدرت نہیں۔ یہ اللہ تعالےٰ ہی کی شان ہے۔ اگر نجدیہ وہابیہ کے اصول کو صحیح سمجھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں شرک بھرا ہے اور جبرائیل علیہ السّلام نے اللہ تعالےٰ کی شان اور صفت کو اپنی طرف منسوب کر کے شرک کیا (نعوذ باللہ منہا) نیز یہ ظاہر پرست اللہ تعالےٰ کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ جس نے جبرئیل کے اس طرح کہنے کو ردّ نہ فرمایا۔ بلکہ قرآن مجید میں ذکر فرمایا۔ تفسیر جلالین قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما ذکریا۔ ای لاکون سببا فی ھبتہ۔ کہا" میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ستھرا بیٹا دوں" یعنی بیٹے کی عطا کا میں سبب ہوں"۔ اس آیۃ میں فعلِ الٰہی کی نسبت وسیلہ اور سبب کی طرف ہے جیسے یوں کہا جائے۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹا دیا۔ سرکارِ دوعالم علیہ الصّلوٰۃ و السّلام کے فضل سے میں غنی ہو گیا۔ یا یوں کہا جائے کہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے مجھے دولت بخشی۔ میرے پیر و مرشد نے میری مدد فرمائی تو اس طرح کہنا آیۃ قرآن کے مطابق صحیح و درست ہو گا، نہ کہ منکرین کے خانہ ساز اصول کے مطابق کفر و شرک!

ہاں اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم یا کسی ولی اللہ کی طرف یا مخلوق میں سے کسی کی طرف بھی نسبت حقیقی کا عقیدہ رکھے اور انہیں فاعل و متصرف حقیقی یا مختار بالذات مستقلاً جانے تو یقیناً کفر و شرک لازم آئے گا۔ مگر ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان اہل سنت و جماعت یہ عقیدہ نہیں رکھتا تو معلوم ہوا کہ منکرین خواہ مخواہ بہتان بازی اور الزام تراشی کر کے انہیں مشرک ٹھہراتے ہیں جو کہ سراسر ظلم عظیم ہے۔

دوسری آیۃ مبارکہ ملاحظہ ہو:۔

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ (پ۱۳ س ابراہیم ع۱)

ترجمہ:۔ ایک کتاب ہے (یہ قرآن شریف) کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری کہ تم لوگوں کو (کفر کی) اندھیریوں سے (ایمان کے) اُجالے میں لاؤ۔

واضح رہے کہ کفر کے اندھیرے سے نکالنا اور ایمان کے اُجالے میں لانا اللہ تعالےٰ کا فعل اور اس کی صفت ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے کفر سے نکال کر ایمان میں لانے کی قدرت عطا فرمائی ہے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام کی طرف اس فعل کی نسبت مجازی ہے۔ از روئے کسب کے حقیقتاً اللہ تعالےٰ ہی کفر سے نکال کر ایمان میں لاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ (پ۳ س البقر ع۲) پس اللہ کی طرف نسبت حقیقی ہے۔ از روئے خلق کے۔ فلا منافاۃ۔

اس ضمن میں مندرجہ ذیل آیات میں غور کریں:۔

قال اللہ تعالیٰ: قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم (پ۲۱ س سجدہ ع۱)

ترجمہ:۔ تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: کذالک یجزی اللہ المتقین الذین یتوفٰھم الملٰئکۃ طیبین۔ (پ۱۴ س نحل ع۴)

ترجمہ:۔ اللہ ایسا ہی صلہ دیتا ہے۔ پرہیزگاروں کو وہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے ستھرے پن میں۔

قال اللہ تعالیٰ: الذین تتوفٰھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم (پ۱۴ س نحل ع۴)

ترجمہ:۔ وہ کہ فرشتے ان کی جان نکالتے ہیں۔ اس حال پر کہ وہ اپنا بُرا کر رہے تھے۔

ان آیات میں اللہ تعالےٰ کے فعل قبضِ ارواح کو ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السّلام اور اس کے ماتحت ملائکہ کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ حالانکہ آیتہ مبارکہ "اللہ یتوفّی الانفس حین موتہا" سے واضح ہے کہ جانداروں کی موت کے وقت اللہ تعالےٰ ہی ان کی جانوں (ارواح) کو قبض فرماتا ہے۔ اب غور کا مقام ہے کہ ایک ہی فعل قبض ارواح کے منسوب الیہ بہ ظاہر علیحدہ علیحدہ چار ہیں۔

ایک آیت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالےٰ قبض ارواح فرماتا اور وفات دیتا ہے اور دوسری آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ملک الموت یعنی عزرائیل علیہ السّلام قبض ارواح فرماتا ہے اور تیسری آیت سے واضح ہے کہ نیک وکار متقین کی ارواح کے قبض کرنے والے بہت سے فرشتے ہیں اور چوتھی آیت سے ظاہر ہے کہ ظالموں کی ارواح قبض کرنے والے بہت سے ملائکہ ہیں۔ پس اگر ظاہر بین وہابیہ کے خانہ ساز اصول کے مطابق ہر جگہ نسبتِ حقیقی ہی مراد لی جائے تو معاذ اللہ قرآن مجید میں تعارض واقع ہوتا ہے یعنی آیاتِ قرآن میں اختلافِ کثیر ثابت ہوتا ہے جو کہ از روئے قرآن مجید محال ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: لَوکان من عِند غیرِ اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے پر یہ دلیل ارشاد فرمائی کہ "اگر یہ قرآن غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں اختلافِ کثیر پایا جاتا"۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہابیہ کے اصول سے قرآن مجید میں اختلافِ کثیر ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ حالانکہ حقیقتاً قرآن مجید میں قطعاً تعارض و اختلاف نہیں ہے۔ یہ صرف منکرین کی سمجھ کا قصور اور ان کے اصولِ باطلہ کا فتور ہے۔ سچ فرمایا: اللہ تعالےٰ کے محبوب دانائے غیوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے یقرءون القرآن لا یجاوز حناجرھم (بخاری و مسلم) یہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔

پس بات دراصل وہی ہے کہ ان آیات میں ایک ہی فعل قبض ارواح کے منسوب الیہ اگرچہ چار ہیں مگر نسبتوں کا فرق ہے۔ جس آیتہ میں فعل قبض ارواح اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب ہے اس سے نسبتِ حقیقی مراد ہے کہ اللہ تعالےٰ قابض ارواح ہے حقیقتاً اور جن آیات میں فعل قبض ارواح ملائکہ سے منسوب ہے اس سے نسبت مجازی مقصود ہے۔ یعنی ملائکہ قابض ارواح ہیں باذن اللہ مجازاً۔ اللہ تعالےٰ خالق فعل اور ملائکہ کاسب فعل ہیں اور پھر ملک الموت عزرائیل علیہ السّلام کی نسبت فعلِ قبض ارواح اس لحاظ سے ہے کہ تمام جانداروں کی روحوں کا قبض کرنا ملک الموت کا ہی کام ہے اور ملائکہ ملک الموت کے ماتحت، مددگار اور وسائط ہیں اس لئے ملائکہ کی طرف بھی فعل قبض ارواح کی گئی۔ پھر ملک الموت کے ماتحت مددگار ملائکہ دو قسم پر ہیں:۔

(۱) نیک بندوں کی ارواح قبض کرنے والے ملائکہ جو ان کی شان کے مطابق نیک برتاؤ کرتے ہیں۔

(۲) کفار و منکرین اور ظالمین کی روحوں کو قبض کرنے والے ملائکہ جو نہایت ڈراؤنی صورتوں میں نہایت سختی اور عذاب کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ تفسیر جلالین میں ہے:۔

قل یتوفّٰکم ملک الموت الّذی وکّل بکم (ای یقبض ارواحکم)

حاشیہ: واعلم انّ اللہ اخبر ھٰھنا انّ ملک الموت ھو المتوفی والقابض وفی موضع انہ الرسل ای الملٰئکہ وفی موضع انّہ ھو اللہ تعالیٰ فوجہ الجمع بین الآی ان ملک الموت بقبض الارواح والملٰئکۃ اعوان لہ یعالجون ویعملون بامرہٖ واللہ تعالیٰ یزھق الروح فالفاعل لکل فعل حقیقۃ والقابض الارواح جمیع الخلائق ھو اللہ وانّ ملک الموت واعوانہ وسائط تفسیر روح البیان میں بھی یہی مضمون ہے۔

ترجمہ :- تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے یعنی ارواح کو قبض کرنے پر مؤکل ہے اور جاننا چاہیئے کہ اس آیۃ میں اللہ تعالٰے نے خبر دی کہ ملک الموت وفات دینے اور روح قبض کرنے والا ہے اور ایک جگہ فرمایا کہ اللہ تعالٰے کے بھیجے ہوئے فرشتے وفات دیتے اور قبض ارواح کرتے ہیں۔ اور دوسری جگہ فرمایا کہ وفات دینے والا اور روح قبض کرنے والا خاص اللہ تعالٰے ہے ۔ پس ان آیات میں مطابقت اس طرح ہے کہ ملک الموت (حضرت عزرائیل علیہ السلام) قبض ارواح کرتا ہے ، اور فرشتے قبض ارواح میں اس کے مددگار ہیں جو اس کے حکم کے تحت عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالٰے روح کو نکالتا ہے ۔ پس درحقیقت ہر فعل کا فاعل اور جملہ خلائق کی ارواح کا قبض کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ملک الموت اور اس کے مددگار ملائکہ (فعل الٰہی کے ظہور اور حکم الٰہی کے نفاذ کے لئے) وسائط یعنی واسطے ہیں ۔

(۳) ایک ہی فعل کی نسبت اللہ تعالٰے کی طرف بھی اور عبد کی طرف بھی ۔ قال اللہ تعالیٰ

وما نقموا الا ان اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ (پ۱۰ س توبہ)

ترجمہ: اور انہیں کیا برا لگا یہی نا کہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا ۔

اس آیۃ مبارکہ میں اللہ تعالٰے نے غنی کرنے اور فضل کی نسبت اپنی طرف بھی فرمائی اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی۔ معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غنی کرتے اور فضل و کرم فرماتے ہیں فرمانِ الٰہی قرآن مجید کی تعلیم کے عین مطابق ہے نہ کہ نجدیہ وہابیہ کے کہنے کے مطابق شرک و کفر! کہ منکرین کا اس طرح کہنا نصِّ قرآن کے خلاف ہے ۔ پس ثابت ہوا کہ منکرین کے اصول خانہ ساز ، من گھڑت ، فضول اور قطعاً باطل ہیں کہ یہ لوگ حسبِ فرمانِ نبویؐ قرآن پڑھتے تو ہیں مگر قرآن مجید کو سمجھنے کا شعور نہیں رکھتے ۔ یہ ظاہر بیں لوگ نسبت کے فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے گمراہی کا شکار ہو گئے ،

حالانکہ بات وہی سیدھی سی ہے کہ اللہ تعالٰے اپنے فضل سے غنی فرماتا ہے حقیقتاً بالذات اور حضور سرورِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے فضل سے غنی فرماتے ہیں۔ بعطاءِ و اذن الٰہی اللہ تعالٰے کی طرف نسبتِ حقیقی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نسبتِ مجازی بحیثیت واسطہ وسیلۂ اعظم ہونے کے ۔

اس ضمن میں دوسری آیۃ مبارکہ ملاحظہ ہو :-

قال اللہ تعالیٰ :- ولو انھم رضوا ما اٰتٰھم اللہ ورسولہ وقالوا حسبنا اللہ سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ انا الی اللہ راغبون ہ

(پ۱۰ ع س توبہ)

ترجمہ: اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسولؐ نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے ۔ اب دیتا ہے ہمیں اللہ تعالٰے اپنے فضل سے اور اس کا رسول ۔ ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے ۔"

اس آیۃ میں بھی فضل و عطا کی نسبت اللہ تعالٰے کے ساتھ ساتھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی طرف بھی فرمائی گئی ہے مگر منکرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل اور آپ کی عطا پر عقیدہ نہیں رکھتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضل و عطا پر راضی نہیں ہوتے لہٰذا ان کو چاہیئے کہ اپنی قرآن فہمی کا ماتم کریں ۔ اپنے ایمان کی خیر منائیں اور قرآن مجید کے مطابق صحیح عقیدہ رکھنے والے اہل سنت وجماعت کو مشرک ٹھہرانے سے باز آئیں یا پھر اپنی سابقہ گستاخیوں پر نادم ہو کر توبہ و استغفار کر کے کسی مردِ حق ، بندۂ مومن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے قرآن مجید کی صحیح تعلیم حاصل کریں تا کہ قرآن ان کی سمجھ میں آ سکے اور فیوض و برکات قرآن سے مستفید ہو سکیں ۔

تیسری آیۃ مبارکہ ملاحظہ ہو :-

قال اللہ تعالیٰ :- وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ (پ۲۲ س احزاب ع)

ترجمہ :۔ اور اے میرے محبوب یاد کرو جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اُسے نعمت دی ۔

اس آیۃ مبارکہ میں اللہ تعالے نے نعمت دینے کی نسبت اپنی طرف بھی فرمائی اور اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی ۔

مندرجہ بالا تینوں آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالے مخلوق پر فضل و کرم فرماتا ہے ۔ ہر نعمت عطا فرماتا ہے اور غنی فرماتا ہے اور حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم بھی فضل و کرم فرماتے ہیں ۔ ہر نعمت عطا فرماتے ہیں اور غنی فرماتے ہیں ۔ مگر فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کرتا ہے بالذّات ۔ مستقلاً حقیقۃً اور حضرت محبوبِ خدا احمدِ مجتبےٰ محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء بحیثیت خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ اور رابطہ اور وسیلۂ اعظم ہونے کے مجازاً بہ عطاء و اذنِ الٰہی ۔
والحمد للہ علیٰ ذالک والعاقل تکفیہ الاشارۃ ۔

واضح رہے کہ قرآن مجید میں اس طرح کی نسبتیں بکثرت ہیں اور احادیث میں بھی مگر مضمون کی طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں ۔ امید ہے کہ ناظرین بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ ایک بات جب اللہ تعالے کی جانب منسوب ہو تو اس سے نسبتِ حقیقی مراد ہوتی ہے اور جب اسی بات کی نسبت حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام یا اولیاء اللہ (قدسنا اللہ اسرارھم) یا مخلوق میں سے کسی اور کی طرف تو اس سے نسبت مجازاً ہوتی ہے ۔ اگرچہ کلام میں اللہ تعالے کا ذکر نہ ہو ۔

ثبوتِ توسّل بہ آیاتِ قرآن

(۱) قال اللہ تعالے :۔ یاایھا الذین اٰمنوا اتّقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہٖ لعلکم تفلحون (پ ۶ س المائدہ ع ۶)

ترجمہ :۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو ۔ اس امید پر کہ فلاح پاؤ ۔

اس آیۃ میں اللہ تعالے نے مومنوں کو خطاب فرمایا لہٰذا ایمان سے وسیلہ مراد لینا ممکن نہیں اور نہ اعمالِ صالحہ مراد وسیلہ ٹھہرتے ہیں کہ وہ تقویٰ میں داخل ہیں اور تقویٰ عبارت ہے امتثال اوامر اور اجتناب عن نواہی سے اس لئے کہ قاعدہ عطف کا مغایرت بین المعطوف والمعطوف الیہ کا مقتضی ہے اور وسیلہ سے مراد جہاد بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ بھی اعمال صالحہ کے ساتھ تقویٰ میں داخل ہے ۔ پس وابتغوا الیہ الوسیلہ میں اللہ تعالے نے جس وسیلہ کے اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے وہ سرکار دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار کرنا ہے کہ آپ ہی خالق اور مخلوق کے درمیان حقیقی وسیلہ ہیں اور آپ کی اتّباع میں مرشد کامل وسیلہ ہے ۔ پس اللہ تعالے نے مومنوں کو ارشاد فرمایا ہے کہ مرشد کامل کے وسیلہ سے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بارگاہِ عالیہ تک رسائی حاصل کریں اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے وسیلہ سے تقریبِ الٰہی حاصل کریں ۔

پس خوش نصیب ہیں وہ مومن جو تقرّبِ الٰہی کے حصول کے لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار کرتے اور اولیاء اللہ سے توسّل کرتے ہیں ۔

جاننا چاہیئے کہ یہ حکمِ الٰہی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی زندگی میں بھی یہی حکم تھا اور آپؐ کی رحلت کے بعد بھی یہی حکم ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانۂ حیاتِ ظاہری میں آپؐ سے توسّل جائز تھا۔ آپؐ کی رحلت کے بعد جائز نہیں تو یہ لوگ تفسیر قرآن بالرائے کے مرتکب ہوتے ہیں جو کہ صریحاً جرم شرعی ہے اور اس پر سخت وعید ہے۔

(۲) قال اللہ تعالیٰ :۔ اولٰئك الّذین یدعون یبتغون الٰی ربّهم الوسیلة ایّهم اقرب۔ (پ۱۵ س بنی اسرائیل ع۶)

ترجمہ :۔ وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرّب ہے۔

اس آیۃ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ تک پہنچنے کے لئے (تقرّبِ الٰہی کے لئے) وسیلہ ڈھونڈنا اللہ تعالےٰ کے محبوب و مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جو شخص توسّل کا منکر ہے وہ قرآن مجید کا منکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے طریقہ کا مخالف ہے۔

(۳) قال اللہ تعالےٰ :۔ ولو انّهم اِذ ظّلموا انفسهم جاؤك فاستغفر الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توّابا رّحیما۔ (پ۵ س النسآء ع۹)

ترجمہ :۔ اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے پاس حاضر ہوں۔ پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسولؐ ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اس آیۃ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑنا ہماری دعاؤں کی بارگاہِ الٰہی میں مقبولیّت اور ہماری حاجت روائی کا ذریعہ ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بندوں کے حق میں اللہ تعالےٰ کا توّاب اور

رحیم ہونا آپ کی شفاعت پر موقوف ہے اور واضح رہے کہ اس آیۃ میں ظلم، ظالم اور زمان میں کسی قسم کی قید نہیں۔ کوئی جرم ہو، کسی بھی قسم کا مجرم ہو اور خواہ کسی زمانہ میں ہو۔ مجرم اپنے گناہوں پر نادم ہو کر حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہو۔ آپ کے وسیلہ سے بارگاہِ الٰہی میں اپنی معافی کے لئے درخواست پیش کرے۔ اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس کی معذرت کو قبول فرما کر قابلِ معافی جان کر اللہ تعالےٰ کی بارگاہِ اقدس میں اس کے لئے شفاعت فرما دیں تو بیڑا پار ہے اور جاؤک میں یہ قید نہیں کہ مدینہ منوّرہ میں ہی حاضر آستانہ ہو بلکہ کہیں بھی ہو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف متوجہ ہونا اور آپؐ کا وسیلہ پکڑنا بھی آپؐ کی بارگاہ میں حاضری ہے اور اگر مدینہ مطہرہ کی حاضری نصیب ہو جائے تو زہے نصیب۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک اعرابی روضۂ اقدس پر حاضر ہوا اور روضۂ اطہر کی خاکِ پاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا : یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور جو آپ پر نازل ہوا (یعنی قرآن مجید) اس میں یہ آیۃ بھی ہے ولو انّهم اِذ ظّلموا انفسهم جاؤك ۔ الآیۃ "میں نے بیشک اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آپ کے حضور میں اللہ سے اپنی بخشش چاہنے حاضر ہوا ہوں تو میرے ربّ سے میرے گناہ کی بخشش کرائیے"۔ اس پر روضۂ اقدس سے ندا آئی قَدْ غُفِرَ لَكَ "تیری بخشش کر دی گئی"۔ اس سے چند مسائل معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں عرضِ حاجت کے لئے اس کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا ذریعہ کامیابی ہے۔ دوم یہ کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ کے مزاراتِ مقدّسہ کی حاضری بھی "جاؤک" میں داخل اور سنّتِ صحابہ ہے اور اللہ تعالےٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ۔ سوم یہ کہ انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ (قدّسنا اللہ باسرارہم) مزاراتِ مقدّسہ میں حیات ہیں اور زائرین کو دیکھتے پہچانتے اور ان کے کلام کو سنتے ہیں اور صاحبِ نسبت خوش نصیبوں سے ہمکلام بھی ہوتے ہیں۔ چہارم یہ کہ

نفوس قدسیہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کو ان کی رحلت کے بعد "یا" صیغۂ حاضر سے ندا کرنا جائز ہے۔ پنجم یہ کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی امداد طلب کرنے والوں کی مدد فرماتے ہیں اور ان کی شفاعت اور دعاؤں سے متوسّلین کی مطلب برآری اور حاجت روائی ہوتی ہے۔ فالحمد للّٰہ علٰی ذالک ○

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

(۴) قال اللّٰہ تعالٰی :- فتلقّٰی آدم من رّبّہٖ کلمٰتٍ فتاب علیہ (پ۱ س البقرۃ ع۴)

ترجمہ :- پھر سیکھ لئے آدم عؑ نے اپنے ربّ سے کچھ کلمے، تو اللّٰہ نے اس کی توبہ قبول کی۔

حضرت آدم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور حضرت حوّا رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا کو جب زمین پر اتارا گیا تو دونوں میں جدائی ڈال دی گئی۔ حضرت آدم علیہ السّلام کو جبل نود سرزمین سراندیپ (لنکا) میں اور حضرت حوّا رضی اللّٰہ عنہا کو مقامِ جدّہ میں اتارا گیا۔ زمین پر آنے کے بعد حضرت آدم علیہ السّلام نے تین سو برس تک حیاء سے آسمان کی طرف سر نہ اٹھایا اور اس قدر گریہ فرمایا کہ آپ کے آنسو تمام اہلِ زمین کے آنسوؤں کے مجموعہ سے بڑھ گئے۔ اس پریشانی کے عالم میں یاد آیا کہ وقتِ پیدائش میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ عرشِ الٰہی پر لکھا ہے لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ۔ اور خیال آیا تھا کہ بارگاہِ الٰہی میں وہ رتبہ کسی کو میّسر نہیں جو حضرت محمّد صلے اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ اللّٰہ تعالٰی نے ان کے نامِ پاک کو اپنے نامِ پاک کے ساتھ عرشِ اعظم پر مکتوب فرمایا۔ لہٰذا آپ نے اپنی دعا میں ربّنا ظلمنا انفسنا وان لّم تغفر لنا وترحمنا لنکوننّ من الخاسرین ○ کے ساتھ یہ عرض کیا اسئلک بحقّ محمّد ان تغفر لی اور ابن منذر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں :-

اللّٰھمّ انّی اسئلک بجاہ محمّد عبدک وکرامتہٖ علیک ان تغفر لی۔

"یارب! میں تجھ سے تیرے بندۂ خاص محمّد (صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم) کے جاہ و مرتبہ کے طفیل میں اور اس کرامت کے صدقہ میں جو انہیں تیرے دربار میں حاصل ہے مغفرت چاہتا ہوں۔"

یہ دعا کرنی تھی کہ حق تعالٰی نے آپ کی مغفرت فرما دی۔ اس روایت کو طبرانی و حاکم و ابو نعیم اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "حضرت آدم علیہ السّلام سے (بہ ظاہر) خطا کا ارتکاب ہو گیا تو انہوں نے جنابِ باری میں عرض کی: اے پروردگار! میں تجھ سے بہ واسطۂ محمّد (صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم) درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت کر دیجئے۔ اللّٰہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے آدم! تم نے مُحَمَّد کو کیسے پہچانا۔ حالانکہ ہنوز میں نے ان کو (عالمِ بشریت میں) پیدا بھی نہ کیا۔ عرض کی، اے رب! انہیں میں نے اس طرح پہچانا کہ جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی (شرف دی ہوئی) روح مجھ میں پھونکی اور میں نے سر جو اٹھایا تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ سو میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نامِ پاک کے ساتھ ایسے ہی شخص کے نام کو ملایا ہے جو تیرے نزدیک تمام مخلوق سے پیارا ہے۔ اللّٰہ تعالٰی نے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا۔ واقعی وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہے اور جب تو نے اس کے واسطہ سے مجھ سے درخواست کی ہے، تو میں نے تیری مغفرت کر دی اور اگر مُحَمَّد نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔" روایت کیا اس کو بیہقی نے دلائل میں اور حاکم نے اور طبرانی نے اور شارح مشکوٰۃ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے جذب القلوب میں۔ رحمتہ اللّٰہ علیہم اجمعین

اور حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے مکتوبات میں اور شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے مدارج النبوّہ میں یہ روایت نقل فرمائی لولا محمّد لما اظہرت الرّبوبیّۃ۔ اگر محمّد نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیّت کو ظاہر نہ کرتا۔

معلوم ہوا کہ سرکارِ دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ابو البشر حضرت آدم علیہ السّلام کا دعا کرنا اللہ تعالےٰ کو پسند آیا اور آپ کی مغفرت فرما دی نیز معلوم ہوا کہ حضرت محمّد رّسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑنا انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی سنّت ہے۔ اب اس بیماری کا کیا علاج کہ منکرین کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے توسّل پسند نہیں اور وسیلہ اختیار کرنے کو شرک قرار دیتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ توسّل کا انکار قرآن مجید اور احادیث کا انکار ہے۔

منکرین اتنا نہیں سوچتے کہ اگر وسیلہ پکڑنا شرک ہوتا اور توحید کے منافی تو نہ حضرت آدم علیہ السّلام حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے توسّل فرماتے اور نہ اللہ تعالےٰ آپ کی مغفرت فرماتا۔

پھر منکرین کے اس عقیدہ کی بھی تردید ہو گئی۔ جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام سے ان کی دنیاوی زندگی میں توسّل جائز تھا۔ اب غائبانہ توسّل ناجائز ہے کہ حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے غائبانہ توسّل فرمایا اور اللہ تعالےٰ نے غائبانہ توسّل کو قبول فرمایا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ؎

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

(۵) وکانوا من قبل یستفتحون علی الّذین کفروا فلمّا جاءھم ماعرفوا کفروا بہٖ فلعنۃ اللہ علی الکٰفرین (پ۱ س البقرۃ ع۱۱)

ترجمہ:۔ اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی

لعنت منکروں پر۔

جب کبھی اہل کتاب مشرکین سے جنگ کرتے تو حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعاءِ نصرت کرتے تھے کہ خدایا! اس نبی آخر الزمان کے طفیل ہمیں فتح دے۔ رب انہیں فتح دیتا تھا۔ کیونکہ گذشتہ کتب اور پہلے نبیوں نے حضور؂ کا غلغلہ عالم میں پھیلا دیا تھا۔ اس آیتہ پاک میں وہ واقعات یاد دلائے جا رہے ہیں کہ پہلے تم ان کے نام کے طفیل دعائیں مانگتے تھے۔ اب جب وہ تشریف لے آئے تو تم ان کے منکر ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے توسّل سے دعائیں مانگنا بڑی پرانی سنت ہے اور ان کے وسیلہ کا منکر یہود و نصاریٰ سے بدتر ہے اور حضور؂ کے وسیلہ سے پہلے ہی خلق کی حاجت روائی ہوتی تھی۔ رب نے ان کے توسّل کو بُرا نہ فرمایا۔ وہ تو محبوب چیز ہے بلکہ انکار رسول؂ پر لعنت کی۔ اس لئے علیہم نہ فرمایا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وسیلہ پکڑنے پر لعنت فرمائی گئی (نور العرفان)۔

تفسیر جلالین میں اس آیتہ کے تحت مرقوم ہے:۔

بنی اسرائیل اس طرح دعا کیا کرتے تھے یقولون اللّٰھم انصرنا علیھم بالنبی المبعوث آخر الزمان۔ یا اللہ! آخر زمانہ میں مبعوث ہونے والے نبی کے صدقہ میں ہمیں فتح دے اور ہماری مدد فرما۔

تفسیر کبیر میں ہے:۔ انّ الیھود من قبل مبعث محمّد علیہ السّلام ونزول القرآن کانوا یستفتحون ای یسئالون الفتح والنصرۃ وکانوا یقولون اللّٰھم افتح علینا وانصرنا بالنّبیّ الامّیّ وراہعا نزلت فی بنی قریظۃ والنضیر کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول اللہ قبل البعث۔

ترجمہ:۔ بیشک یہودی لوگ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مبعوث ہونے اور نزول قرآن سے پہلے آپ کے وسیلہ سے فتح و نصرت حاصل ہونے کی دعا مانگا

کرتے تھے یا اللہ نبی اُمّی کے وسیلہ سے ہمیں فتح دے اور ہماری مدد فرما اور اس آیتہ کے شانِ نزول میں چوتھی بات یہ ہے کہ "بنی قریظہ" اور "نضیر" قبیلوں کے لوگ اُوس اور خزرج قبیلوں پر فتح حاصل ہونے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے آپ کی بعثت سے پہلے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب بنی اسرائیل پر بخت نصر بادشاہ نے بہت ظلم کیا تو انہوں نے باہم مشورہ کر کے ملک عرب کی طرف ہجرت کر جانے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ دیکھا۔ بنی اسرائیل کے علماء اور احبار حضرت محمدّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت پاک اپنی کتابِ الٰہی تورات شریف میں پڑھتے تھے کہ پیغمبرِ آخرالزمان ایسی صفاتِ حمیدہ کے ساتھ ملک عرب کے کسی قریہ میں جس کو ذات النخل (کھجوروں والا شہر) کہتے ہیں اس میں ظہور فرمائے گا۔ جب یہ لوگ ملک شام کے شہروں سے باہر نکلے تو عرب کے شہروں میں سے جس شہر میں شمّہ بھر بھی کوئی صفت صفاتِ محمّدیہ میں سے پاتے وہیں فروکش ہو جاتے تھے۔ اسی طرح چلتے چلتے جب شہر یثرب[1] میں پہنچے تو اس مقام کو ان صفات سے مکمل طور سے متصف پایا۔ چنانچہ ان میں سے ایک جماعت جو حضرت ہارون علیہ السّلام کی اولاد میں سے تھی، اس نے یثرب[1] میں رہنے کا فیصلہ کر لیا اور کچھ لوگ گرد و نواح میں آباد ہو گئے (اور کمال بے چینی کے ساتھ حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ظہور کا انتظار کرنے لگے) جب ان میں سے کوئی مرنے لگتا تو اپنی اولاد کو اس مضمون کا وصیّت نامہ تحریر کر کے دیتا کہ اگر تم سیّد المرسلین محمّد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے زمان کرامت نشان کو پاؤ تو خبردار ان کی اطاعت اور بیعت سے منہ نہ موڑنا۔ لیکن اللہ تعالےٰ کی مشیّت اور تقدیر کے آگے چارہ نہیں کہ جب حضرت

---

[1] سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے سے پہلے مدینہ منورہ کو یثرب کہتے ہیں، اب یثرب کہنا منع ہے۔ (مؤلف)

محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو یہ یہودی محروم رہ گئے اور حسد کی بلا میں گرفتار ہو کر نکال و وبال ابدی کا شکار ہو گئے اور حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی سعادت انصار کو نصیب ہوئی۔ یہ عجیب تماشائے قدرت ہے کہ پہلے یہود، نصاریٰ سے نزاع کے وقت کہا کرتے تھے کہ کل نبی آخرالزّمان پیدا ہوں گے تو ہم ان کے ساتھ ہو کر تم سے خوب سمجھیں گے۔ مگر آپ کے مبعوث ہونے پر قضیہ بالعکس ہو گیا۔ وہ سعادت انصار کو ملی جس کے یہودی متوقع و منتظر تھے (جذب القلوب) فاعتبروا یا اولی الابصار۔

(٦) قال اللہ تعالےٰ :- فارسلنا علیهم الطوفان والجراد والقمّل والضّفادع والدّم اٰیات مّفصّلات فاستکبروا وکانوا قوما مجرمین ○ ولمّا وقع علیهم الرّجز قالوا یٰموسٰی ادع لنا ربّك لما عهد عندك لئن کشفت عنّا الرّجز لنؤمننّ لك ولنرسلنّ معك بنی اسرائیل ○ فلمّا کشفنا عنهم الرّجز الی اجل هم بالغوه اذا هم ینکثون ○

(پ ۹ س الاعراف ع ١٦)

ترجمہ :- تو بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹیڑی اور گھن (یا کلنی جوئیں) اور مینڈک اور خون جُدا جُدا نشانیاں، تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی اور جب ان پر عذاب پڑتا، کہتے اے موسےٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو۔ اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے پاس ہے بیشک اگر تم ہم سے عذاب اٹھا دو گے تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے پھر جب ان سے عذاب اٹھا لیتے ایک مدّت کے لئے جس تک انہیں پہنچنا ہے، جبھی وہ پھر جاتے۔

جب فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور صریحاً منکر ہو گئے تو آپ نے فرعونیوں کے لئے بد دعا فرمائی کہ مولا اب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی، انہیں مختلف عذابوں میں مبتلا فرما۔ آپ کی بد دعا کے نتیجہ میں اتنی کثرت

سے بارش ہوئی کہ فرعونیوں کے گھروں میں پانی گلے گلے کھڑا ہو گیا جو بیٹھا وہ ڈوب گیا۔ جو کھڑا رہا اس کے گلے گلے پانی رہا۔ بنی اسرائیل اس عذاب سے محفوظ رہے۔ سینچر سے سینچر تک یہ عذاب رہا تب فرعون نے موسیٰ علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لانے کا وعدہ کیا۔ طوفان ختم ہونے پر وہ ایمان نہ لائے تو ایک ماہ بعد قبطیوں پر ٹڈی کا عذاب آیا اور قبطیوں کے کھیت، گھروں کی چھتوں کو اور سامان کیلیں تک کھا گئیں۔ پھر یہ لوگ موسیٰ علیہ السّلام کی خدمت میں آئے اور ایمان لانے کا وعدہ کیا۔ آپ کی دعا سے یہ عذاب دفع ہوا۔ اس عذاب میں بھی شنبہ سے شنبہ تک گرفتار رہے۔ پھر ایک ماہ آرام سے گذرا مگر وہ ایمان نہ لائے تو ان پر گھن یا جوؤں کا عذاب آیا۔ یہ کیڑے فرعونیوں کے جسم تک چاٹ گئے۔ دس بوری اناج کی چکّی پر جاتیں تو بمشکل تین سیر آٹا آتا۔ پھر موسیٰ علیہ السّلام کے پاس نادم ہو کر آئے۔ یہ عذاب بھی ایک ہفتہ رہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی دعا سے یہ عذاب بھی رفع ہو گیا۔ یہ لوگ پھر وعدہ سے پھر گئے۔ ایک ماہ کے بعد پھر ان پر مینڈک کا عذاب آیا کہ جہاں فرعونی بیٹھتے وہاں مینڈک ہی مینڈک ہو جاتے۔ کھانوں میں، پانی میں، چولہوں میں، چکّی میں مینڈک ہی مینڈک تھے۔ یہ عذاب بھی ان پر ایک ہفتہ رہا۔ آخر تنگ آ کر فرعونی پھر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لانے کا وعدہ کیا۔ آپ کی دعا سے یہ عذاب بھی جاتا رہا۔ اس کے بعد منکرین پھر اپنے وعدہ سے منحرف ہوئے۔ ان پر خون کا عذاب آیا۔ کنوئیں، چشمے، سالن، روٹی وغیرہ سب میں تازہ خون ہو گیا۔ فرعون نے حکم دیا کہ قبطی اسرائیلی کے ساتھ ایک برتن میں کھائیں تو اسرائیل کی طرف شوربا اور قبطی کی طرف خون ہوتا۔ اگر اسرائیلی کے برتن سے پانی قبطی کے برتن میں ڈالا گیا تو فوراً خون ہو گیا۔ حتیٰ کہ قبطیوں نے اسرائیلیوں سے اپنے میں کلیاں کرائیں تو اسرائیلی کے منہ میں خون نہ ہوتا اور قبطی کے منہ میں پہنچتے ہی خون ہو جاتا۔

اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں بیان فرمایا کہ جب ان پر عذاب پڑتا، تو کہتے:

اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو۔ معلوم ہوا کہ فرعون اور فرعونی دل سے موسیٰ علیہ السّلام کی صداقت کے قائل تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قبولِ دعا کے لئے بزرگوں کے آستانہ پر جانا انسان کا فطری تقاضا ہے جو بزرگوں کے توسّل سے روکے، وہ درحقیقت فطرت سے روکتا ہے کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ دیکھو فرعون کافر تھا مگر مصیبت کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے دعا کراتا تھا یہ فطری تقاضا تھا۔ نیز آیۃ لئن کشفت عنا الرّجز فرعون نے کہا، بیشک اگر تم ہم سے عذاب اٹھا دوگے۔ سے معلوم ہوا کہ خدائی کاموں کو بندے کی طرف نسبت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ عذاب اٹھانا ربّ کا کام ہے مگر موسیٰ علیہ السّلام کی طرف نسبت کی گئی اور اللہ تعالےٰ نے اس پر اعتراض نہ فرمایا کہ چونکہ فرعون نے موسیٰ علیہ السّلام سے فریاد رسی کی درخواست کی۔ لہٰذا وہ مزید شرک کر کے اور زیادہ مجرم ہو گیا۔ نیز معلوم ہوا کہ نبی اللہ کے توسّل کا فرعون بھی قائل تھا جو اس وسیلہ کا منکر ہے، وہ فرعون سے زیادہ گمراہ ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے کفار سے عذاب دور ہوتا رہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی دعا کافروں کو فائدہ دے جاتی ہے تو ہم گنہگار مومنوں کو کیونکر فائدہ نہ دے گی (نور العرفان)

واضح رہے کہ قرآن مجید سے توسّل کے سلسلہ میں مزید آیات پیش کی جا سکتی ہیں مگر طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ کیونکہ منصف مزاج کے لئے اس قدر بھی کافی ہے۔

والعاقل تکفیه الاشارة

حدیث سے توسّل و تبرک اور ندا، و استمداد کا ثبوت

مالک و مختار شریعت محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا عمل۔ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالےٰ عنہا حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی والدہ ماجدہ نے وفات پائی تو

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اپنی قمیص مبارک کا کفن دیا اور قبر تیار کرنے کا حکم فرمایا جب قبر کھودی گئی تو حضور اپنے ہاتھ مبارک سے لحد کھودتے اور مٹی باہر نکالتے رہے۔ آپ لحد میں لیٹ گئے اور دعا فرمائی: اللّٰھمّ اغفر لامّی فاطمۃ بنت اسد و وسّع علیھا مدخلھا بحق نبیّك والانبیاء الّذین من قبلی فانّك ارحم الرّاحمین۔

یا اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور اس کے لئے اس کی قبر کو کشادہ کر دے اپنے نبی (محمّد) کے صدقہ میں اور ان انبیاء کے صدقہ میں جو مجھ سے قبل گذر چکے۔ پس بیشک تو ہی سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ نے ان کو اپنی قمیص مبارک کا کفن کس لئے دیا۔ فرمایا:۔

البستھا لتلبس من ثیاب الجنّۃ واضطجعتُ معھا فی قبرھا لاُخفّف عنھا ضغطۃ القبر" میں نے اپنی قمیص کا کفن انہیں اس لئے دیا تا کہ (اس کے صدقہ میں) انہیں جنّت کا لباس پہنایا جائے اور میں ان کی قبر میں ان کے ساتھ اس لئے لیٹا تا کہ انہیں تنگیٔ قبر کے عذاب سے نجات دلاؤں"۔

اس روایت کو ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ اور دیلمی نے مسند الفردوس اور طبرانی نے جامع کبیر اور اوسط میں اور ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ روایت صحیح ہے۔

نیز علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی نے "شواہد الحق" میں اور شیخ محقق عبد الحق محدّث دہلوی نے "جذب القلوب" میں نقل فرمایا (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور سیّد المرسل محمّد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء اور انبیاء کرام علیہم السّلام کے توسّل سے عذاب الٰہی سے نجات ملتی ہے اور بلائیں دور ہوتی ہیں۔ نیز یہ کہ رحلت فرمائے ہوئے مقبولانِ الٰہی سے توسّل سنّتِ رسول اللہ ہے نہ کہ شرک و بدعت جس طرح منکرین کہتے ہیں۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے عمل مبارک سے توسّل غائبانہ کو جائز و مستحسن اور سنّت قرار دے دیا۔ منکرین اپنے قلم اور زبان کو روکیں کہ ان کے ان باطل فتوؤں کی زد براہِ راست حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پڑتی ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نفوسِ قدسیہ کے مستعمل کپڑے بھی دافع البلاء ہیں۔ مقبولانِ الٰہی کی مستعمل اشیاء سے توسّل و تبرّک سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں حاصل ہوتی ہیں اور مصائب و بلیات سے نجات ملتی ہے۔

واضح رہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خالق و مخلوق کے درمیان اصل رابطہ ہیں۔ وصول و تقرب الٰہی کے لئے سب آپ کے وسیلہ کے محتاج ہیں۔ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) محتاج الیہ ہیں۔ آپ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے محتاج نہیں اور نہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی دوسرے کا وسیلہ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ پس آپ کا یہ عمل مبارک بیان جواز اور تعلیم دینے کے لئے ہے کہ موجودہ و گذشتہ نفوس مقدسہ کا وسیلہ پکڑنا شرعاً جائز اور سنّت قرار پائے فالحمد للہ علیٰ ذالك۔

اولیاءِ اُمّت سے توسّل سنّت ہے

عن امیۃ بن خالد بن عبد اللہ بن اسید عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انّہ کان یستفتح ای یطلب الفتح والنصرۃ علی الکفّار من اللہ تعالیٰ بصعالیك المھاجرین۔ (مشکوٰۃ۔ شرح السنۃ۔ طبرانی)

حضور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقراء مہاجرین کے وسیلہ سے کفّار کے مقابلہ کے وقت کفار پر فتح و نصرت حاصل ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد پنجم میں حضرت العلامہ علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے

ہیں :۔ ای بفقرائهم وببرکة دعائهم وفی النهایة ای یستنصر بهم ومنه قوله تعالیٰ ان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح وقال ابن الملك بان یقول اللّٰهم انصرنا علی الاعداء بحق عبادك الفقراء المهاجرین وفیه تعظیم الفقراء والرغبة الی دعائهم والتبرّك بوجوههم ۔ یعنی حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ سے کفار پر فتح و نصرت طلب کرتے تھے ۔ فقراء مہاجرین کے وسیلہ سے اور ان کی دعاء کی برکت سے اور نہایہ میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ان کے ذریعہ سے مدد چاہتے تھے اور اس باب میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے : ان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح اور ابن الملک نے فرمایا کہ آپ یوں فرماتے : یا اللہ ! ہمیں فتح و نصرت دے اپنے بندوں فقراء مہاجرین کے صدقہ میں اور اس میں فقراء کی تعظیم اور ان کی دعاؤں کی طرف رغبت اور ان کے چہروں سے برکت چاہنے کی تعلیم دینا مقصود ہے ۔

نیز مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ اس میں نہایت بزرگی ہے فقراء کی کہ حضرت سیّد عالم سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ان کے لئے ثابت کی اور مخصوص اور مشرف کیا ، ان کے ساتھ اس کے کہ بہ برکت ان کی طلب فتح کی کرتے تھے ۔ مصرعہ

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

ناظرین انصاف کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو امت کو اپنے عمل مبارک سے تعلیم دے رہے ہیں کہ اولیاء اللہ کا وسیلہ اختیار کیا جائے ۔ حل مشکلات اور دفعیہ مصائب کے لئے اولیاء کرام سے دعائیں کرائی جائیں اور نفوس قدسیہ سے تبرک و توسّل کیا جائے اور منکرین ہیں کہ ان امور کو ناجائز اور شرک و بدعت قرار دیکر مسلمانوں کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے کے لئے بیہودہ اچھل کود میں مصروف ہیں ؎

بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا ۔!

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توسّل کی حکماً تعلیم فرمائی

ندائے "یا رسول اللہ" کا ثبوت

عن عثمان ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان رجلا ضریر البصر اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادع اللہ ان یعافینی فقال ان شئت دعوت ان شئت صبرت فهو خیر لك فقال فادعه قال فامره ان یتوضأ فیحسن الوضوء ویدعوا بهذا الدعاء اللّٰهم انّی اسئلك واتوجّه الیك بنبیّك محمّد نبی الرحمة یا محمّد انی توجّهت بك الی ربّی لیقضی لی فی حاجتی هٰذہ اللّٰهم فشفعه فیّ ۔ (یہ روایت مشکوٰۃ ، ترمذی ، ابن ماجہ ، مستدرک حاکم ، حصن حصین اور الترغیب والترہیب میں منقول ہے)۔

ترجمہ :۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نابینا آیا اور عرض کی یا رسول اللہ ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لئے دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے بینائی عطا فرمائے ۔ آپ نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں دعا کردوں ۔ اگر تو چاہے تو صبر کرے کہ یہ تیرے حق میں بہتر ہے ۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ! آپ دعا فرمائیں ۔ پس آپ نے اسے حکم فرمایا کہ بہت اچھی طرح وضو کر اور یہ دعا مانگ اے اللہ ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں ۔ تیرے نبی محمّد نبی الرحمتہ کے وسیلے سے یا محمّد میں آپ کے وسیلہ سے اپنے ربّ کی طرف اس لئے متوجہ ہوتا ہوں کہ اللہ آپ کے صدقہ میں میری اس حاجت کو پورا فرمائے ۔ یا اللہ ! تو ان کی شفاعت میرے حق

نے اسے اپنے فرشِ خاص پر بٹھایا اور پوچھا تمہاری کیا حاجت ہے۔ اس نے جو حاجت تھی عرض کی، آپ نے روا فرمائی اور پھر فرمایا، اس کے بعد جو حاجت تم کو ہوا کرے، ہمارے پاس آیا کرو ہم روا کر دیا کریں گے۔ پھر اس نے یہ معاملہ عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو یہ دعا فرمائی تھی، سو اسی حدیث پہ عمل کر کے یہ دعا میں نے تم کو بتائی ہے ورنہ میں نے تمہاری بابت کوئی سفارش نہیں کی ہے۔ اس حدیث کو محدّثین نے اپنی کتابوں میں نقل فرمایا۔ اس کے فوائد بیان فرمائے۔ شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ العزیز جذب القلوب میں فرماتے ہیں۔ اکثر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اور اکثر تابعین نے اس پر عمل فرمایا ہے۔ ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے توسّل غائبانہ اور یا رسول اللہ کہہ کر اپنی مشکلات کے حل اور قضائے حاجات کے لئے آپ کی خدمت میں شفاعت کے لئے عرض کرنا سنت ہے۔ پس جو شخص توسّل غائبانہ کو ناجائز اور شرک و بدعت بتاتا ہے وہ خود خلافِ سُنّت اور منکرِ حدیث و قرآن ہے۔ ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

جو کچھ چاہو مجھ سے مانگ لو

(صحیح مسلم جلد ۱ صـ۱۹۳، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، معجم کبیر طبرانی اور مشکوٰۃ باب السجود وفضلہ میں روایت ہے۔ سیّدنا ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں :- کنت ابیت مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فاتیتہ بوضوئہ وحاجتہ فقال لی سل (ولفظ الطبرانی فقال یوما یا ربیعۃ سلنی فاعطیك) قال فقلت اسئلك مرافقتك فی الجنۃ فقال اوغیر ذالك قلت ھو

ذاك قال فاعنّی علی نفسك بكثرۃ السجود میں رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں رات کو حاضر رہتا۔ ایک دفعہ جب کہ میں آپ کے لئے وضو کرنے کے لئے پانی اور ضرورت کی چیزیں لے کر حاضر ہوا تو حضور نے فرمایا " اے ربیعہ! جو کچھ تو چاہے مجھ سے مانگ لے تاکہ میں تجھے عطا فرماؤں"۔ میں نے عرض کی "میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنّت میں اپنی رفاقت عطا فرمائیں"۔ حضور نے فرمایا " اس کے علاوہ کچھ اور بھی چاہتا ہے (تو وہ بھی مانگ لے)" میں نے عرض کیا " میری تمنّا تو بس یہی ہے"۔ حضور نے فرمایا " پس تو میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجود سے"۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حضرت العلامہ علی قادری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: یوخذ من اطلاقہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الامر بالسوال ان اللہ تعالیٰ مکّنہ من اعطاء کل ما اراد من خزائن الحق" حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مانگنے کا حکم مطلقاً دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیشک اللہ تعالےٰ نے آپ کو عام قدرت بخشی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے خزانوں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں" اور شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ العزیز اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔ از اطلاق سوال کہ فرمود سَل و تخصیص نہ کرد بہ مطلوبے خاص معلوم می شود کہ کار ہمہ بدستِ ہمت وکرامت اوست ہرچہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد" "حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا کسی چیز کی تخصیص فرمائے بغیر مطلقاً فرمانا کہ مانگ (سوال کر) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کے کام حضور کے دستِ ہمت وکرامت (اختیار) میں ہیں۔ جو کچھ چاہیں، جس کو چاہیں باذن اللہ عطا فرمائیں۔ اور یہ شعر تحریر فرماتے ہیں ؎

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری !
بہ درگاہش بیا و ہرچہ بخواہی تمنّا کن

اے مسلمان اگر تجھے دنیا و آخرت کی بہتری مطلوب ہے تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہو، اور جس چیز کی تجھے خواہش ہے۔ آپ سے مانگ

لے۔ اس کے بعد قصیدہ بردہ شریف کا یہ شعر نقل فرمایا ؎

فانّ من جودك الدنيا وضرّتها
ومن علومك علم اللوح والقلم

یارسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) بیشک آپ کی عطاء و بخشش اس قدر وسیع ہے کہ اگر آپ کسی کو تمام دنیا بخش دیں تو یہ آپ کی بخشش و عطا میں سے ایک حصہ ہے اور لوح و قلم کے علوم آپ کے علم کی وسعت کے مقابلہ میں بمنزلہ ایک سطر کے ہیں "بیشک دنیا اور اس کی سوت جس کا دنیا کے ساتھ جمع ہونا محال ہے منجملہ آپ کی عطاء کے ہے نہ آپ۔ ہوتے نہ دنیا و آخرت پیدا ہوتی۔

قال اللہ تعالٰی لولاك لما اظهرت الربوبية ولولاك لما خلقت الافلاك "اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنے رب ہونے کو ظاہر نہ کرتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا"۔ اور منجملہ آپ کے علوم و معلومات کے علم لوح و قلم ہے اللہ اللہ۔ کیا ہی پاکیزہ عقائد ہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور بلند پایہ محدثین اور علمائے حق کے مگر منکرین ان عقائد کی تردید پر کمربستہ ہیں۔ انہیں ان عقائد میں شرک سجھائی دیتا ہے۔ اب مقام غور ہے کہ جن آیات قرآن اور روایات حدیث کو یہ منکرین پیش کرکے ان امور کو شرک و بدعت ٹھہراتے ہیں۔ کیا ان آیات و روایات سے علمائے حق، محدثین، تابعین اور صحابہ کرام علیہم الرضوان بے خبر تھے۔ آیا یہ نفوس قدسیہ جن کی مساعی جمیلہ سے دین اسلام مستحکم ہو کر ہم تک پہنچا۔ توحید و شرک کے فرق کو نہیں جانتے تھے۔ حالانکہ ان کا وہ بلند مقام ہے جس کا بیان سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمایا: علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ "میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں۔

پس ظاہر ہے کہ منکرین، قرآن و حدیث کو سمجھنے سے قاصر اور حقیقت دین و ایمان سے بے بہرہ ہیں۔ یہ لوگ ابن عبدالوہاب نجدی اور اسماعیل دہلوی کی اندھی تقلید میں گرفتار ہیں۔ ان کا ایک خانہ ساز اصول ہے جس پر عمل پیرا ہو

کہ آیات قرآن اور روایات حدیث سے فاسد معانی نکال کر ان کی آڑ میں مقبولان بارگاہ الٰہی کے مسلّمہ فضائل کا انکار کرتے اور حبیب کردگار احمد مختار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء عظام (قدسنا اللہ باسرارھم) کی شان میں تنقیص و توہین کے مرتکب ہوتے ہیں اور بزعم خویش توحید کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ ان کا وہ خانہ ساز اصول یہ ہے کہ کفّار و مشرکین کے حق میں وارد آیات قرآن و روایات حدیث کو مسلمانوں پر اور معبودانِ باطل بتوں کی تردید میں جو آیات و روایات ہیں۔ ان کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء اللہ پر چسپاں کرتے ہیں نیز جن آیات قرآن اور روایات حدیث میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صفات ذاتی کی نفی مقصود ہے۔ ان سے آپ کی صفات عطائی کی بھی نفی کرتے ہیں۔ بس اسی اصول پر ان کے مذہب کا دارومدار ہے اور وہابی ہر مسئلہ میں اسی محور پر گھومتے ہیں۔

اسی بنا پر ان کے عقائد صحابہ کرام علیہم الرضوان، آئمہ دین، مفسرین و محدثین، علمائے حق اور جمہور مسلمانوں (سواد اعظم) کے عقائد سے مختلف اور قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔

چنانچہ گذشتہ اوراق میں مندرج آیات قرآن و روایات حدیث اور علمائے حق کے پاکیزہ عقائد پیش نظر رکھتے ہوئے منکرین کے پیشواؤں کے مندرجہ ذیل عقائد کو دیکھ کر انصاف فرمائیے جو بطور نمونہ از خروارے ان کی کتابوں سے نقل کرتا ہوں۔

ملاحظہ ہو تقویۃ الایمان ص۱۰۔

اسماعیل دہلوی لکھتا ہے: "اور جس کا نام **محمد یا علی** ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں"۔ نیز تقویۃ الایمان ص۱۸ پر ہے "جو کوئی کسی کو اپنا حمائتی سمجھے گو کہ یہی جان کر کہ اس کے سبب سے خدا کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے سو وہ بھی مشرک ہے اور جھوٹا اور ناشکر"۔ پھر اس کے آگے لکھا: "مشکل کے وقت پکارنا اور

ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنا اور قدرت تصرف کی ثابت کرنی سو ان باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے۔ گو کہ پھر اللہ سے چھوٹا ہی سمجھے اور اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ اور اس بات ہیں اولیاء و انبیاء ہیں اور جنّ و شیطان ہیں اور بھوت اور پری ہیں کچھ فرق نہیں (تقویۃ الایمان صـ ۱۹) دیکھ لیجیے کہ امام الوہابیہ نے کس صفائی کے ساتھ اولیاء اور انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور شفیع المذنبین محمّد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جنّ و شیطان اور بھوت و پری کے برابر ٹھہرایا ہے (نعوذ باللہ من ذالک)

اسماعیل دہلوی کے مندرجہ بالا فتاویٰ کا ماحصل یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو یا رسول اللہ کہہ کر ندار کرنا اور آپ کو حل مشکلات کے لئے شفاعت کے لئے عرض کرنا۔ آپ کو حمائتی اور شفیع جاننا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تقربِ الٰہی کے لئے وسیلہ ہیں۔ موجبِ شرک و کفر ہے۔

اس کے بعد اب ایک دوسرا نمونہ دیکھئے رسالہ" فاران توحید نمبر کے صـ ۲۵ پر ماہر صاحب لکھتے ہیں:" اب اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی اس انداز میں تعریف کرتا ہے کہ ساری مخلوقات آپ کے در سے پل رہی ہے۔ آپ کائنات کے مالک و مختار ہیں۔ آپ حاضر و ناظر ہیں۔ آپ ہر اُمّتی کے حال پر نگاہ رکھتے ہیں۔ آپ پریشان حالوں کی فریاد سنتے اور ان کی مشکلوں کو کھولتے ہیں تو وہ آپؐ کو حد سے بڑھاتا ہے"۔ پھر صـ ۲۶ پر لکھا ہے:" عیسائی، ہندو اور بدھ جتنے مشرکین اور کفّار زمین کے پردے پر پائے جاتے ہیں۔ ان کا فساد عقائد اس باب میں مشترک ہے"۔ ناظرین غور فرمائیں کہ ماہر صاحب نے کس صفائی کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ان فضائل کا انکار کیا ہے جو قرآن و حدیث سے بالبداہت ثابت ہیں اور پھر کس خوش اسلوبی کے ساتھ صحابہ کرام علیہم الرضوان، مفسّرین و محدّثین اور علمائے کرام امّت اور مسلمانوں کو عیسائیوں، ہندوؤں اور بدھوں بلکہ روئے زمین کے کفّار و مشرکین

کی صف میں لا کھڑا کیا ہے (نعوذ باللہ من ھفوات الوھابیہ)

ناظرین! غور کر کے بتائیں کہ فرقہ نجدیہ وہابیہ کے عقائد جن میں سے صرف دو نمونے آپ نے دیکھے، مسلمانوں کے عقائد کے خلاف اور قرآن و حدیث کے مخالف ہیں یا نہیں؟ یہی عقائد تمام قسم کے وہابیہ منکرین کے ہیں خواہ وہ غیر مقلد ہوں یا نام نہاد حنفی، تجدید و احیائے دین کے کھوکھلے نعرے لگانے والے ہوں یا کسی اور رنگ و روپ میں غرضیکہ یہ سب کے سب ابن الوہاب، یہ ابن عبد الوہاب نجدی کے مذہب پر ہیں۔ جن کی نظر میں سوائے منکرین وہابیوں کے تمام امّت کے چھوٹے بڑے مسلمان مشرک ہیں۔

اب دیکھئے کہ جن عقائد کو اسمٰعیل دہلوی اور ماہر صاحب نے شرک و کفر ٹھہرایا ہے۔ یہی عقائد صحابہ کرام، مفسّرین، محدّثین اور علمائے حق ہیں یا نہیں۔ لیجئے دیکھتے جائیے اور فیصلہ کرتے جائیے۔

رزق کی تقسیم اور خزانوں کی کُنجیاں رسُولُ اللہ کے قبضہ و اِختیار میں ہیں:

شیخ محقق عبد الحق محدّث دہلوی قدس سرہٗ العزیز مدارج النبوہ (جلد اوّل صـ ۱۴۸ و ۱۴۹) میں فرماتے ہیں: وازاں جملہ آنست کہ دادہ شد آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم را مفاتیح خزائن و سپردہ شد بہ وے و ظاہرش آنست کہ خزائن ملوک فارس و روم بدست صحابہ افتادہ و باطنش آنکہ مراد خزائن اجناس عالم ست کہ رزق ہمہ در کفِ اقتدار وے سپرد و قوّت تربیت ظاہر و باطن ہمہ بہ وے داد چنانکہ مفاتیح غیب در دست علم الٰہی و نہ میداند آں را مگر وے مفاتیح خزائن رزق و قسمتِ آں در دستِ ایں سیّد کریم نہادند قولہٗ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم انّما انا قاسم

والمعطی ھواللہ۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو جو کچھ عطا فرمایا ہے اس میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کو خزانوں کی کنجیاں عنایت فرمادی گئیں اور سپرد کردی گئیں۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ فارس اور روم کے بادشاہوں کے خزانے صحابہ علیہم الرضوان کے قبضہ میں آگئے اور اس کا باطن یہ ہے کہ دنیا میں (ہر جنس کی پیداوار) کے خزانے مراد ہیں کہ ہر کسی (جاندار) کا رزق آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے قبضہ واختیار میں دے دیا گیا ہے اور تمام مخلوق کی ظاہری و باطنی تربیت مکمل طور پر آپ کے سپرد کردی گئی ہے جس طرح کہ غیب کی کنجیاں دستِ علمِ الٰہی میں ہیں کہ اس کے سوائے کوئی نہیں جانتا (اسی طرح) رزق کے خزانوں کی کنجیاں اور رزق کی تقسیم اس سخی سردار کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا بیشک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والا اللہ ہے۔"

اس حدیث اور اس کی شرح سے (جو شیخ عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہٗ العزیز نے فرمائی) اسماعیل دہلوی اور ماہر صاحب کے وہابیت کے تمام ہوائی قلعے ڈھیر ہوکر رہ گئے۔ نیز اور ملاحظہ کیجیے:۔

فریادی نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو دُور دراز مقام سے

پکارا مدد چاہی اور آپ نے مدد فرمائی

شارح بخاری حضرت امام قسطلانی مواہب میں محدّث طبرانی معجم صغیر میں اور شیخ عبدالحق محدّث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہم) مدارج النبوۃ میں روایت فرماتے ہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا۔ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ

علیہ وسلم وضو فرمارہے تھے کہ آپ نے لبیک لبیک تین بار فرمایا اور میں نے آپ کو تین بار نصرت، نصرت، نصرت (تیری مدد کی گئی، تیری مدد کی گئی، تیری مدد کی گئی) فرماتے سنا۔ حضور وضو فرماکر تشریف لائے تو میں نے عرض کی یارسول اللہ! میں نے سنا کہ حضور کلام فرمارہے تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا: کوئی فریاد کرنے والا مجھ سے بنی کعب سے خزاعیوں سے کہ مجھ سے نصرت طلب کرتا ہے کہتا ہے کہ قریش نے بنی بکر کی اعانت کی اور ہم پر شب خون مارا تین روز کے بعد عمر بن خزاعی چالیس سواروں کے ساتھ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ آیا کہ جو کچھ گذرا اس کی آپ کو خبر دے اور امداد چاہے اور نصرت طلب کرے (طبرانی ص۲۰۱)

اس حدیث سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو دور دراز مقامات سے پکارنا۔ آپ سے مدد چاہنا ثابت ہوا۔ نیز معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام دور دراز مقامات سے پکارنے اور فریاد کرنے والوں کے نام اور ان کے حسب نسب ان کے احوال کو جانتے ہیں اور فریاد کو سنتے اور امداد فرماتے ہیں۔ ناظرین غور کریں کہ اسماعیل دہلوی اور ماہر صاحب اور دیگر منکرین وہابیہ کے فتاویٰ کی حیثیت کیا ہے۔ اہل سنت وجماعت کا تو یہ عقیدہ ہے کہ

فریاد امتی جو کرے حال زار کی
ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو

صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بارگاہ میں حاضر ہوکر آپکو

دافع البلاء جانتے پناہ لیتے اور حل مشکلات کیلئے عرض کرتے

بیہقی نے سند صالح کے ساتھ دلائل میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت نقل فرمائی کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی

خدمت میں ایک اعرابی نے حاضر ہو کر یوں عرض کیا ؎

أتیناك والعذراء یدمی لبانها
وقد شغلت امّ الصبی عن الطفل
والقت بکفیها الفتیٰ لاستکانة
من الجوع ضعفا لا یمر و یحل
ولیس لنا الّا الیك فرارنا
واین فرار الخلق الّا الی الرسل

ترجمہ:۔ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) ہم آپ کی خدمت میں شدت قحط کی ایسی حالت میں حاضر ہوئے کہ جو کنواری لڑکیاں ہیں (جنہیں ان کے والدین بہت عزیز رکھتے ہیں۔ ناداری کے باعث خادمہ رکھنے کی طاقت نہیں کام کاج کرتے کرتے ان کے سینے شق ہو گئے) ان کی چھاتیوں سے خون بہہ رہا ہے، مائیں بچوں کو بھول گئی ہیں، جوان قوی کو اگر کوئی لڑکی دونوں ہاتھوں سے دھکا دے تو ضعف گرسنگی سے عاجزانہ زمین پر ایسے گر پڑتا ہے کہ منہ سے کڑوی میٹھی کوئی بات نہیں نکلتی اور ہمارا حضور کے سوا کون ہے جس کے پاس مصیبت میں بھاگ کر جائیں اور خود مخلوق کو جائے پناہ ہے ہی کہاں مگر رسولوں کی بارگاہ میں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ فریاد سن کر بہ عجلت منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور دونوں ہاتھ مبارک بلند فرما کر اپنے رب عزوجل سے پانی مانگا ——————— ———————۔ ابھی آپ کے ہاتھ مبارک جھک کر گلوئے پر نور تک نہ آئے تھے کہ آسمان اپنی بجلیوں کے ساتھ امڈا اور بیرون شہر کے لوگ فریاد کرتے آئے کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم ڈوبے جاتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا حوالینا لا علینا "(اے بادل) ہمارے ارد گرد برس ہم پر نہ برس"۔ فوراً ابر مدینہ پر سے کھل گیا۔ آس پاس گھرا تھا اور مدینہ پر سے کھلا ہوا۔ یہ ملاحظہ فرما کر حضور مسکرائے اور فرمایا:

"اللہ کے لئے ہے خوبی ابوطالب کی اس وقت وہ زندہ ہوتا تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ کون ہے جو ہمیں اس کے اشعار سنائے"۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے عرض کی "یارسول اللہ! شاید حضور یہ اشعار سننا چاہتے ہیں جو ابی طالب نے آپ کی نعت میں عرض کئے تھے:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتامیٰ عصمة للارامل
تلوذ به الهلال من آل هاشم
فهم عنده فی نعمة وفواضل

ترجمہ:۔ وہ گورے رنگ والے کہ ان کے منہ کے صدقہ میں ابر کا پانی مانگا جاتا ہے۔ یتیموں کی جائے پناہ بیواؤں کے نگہبان بنی ہاشم (جیسے غیور لوگ) تباہی کے وقت ان کی پناہ میں آتے ہیں۔ ان کے پاس ان کی نعمت و فضل میں بسر کرتے ہیں"۔

اشعار سن کر حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "اجل ذالك اردتّ" ہاں یہی نظم ہمیں مقصود تھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرّضوان رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو دافع البلاء اور جائے پناہ اور حلّ المشکلات کا ذریعہ اور مددگار جانتے اور ان القابات کے ساتھ آپ کے حضور میں مشکل کشائی کی درخواستیں عرض کرتے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ یہ شرکیہ عقائد ہیں۔ میرے پاس کیا لینے آتے ہو، مجھ سے کیوں فریاد کرتے ہو۔ براہ راست اللہ تعالےٰ کو پکارو۔

مختصر یہ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم صحابہ رضوان اللہ علیہم کے ان امور پر ناراض ہونے کے بجائے آپ خوش ہوتے اور اللہ تعالےٰ سے حاجت برآری کرا دیتے اور مشکل کشائی فرماتے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلّم اجمعین ٥

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بارگاہِ رسالت ﷺ میں قیام کر کے مل کر فریاد کرنا

نیز ملاحظہ ہو۔ بخاری جلد اوّل ص ۱۳۹ اور مسلم جلد اوّل ص ۲۹۴ ۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخطب یوم الجمعة فقام الناس (ولفظ مسلم فقام الناس الیہ) فصاحوا فقالوا یا رسول اللہ قَحَطَ الْمَطَرُ و احمرّتِ الشجر وھلکت البھائم فادع اللہ ان یسقینا فقال اللّٰھمّ اسقنا مرّتین وایمُ اللہ ما نریٰ فی السمآء قزعة من سحاب فنشأتْ سحابة وامطرت ونزل عن المنبر فصلّے فلما انصرف لم تزل تُمطِرُ الی الجمعة التی تلیھا فلما قام النّبیّ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم یخطب صاحوا الیہ تھدّمتِ البیوت وانقطعتِ السُّبُل فادع اللہ یحبسُھا عنا فتبسّم النبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم وقال اللّٰھمّ حوالینا لا علینا وتکشطت المدینة فجعلت تمطر حولھا وما تمطر بالمدینة قطرة فنظرت الی المدینة وانّھا لفی مثل الاکلیل۔

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ پس لوگ آپ کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہوئے (اور شدّتِ تکلیف سے فریاد کرتے ہوئے) چیخ اٹھے اور انہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بارش بند ہے (جس کی وجہ سے قحط پڑ گیا ہے)۔ (درخت خشک ہو کر ان کا رنگ بدل گیا) سرخ ہو گئے۔ مویشی ہلاک ہو گئے۔ پس آپ اللہ تعالےٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ بارش برسائے۔ پس حضور ﷺ نے فرمایا: یا اللہ! ہمارے لئے بارش برسا دے (اس طرح) دوبار فرمایا اللہ تعالےٰ کی قسم (اس وقت حالت یہ تھی کہ) ہمیں آسمان میں بادل کا نشان تک دکھائی نہ دیتا

تھا۔ پس (حضور ﷺ کے اس طرح فرمانے سے) بہت عظیم بادل چھا گیا اور (فی الفور) برسنے لگا۔ حضور ﷺ منبر سے اترے اور آپ نے نماز پڑھائی۔ پس جب لوٹے تو بارش بند نہ ہوئی۔ دوسرے جمعہ تک برستی رہی۔ پس جب (دوسرے جمعہ کے روز) حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرمانے لگے تو لوگ چیخ اٹھے اور فریاد کی۔ مکان گر گئے (زیادہ پانی کی وجہ سے) راستے بند ہو گئے۔ آپ ﷺ اللہ تعالےٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہم سے بارش کو روک دے۔ پس حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا اے اللہ! ہمارے گرد و نواح میں، نہ ہم پر۔ پس (فوراً) مدینہ پر سے بادل چھٹ گیا۔ (ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بادل کو انگلی کے اشارے سے جس طرف ہٹنے کا اشارہ فرماتے بادل اسی طرف ہٹ جاتا) پس بارش ہمارے گرد و نواح میں برسنے لگی اور مدینہ منورہ پر ایک قطرہ بارش کا نہ گرتا۔ پس میں نے مدینہ منوّرہ کو دیکھا کہ گویا وہ تاج پہنے ہوئے ہے"، کیونکہ مدینہ منوّرہ کے گرداگرد بادل چھایا ہوا تھا اور مدینہ پر سورج چمک رہا تھا جس کی کرنوں سے بادل مختلف رنگوں میں چمکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

اوّل یہ کہ مشکل کے وقت مشکل کشائی کے لئے بارگاہِ رسالت ﷺ میں اجتماعی طور سے فریاد کرنا سُنّت اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے۔

دوم یہ کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شفاعت اس دنیا میں بھی ہماری مشکل کشائی اور حاجت روائی کا ذریعہ ہے اور آپ کا وسیلہ پکڑنے سے مخلوق کی پکار اور فریاد یقیناً سُنی جاتی اور مقبول ہوتی ہے۔

سوم یہ کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالےٰ کو براہِ راست پکارنے کے بجائے حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی حاجات عرض کر کے حاجت روائی کے لئے آپ ﷺ سے التجا کی جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے لئے شفاعت فرمائیں۔

چہارم یہ کہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض معروض کے لئے قیام کرنا سنّت ہے کہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بیٹھے ہوئے خطبہ سُن رہے تھے مگر درخواست پیش کرتے وقت بیٹھے نہ رہے بلکہ کھڑے ہو گئے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ نہ فرمایا کہ کہ بیٹھے بیٹھے عرض کرو کھڑے کیوں ہوتے ہو۔

پنجم یہ کہ اللہ تعالےٰ کو اپنے محبوب حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی علوِّ شان کا مظاہرہ منظور ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہ دیکھنے اور جاننے کے باوجود کہ مخلوق بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط کی مصیبت میں مبتلا ہے۔ ان پر رحم فرما کر بارش نہ برسائی جب تک کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بارگاہِ رسالتؐ میں مل کر فریاد نہ کر لی اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخش کر اللہ تعالےٰ کی جناب میں شفاعت نہ فرمائی اور جب حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام کی شفاعت سے بارش نازل ہوئی تو اس طرح برسی کہ ایک ہفتہ تک مسلسل برستی ہی رہی۔ اب اللہ تعالےٰ نے یہ دیکھنے اور جاننے کے باوجود کہ کثرتِ بارش کی وجہ سے مخلوق پریشان ہے، مکان گر رہے ہیں، راستے مسدود ہو گئے، بارش کو موقوف نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ جب صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پھر بارگاہِ رسالت میں قیام کر کے فریاد کی اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان کی عرض قبول کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں ان کی شفاعت فرمائی تو اللہ تعالےٰ نے بارش کو روک دیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ بیشک غفور الرحیم ہے مگر ان صفات کا ظہور و صدور حضور پُرنور محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شفاعت اور رضا پہ موقوف ہے۔

اعلیٰحضرت بریلوی نے کیا ہی خوب فرمایا ؎

بے ان کے واسطہ سے خدا کچھ عطا کرے

حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

اور یہ امر قرآن مجید کی اس آیۃ مبارکہ سے ثابت اور واضح ہے۔ ولو انّھم اذ ظلموا انفسھم جآءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول

لوجدوا اللہ توّابا رّحیما ہ اس آیۃ مبارکہ کا ترجمہ اور تشریح گذشتہ اوراق میں ہو چکی۔ پس صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ عقیدہ قرآن و حدیث کے مطابق یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ سے مانگنے اور لینے کے لئے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بارگاہ کی حاضری اور آپ کا وسیلہ پکڑنا ضروری ہے۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم کو اگر کوئی تکلیف پہنچتی یا کوئی حاجت درپیش ہوتی تو دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہوتے حضور سے فریاد و استغاثہ کرتے اور مشکل کشائی اور حاجت روائی کی درخواست کر کے کامیاب و کامران ہوتے۔ چنانچہ میدانِ جہاد میں اگر کسی کی آنکھ میں تیر لگا اور آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل آیا تو اس نے کسی جرّاح یا طبیب کی تلاش نہ کی بلکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی حالت بیان کی اور آپؐ نے اس کے پھوٹے ہوئے اور نکلے ہوئے ڈھیلے کو اپنے ہاتھ مُبارک سے خانہ چشم میں رکھ کر لعابِ دہن لگا دیا تو آنکھ صحیح و سالم ہو گئی۔ اس کی آنکھ کا زائل شدہ نورِ بصارت لوٹ آیا۔ کسی کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تو وہ بھی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ہی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا، اپنی ٹانگ کو بچھاؤ اور ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر دیا جس سے ٹوٹی ہوئی ٹانگ فوراً ٹھیک ہو گئی۔ گویا کہ اس کی ٹانگ کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔ مجاہدین کو پانی نہ ملا تو آپؐ کی خدمت میں پہنچے اور آپ نے اپنی انگشتان مبارک سے شیریں اور ٹھنڈے پانی کے چشمے بہا کر انہیں سیراب فرما دیا۔ راشن ختم ہو جانے کی وجہ سے بھوک نے ستایا تو آپکی خدمت میں آئے۔ اپنی تکلیف بیان کی۔ آپ نے قلیل طعام میں تصرف فرما کر سارے لشکر کو شکم سیر کر دیا۔ ایک صحابی ماہِ رمضان میں بہ حالتِ روزہ اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا اور روزہ توڑ بیٹھنے پر خوفِ خدا سے کانپ اٹھا تو بخشش اور معافی کے لئے براہ راست اللہ تعالےٰ سے فریاد اور دعا کرنے کے بجائے شفیع المذنبین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہوا اور اپنی اس

لغزش کے بیان و اعتراف کے بعد بخشش کا طالب ہوا۔ آپؐ نے نہ صرف یہ کہ اس کا کفّارہ معاف فرما دیا بلکہ کھجوروں کی بوریاں عطا فرما کر رخصت فرمایا۔ کسی کو احوالِ قیامت کی شدّت کا خوف لاحق ہوا تو اس نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حضور اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) قیامت کب واقع ہو گی۔ آپ نے اس کے عقیدہ و ایمان کے اظہار کے لئے اس سے دریافت فرمایا وَمَا اَعْدَدْتَ لَھَا تو نے روزِ قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے۔ عاشقِ رسولؐ صحابی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کی، نہ نفلی نمازیں زیادہ پڑھیں، نہ نفلی روزے رکھے۔ لیکن یہ بات ہے کہ میں اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ سے محبّت رکھتا ہوں۔ حضورؐ نے اظہارِ حقیقت کے بعد فرمایا اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ تو اسی کے ساتھ ہو گا جس سے تجھے محبّت ہے۔ یعنی جب کہ تیرے دل میں اللہ و رسولؐ اللہ کی سچّی محبّت قائم ہے تو تجھے قیامت کا کیا ڈر۔ اللہ تعالےٰ کی رحمت تیرے شاملِ حال ہو گی اور تو میری معیّت میں ہو گا۔ چنانچہ آپؐ نے اسے یہ مژدۂ جانفزا سنا کر اسے کامیابی کا یقین دلا کر مطمئن فرما دیا۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آپؐ سے جنّت میں آپ کی رفاقت کا سوال کیا تو آپ نے اس کو جنّت بھی عطا فرما دی، اور جنّت میں اپنی رفاقت بھی۔ مختصر یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین نے اپنے ایمان و عمل سے اس عقیدہ کو ثابت کر دیا ؎

یا رسولؐ اللہ!

خالقِ کل نے آپ کو مالکِ کل بنا دیا

دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

اور حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اس ایمان و عقیدہ کے صلہ میں دین و دنیا کی نعمتوں اور کامیابیوں سے نواز کر لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون کا سرٹیفیکیٹ عطا فرما دیا اور امّت کو متنبّہ فرما دیا کہ جسے زمرۂ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون کے زمرہ میں

شامل ہونے کی خواہش و تمنّا ہو وہ میرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے عقائد و اعمال کی اتباع کرے۔ فرمایا: اصحابی کالنجوم فبایّھم اقتدیتم اھتدیتم۔ میرے صحابہؓ آسمان ہدایت کے روشن ستارے ہیں۔ پس تم ان میں سے کسی کی بھی اقتداء کرو گے تو ہدایت یافتہ ہو گے۔

نیز واصل الی اللہ صراط مستقیم کی وضاحت میں فرمایا ما انا علیہ و اصحابی۔ جہنم سے بچانے والا۔ اللہ تعالےٰ تک پہنچانے والا سیدھا راستہ یہی ہے، جس پر میں اور میرے صحابی گامزن ہیں۔ پس خوش نصیب ہیں وہ مسلمان جو اس دورِ "الحاد" و "وھابیت" میں اپنے ایمانوں کو بچاتے ہوئے اسی صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں اور حقیقتاً یہی اہل سنت و جماعت ہیں جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم و صحابہ کرام علیہم الرضوان کے طریقہ و مسلک پر قائم ہیں اور مسلمانوں کی یہی وہ بڑی جماعت ہے جو ناجی ہے جس کی پہچان کے لئے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔ سب سے بڑی جماعت کے اتباع میں رہو۔ پس جو شخص سوادِ اعظم سے الگ ہوا وہ بیشک جہنم میں ڈالا جائے گا۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے عملاً توسّل و تبرّک کی

تعلیمِ عام فرمائی

مشکوٰۃ شریف، مسلم شریف میں روایت ہے وَاِذَا صَلَّی الْغَدَاۃَ جَاءَھُمْ خَدَمُ الْمَدِیْنَۃِ بِاٰنِیَتِھِمْ فِیْھَا الْمَاءُ فَمَا یُؤْتَوْا بِاِنَاءٍ اِلَّا غَمَسَ یَدَہٗ فِیْھَا۔ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فجر کی نماز پڑھتے تو مدینہ منورہ کے

بچے برتنوں میں پانی لے کر حاضر ہو جاتے اور آپ ہر برتن میں اپنا ہاتھ مبارک ڈال دیتے تاکہ یہ پانی متبرک ہو جائے اور لوگ اس سے برکت اور شفا حاصل کریں۔ اب غور کا مقام ہے کہ جب کہ وہ پانی جو حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک سے مَس ہو چکا ہے۔ متبرک اور دافع البلاء والوباء والمرض والالم ہے تو خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دافع البلاء والمرض والالم ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے مگر افسوس ہے کہ اس دور پُرفتن میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے جو آپ کی ان صفات کے نہ صرف منکر ہیں بلکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے متعلق اس عقیدہ کو شرک قرار دیتے ہیں اور اسی بنا پر "درود تاج" کے پڑھنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ چنانچہ مسلک دیوبندیہ کے مفتی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

"وآنچہ در احادیث صحاح صیغہائے درود وارد شدہ آں را ترک کردن وایں را موعود بثواب جزیل پنداشتن وورد ساختن بدعت ضلالت ہست وچوں آنکہ دراں کلمات شرکیہ مذکورہ اند اندیشہ خرابی عقیدہ عوام است لہٰذا ورد آں ممنوع ہست پس تعلیم درود تاج ہمانا سم قاتل بعوام سپردن ست کہ صدہا مردم بفساد عقیدہ شرکیہ مبتلا شوند وموجب ہلاکت ایشان گردد (فتاوی رشیدیہ کامل ص ۱۴۵)

ترجمہ :۔ اور اس کو موعود بہ ثواب جزیل جاننا اور ورد کرنا بدعت ضلالۃ ہے اور جب کہ اس میں کلمات شرکیہ مذکور ہیں۔ اس لئے عوام کے عقیدہ کی خرابی کا اندیشہ ہے۔ اس لئے اس کا ورد ممنوع ہے۔ پس لوگوں کو درود تاج سکھانا زہر قاتل عوام کے سپرد کرنا ہے کہ سیکڑوں آدمی عقیدۂ شرکیہ کے فساد میں مبتلا ہو جائیں اور ان کی ہلاکت کا موجب بن جائے۔

دیوبندی وہابیوں کے مفتیٔ اعظم کے اس فتویٰ کو بار بار پڑھیئے اور اس کی توحید پرستی کی داد دیجیئے کہ درود تاج میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے متعلق الفاظ دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم کو کلمات شرکیہ کہہ کر اصول نجدیہ کے

تحت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مسلّمہ فضائل کا صریحاً انکار کر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی جانب ان الفاظ کی نسبت مجازی کرنا مشرک بننے اور ہلاکت کا موجب ہے (نعوذ باللہ من ذالک)

بالفرض اگر رشید احمد گنگوہی کے اس فتویٰ کو صحیح سمجھ لیا جائے تو آپ ہی بتائیں کہ ہدایت کے روشن ستاروں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم، اولیائے کرام اور محدثین عظام اور علمائے حق میں سے کون ہے جس پر شرک عائد نہ ہوتا ہو؟

کیونکہ گذشتہ اوراق کے مطالعہ سے آپ پر صحابہ کرام رضی اور محدثین اور علمائے امّت کے عقائد واضح ہو چکے ہیں۔ نیز آئندہ اوراق میں آپ مفصلاً دیکھیں گے کہ سلف و خلف صالحین اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ حضور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم باذن اللہ تعالےٰ دافع البلاء، مشکل کشا، اور مخلوق کے حاجت روا ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ حدیث میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے کہ آپ نبی الرحمتہ ہیں۔ اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت العلامہ محدث ملّا علی قاری علیہ الرحمتہ نے نبی الرحمتہ کے معنی میں فرمایا :۔ ای دافع الرحمۃ وکاشف الغمّۃ و شفیع الامّۃ یعنی زحمت کو دور کرنے والے (دافع البلاء) غم سے نجات دینے والے اور امّت کی شفاعت کرنے والے۔

معلوم ہوا کہ رشید احمد گنگوہی کا مندرجہ بالا فتوےٰ ہی مردود و باطل ہے اور وہابیہ کے عقائد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور علمائے سلف وخلف کے مسلّمہ عقائد کے خلاف ہیں۔ پس مسلمانوں کے لئے یہی بہتر ہے کہ ایسے بدعقیدہ لوگوں سے مجتنب رہیں کہ

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسمِ اطہر کے ساتھ جو چیز چھو

جائے وہ بھی دافع البلا ہو جاتی ہے

ملاحظہ ہو ترمذی شریف اور مشکواۃ باب الاشربہ میں مروی ہے۔ سرکارِ دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم حضرت کبشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے گھر تشریف لائے اور آپ کے مشکیزہ کو مُنہ مبارک لگا کر پانی نوش فرمایا۔ حضرت کبشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں: فَقُمْتُ اِلَیْهَا وَقَطَّعْتُهٗ پس میں اٹھی اور اس مشکیزہ کا مُنہ کاٹ کر رکھ لیا۔ مرقاۃ شرح مشکواۃ میں حضرت العلامہ علی قاری فرماتے ہیں:

ای فم القربۃ فَحفظتُہٗ فِی بیتی واتخذتہ شفاءً۔ حضرت کبشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے مشکیزہ کا منہ کاٹ کر اپنے گھر میں حفاظت کے ساتھ رکھ لیا۔ تاکہ اس سے مریضوں کے لئے شفا حاصل کی جاتی رہے۔

حضور اُمّ المومنین اور صحابہ علیہم الرضوان کا عقیدہ و عمل

عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہما انّہا اخرجت جبّۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم مکفوفۃ الجیب والکمّین والفرجین بالدیباج رواہ ابوداؤد واَصلُہٗ فی مسلم وزاد وکانت عند عائشۃ حتیٰ قبضت فقبضتہا کان النبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم یلبسہا فنحن نغسلہا للمرضیٰ یُستَشفیٰ بہا وزاد البخاری فی الادب المفرد

وکان یلبسہا لِلوفد والجمعۃ (بلوغ المرام)

ترجمہ:۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا جُبّہ مبارک نکالا۔ اس میں آستینوں اور گریبان اور چاک پر ریشم کا حاشیہ بنا تھا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور اس حدیث کی اصل مسلم میں ہے۔ اتنا زائد ہے کہ حضرت اسماء نے فرمایا: یہ جُبّہ (اُمّ المومنین حضرت) عائشہ (رضی اللہ تعالےٰ عنہا) کے پاس تھا۔ جب انہوں نے وفات پائی تو اس جُبّہ کو میں نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اُسے پہنا کرتے تھے اور ہم اسے دھو کر مریضوں کو پلاتے ہیں شفا حاصل ہونے کی نیّت سے امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) نے ادب المفرد میں اتنا مزید نقل فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جُبّہ کو (قبائل کے) وفد آنے اور جمعہ کے موقعہ پر زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لباس مبارک کے وسیلہ سے عذاب

قبر سے نجات ملتی اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں!

ملاحظہ ہو بخاری شریف کتاب الجنائز ص ۹۸ جلد ۲:۔

حدثنا عبد اللہ ابن مسلمۃ قال حدثنا ابن ابی حازم عن ابیہ عن سہل رضی اللہ تعالےٰ عنہ ان امرأۃ جاءت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ببردۃ منسوجۃ فیہا حاشیتہا اتدرون ما البردۃ قالوا الشملۃ قال نعم قالت نسجتُہا بیدی فجئتُ لِاَکسُوکَہَا فاخذہا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم محتاجاً الیہا فخرج الینا وانّہا ازارہٗ فحسّنہا فلانٌ فقال اکسینہا ما احسنہا قال القوم ما احسنت لبسہا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محتاجا الیہا ثم سألتہٗ و

عملت انہ لا یرد قال انی واللہ ما سألتہ لالبسہ انما سألتہ لتکون کفنی قال سہل فکانت کفنہ۔

ترجمہ: حضرت سہل رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک عورت حضور نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم کی خدمت میں ایک بڑی چادر جس پر کشیدہ کاری کی گئی تھی اور اس میں حاشیہ بنا ہوا تھا لے کر حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ! میں نے اپنے ہاتھ سے اس کو کاڑھا ہے اور آپ کو اوڑھانے کیلئے لائی ہوں۔ حضور علیہ السلام نے اس چادر کو قبول فرمایا۔ اسطرح کہ گویا اس چادر کی آپ کو ضرورت ہے۔ پس آپ اس چادر کو اوڑھ کر ہماری طرف تشریف لائے۔ فلاں (عاشق رسول) نے آپ سے چادر مبارک کی تعریف کرتے ہوئے مانگ لیا۔ لوگوں نے اس سے کہا جبکہ حضور نے اس چادر کو ضرورت کا اظہار کرتے ہوئے لیکر اوڑھ لیا تھا تو تم نے حضور سے چادر مانگ کر کیوں لے لی۔ حالانکہ یہ تم جانتے ہو کہ حضور کسی کا سوال رد نہیں کرتے۔ اس شخص نے کہا: اللہ تعالےٰ کی قسم میں نے حضور سے چادر اوڑھنے کیلئے نہیں مانگی بلکہ میں نے تو آپ سے یہ چادر اس لئے مانگی ہے کہ یہ میرا کفن بنے (یعنی چونکہ یہ چادر آپ کے جسم اقدس سے لگ جانے کی وجہ سے متبرک بن چکی ہے تو میں نے چاہا کہ میری وفات کے بعد یہ چادر میرا کفن بنے اور میں اس چادر مبارک کے وسیلہ سے عذاب قبر سے محفوظ رہوں اور اللہ تعالیٰ اس چادر کے صدقہ میں رحمتیں نازل فرمائے) حضرت سہل رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ واقعی وہ چادر اس خوش نصیب کا کفن بنی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پسینہ اور موئے مبارک سے صحابہ کا توسل

آپ کا پسینہ اطہر اور بال مبارک دافع البلاء!

ملاحظہ ہو بخاری جلد دوم صہ ۹۲۹:- عن ثمامۃ ان ام سلیم رضی اللہ

تعالیٰ عنہا کانت تبسط للنبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نطعا فیقیل عندھا علی ذالک النطع فاذا نام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اخذت من عرقہ وشعرہ فجمعتہ فی قارورۃ ثم جمعتہ فی سک قال فلما حضر انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ الوفاۃ اوصی الی ان یجعل فی حنوطہ من ذالک السک قال فجعل فی حنوطہ۔

ترجمہ:- حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالےٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لئے چمڑے کا بستر بچھاتیں اور حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اس پر قیلولہ فرماتے۔ جب خواب استراحت سے آپ بیدار ہو کر اٹھتے تو ام سلیم اس بستر پر جمع شدہ پسینہ اطہر واقدس اور گرے ہوئے بالوں کو ایک شیشی میں محفوظ فرمالیتیں اور سک (ایک قسم کی خوشبو) میں ملاتیں۔ جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ اس خوشبو سے (جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسینہ مبارک اور بال مبارک ڈالے گئے ہیں) حنوط میں ملا کر میری میت کو لگایا جائے۔ پس آپ کی وصیت پر عمل کیا گیا۔ واضح رہے کہ میت کو لگانے کے لئے صندل اور کافور وغیرہ سے خوشبو کا جو مرکب تیار کیا جاتا ہے اس کو حنوط کہتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے موئے مبارک تقسیم کرنے کا حکم فرمایا

ملاحظہ ہو ترمذی شریف جلد اول، صہ ۱۱۱:-

عن انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما رمی رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الجمرۃ نحر نسکہ ثم ناول الحالق شقہ الایمن فحلقہ فاعطاہ ابو طلحۃ ثم ناولہ شقہ الایسر فحلقہ فقال اقسم بین الناس۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سرکار دوعالم

صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جمرہ میں کنکریاں مار چکے تو آپ نے قربانی کے جانوروں کو ذبح فرمایا۔ بعدہٗ حجام نے آپ کے سرِ اقدس کی حجامت بنانی شروع کی۔ جب دائیں جانب کے بال شریف مونڈے گئے تو حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے یہ بال مبارک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو عطا فرما دیئے اور جب بائیں جانب کے موئے اقدس مونڈے گئے تو آپ نے فرمایا یہ بال لوگوں میں تقسیم کر دو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے موقعہ بموقعہ مختلف عنوانوں سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو تبرک اور توسّل کی تعلیم فرمائی اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپ کی تعلیم و تربیت پر عمل فرما کر امت کے لئے صراط مستقیم کو واضح کر دیا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا عقیدہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آثار مبارک اور تبرکات کے وسیلہ سے بلاؤں سے نجات حاصل ہوتی اور اللہ تعالےٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

اسی لئے:۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موئے مبارک کے حصول کے لئے بڑی جدوجہد کرتے تاکہ برکت و شفاء کا سامان مہیا ہو جائے

ملاحظہ ہو مسلم شریف۔ جلد دوم۔ ص۲۵۶:۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لقد رأیت رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والحلاق یحلقہ واطاف بہ اصحابہ فما یریدون ان

تقع شعرۃٌ اِلّا فی یدِ رجلٍ۔

ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حجام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حجامت بنا رہا تھا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ کے گرد اس لئے طواف کر رہے تھے کہ حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی ایک بال اُن کے ہاتھ پڑ جائے اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ کے بال مُبارک کے حصول میں اس قدر سرگرداں کیوں رہتے"۔

بخاری جلد دوم۔ ص۹۲۹ والی حدیث جو ابھی مذکور ہوئی دوبارہ پڑھیں اور پھر مندرجہ ذیل احادیث پر غور کریں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موئے مُبارک دافع البلایٔں

ملاحظہ ہو بخاری جلد دوم ص۸۷۵:۔

عن اسرائیل عن عثمان بن عبد اللہ بن مَوھب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اَرسلنی اَھلی الی امّ سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بقدحٍ من ماءٍ وقبض اسرائیل ثلاث اصابع مِن قصۃٍ فیہ شعرٌ من شعر النبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم وکان اذا اصاب الانسان عینٌ او شیٌٔ بعث الیھا مِخضبۃً فاطّلعتُ فی الجُلجُلِ فرأیتُ شُعَراتٍ حُمرًا۔

ترجمہ:۔ اسرائیل نے روایت بیان کی کہ حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے میری اہلیہ نے ایک پانی کا پیالہ دے کر حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی خدمت میں بھیجا۔ آپ کے پاس ایک لوٹے میں حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے موئے مبارک محفوظ تھے۔ راوی اسرائیل نے بطور مثال تین انگلی کا چھوٹا لوٹا پکڑ کر بتایا، صحابہ کرام علیہم الرضوان کا دستور تھا کہ جب کسی کو نظر بد لگتی یا کوئی بیماری لاحق ہوتی تو وہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی خدمت

میں برتن بھیج دیتا اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے موئے مبارک کا دھووَن لے کر پی لیتا تو تکلیف دُور ہو جاتی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس برتن میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بالوں کی زیارت کی جو کہ سنہری سُرخی مائل تھے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے موئے مبارک مشکل کشا اور وسیلہ فتح و نصرت ہیں:

سیرت نبویہ میں ہے:۔

عن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اعتمر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولعلّھا عمرۃ الجعرانۃ فحلق رأسہ فابتدر الناس شعرہ فسبقتھم الی ناصیتہ فجعلتھا فی ھذہ القلنسوۃ فلم اشھد قتالاً الّا تبیّن لی النصرۃ رواہ ابو یعلی بلفظ فما وجھت فی وجہ الا فتح۔

ترجمہ:۔ حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرہ فرمانے کے بعد اور غالباً وہ جعرانہ تھا۔ سر اقدس منڈایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم آپ کے موئے مبارک حاصل کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے اور میں نے ان پر سبقت کی اور پیشانی مبارک کے بال شریف حاصل کر لئے اور انہیں اپنی اس ٹوپی میں رکھ لیا۔ اس کی یہ برکت ہوئی کہ جب بھی میں کسی جنگ میں شریک ہوا۔ (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بالوں کے وسیلہ و صدقہ میں) ضرور مجھے فتح مبین حاصل ہوئی۔"

پس اس لئے:۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے آثار مبارک کو صحابہ کرام علیہم الرّضوان جان سے زیادہ عزیز رکھتے اور اُن کی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے:

ملاحظہ ہو نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض مع شرح ملا علی قاری صـ۴۳۲:۔

وکانت فی قلنسوۃ خالد بن ولید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شعرات من شعرہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فسقطت قلنسوۃ فی بعض حروبہ فشدّ علیھا شدّۃً انکر علیہ اصحاب النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم لکثرۃ من قتل فیھا فقال لم افعلھا بسبب القلنسوۃ بل لما تضمّنتہ من شعرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم لئلّا اسلب برکتھا وتقع فی ایدی المشرکین۔

ترجمہ:۔ حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند بال مبارک لگے ہوئے تھے۔ پس کسی جنگ میں آپ کی وہ ٹوپی گر پڑی تو حضرت سیف اللہ نے اس قدر سخت و شدید حملہ فرمایا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اس قدر شدید حملہ کرنے پر اس لئے اعتراض کیا کہ اس حملہ کی وجہ سے بہت سے مجاہدین اسلام شہید ہو گئے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ میرا یہ شدید حملہ محض ٹوپی کے لئے نہ تھا بلکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ان موئے مبارک کے لئے تھا جن کو میں نے اس ٹوپی میں لگا رکھا ہے تاکہ مبادا یہ

برکت مجھ سے جاتی رہے اور مشرکین کے ہاتھ آ جائے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آثارِ مبارک سے انتہائی عقیدت اور عشق تھا۔ انہیں جان سے زیادہ عزیز رکھتے اور ان کی حفاظت کے لئے جانیں خطرہ میں ڈال دیتے اور یہ اس لئے کہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کا علم تھا۔ آپ کے آثارِ مبارک کی قدر و منزلت اور فیض و برکت کو جانتے تھے۔ ان سے توسّل کرتے۔ برکت حاصل کرتے۔ شفا پاتے اور ان سے نفع پانے اور مرادیں حاصل کرنے اور مشکلات کے حل ہونے اور دشمنوں پر فتح و نصرت پانے کا اعتقاد و یقین رکھتے۔ یہاں تک کہ ان کے توسل سے عذابِ قبر سے رہائی اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے حصول کا ان کو یقینِ کامل تھا اور یہی مقتضائے ایمان ہے۔ مگر منکرین وہابیہ کے مذہب میں یہ باتیں شرک میں داخل ہیں ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مستعمل کپڑوں سے توسّل کی تعلیم دی

بخاری و مسلم میں روایت ہے عن اُمّ عَطِیَّۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت دخلت علینا النبیّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ونحن نُغَسِّلُ ابنتہٗ فقال اغسِلْنَہا ثلاثا اوخمسا او اکثر من ذالك ان رأیتُنّ ذالك بماءٍ وسدرٍ واجعلن فی الاخیرۃ کافوراً اوشیئًا من کافور فلما فرغنا اٰذنّاہٗ فالقیٰ الینا حقوہٗ فقال اشعرنہا ایّاہٗ (ملاحظہ ہو بلوغ المرام باب الجنائز)

ترجمہ:۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی کو غسل میت دے رہی تھیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔ فرمایا اس کو تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا اس سے

زیادہ جیسی تم ضرورت سمجھو بیری کے پتوں اور پانی سے غسل دینا اور آخر میں کچھ کافور شامل کرنا جب ہم غسل دے کر فارغ ہوئیں تو ہم نے آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے ہمیں اپنا تہبند مبارک مرحمت فرمایا اور فرمایا کہ اس کو میت کے جسم کے متصل رکھنا۔"

یعنی تاکہ میرے تہبند شریف کی برکت سے اسے عذابِ قبر سے نجات ملے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مستعمل پانی سے باطنی

گندگیاں دور ہو جاتی ہیں

نسائی شریف کی روایت ہے کہ یہود کی ایک جماعت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے شہر میں ایک عبادت گاہ بیعہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسے توڑ کر مسجد بنائیں۔ فاستوھبناہ من فضل طھورہٖ فدعا بماءٍ فتوضأ وتمضمض ثم صبّہٗ لنا فی اداوۃٍ وامرنا فقال اخرجوا فاذا اتیتم ارضکم فاکسروا بیعتکم وانضحوا مکانہا ھٰذا الماء واتخذوھا مسجدًا (مشکوٰۃ باب المساجد) پس ہم نے التجا کی یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنا غسالہ (دھوون) عنایت فرمائیں۔ پس حضور نے پانی منگا کر وضو فرمایا اور اس میں کلّی فرمائی اور یہ مستعمل پانی ایک برتن میں ڈال کر ہمیں عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ جاؤ جب اپنے شہر میں پہنچو تو اپنے بیعہ کو توڑ کر اس کی جگہ اس پانی کو چھڑک دو اور پھر مسجد بنالو۔"

معلوم ہوا کہ حضور اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مستعمل پانی سے باطنی گندگیاں دور ہوتی ہیں اور برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے مستعمل پانی سے برکت حاصل کرنے کی حکماً تعلیم دی

ملاحظہ ہو بخاری جلد دوم۔ صفحہ ۶۲۰۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا ثمّ دعا بقدح فیہ ماءٌ فغسل یدیہ ووجہہٗ ومجّ فیہ ثمّ قال اشربا منہ وافرغا علیٰ وجوھکما ونحورکما وابشرا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک برتن طلب فرمایا جس میں پانی ہو پھر اس میں اپنے ہاتھ مبارک اور چہرہ انور کو دھویا اور اس میں کلی فرما کر حضرت ابوموسیٰ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا کہ اس میں سے پی لو اور اپنے چہروں اور سینوں کو اس سے تر کر لو اور بشارت پاؤ۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے عمل اور حدیث تقریری سے ثابت ہے کہ جس چیز کو

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے ادنیٰ نسبت بھی حاصل ہو

جائے تو اس سے تبرک و توسّل جائز ہے

بخاری جلد اوّل صلح حدیبیہ کی طویل روایت میں ہے۔ قال فواللہ ما تنخّم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نخامۃ الّا وقعت فی کفّ رجل

منھم فدلک بھا وجھہٗ وجلدہٗ واذا امرھم ابتدروا امرہٗ واذا توضّأ کادوا یقتتلون علیٰ وضوئہٖ۔

ترجمہ:۔ راوی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم جب بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ناک مبارک صاف کر کے فضلہ پھینکا یا تھوکا تو وہ زمین پر گرنے کے بجائے صحابہ میں سے کسی کے ہاتھ پر پڑا (یعنی صحابہ کرام علیہم الرّضوان آپ کے فضلہ کے حصول کے لئے اپنے ہاتھ بچھا دیتے اور وہ کسی خوش نصیب کے ہاتھ پر پڑتا) اور اس نے اپنے چہرہ اور بدن پر مل لیا اور حضورؐ نے کوئی حکم فرمایا تو صحابہ علیہم الرّضوان تعمیل کے لئے دوڑ پڑے اور جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام وضو فرماتے ہیں تو صحابہؓ وضو کا مستعمل پانی حاصل کرنے کیلئے اس طرح سبقت کرتے ہیں کہ قریب ہوتا کہ اس جدّوجہد میں لڑ پڑیں گے۔

بخاری جلد اوّل باب وضوءِ النّاس میں حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:۔ خرج علینا النّبیّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم بالھاجرۃ فاُتِیَ بِوَضوءٍ فتوضّأ فجعل النّاسُ یاخذون من فضل وضوئہٖ فیتمسّحون بہٖ۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم نیازمندوں کی جماعت میں تشریف لائے۔ دوپہر کے وقت آپؐ کی خدمت میں وضو کے لئے پانی حاضر کیا گیا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے وضو فرمایا تو صحابہ علیہم الرّضوان آپ کے وضو کا پانی لے کر اپنے چہروں اور بدن پر ملنے لگے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ کا عنوانِ باب اس کا مقتضی ہے کہ اس آبِ وضو سے وہ پانی مراد ہو جو اعضاء مبارک سے گذر کر آیا ہو یعنی ماءِ مستعمل۔ عمدۃ القاری شرح بخاری میں علامہ بدرالدین ابومحمّد محمود بن احمد عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ھٰذا الحدیث یطابق الترجمۃ اذا کان المراد من قولہٖ یاخذون من فضل وضوئہٖ ما سال عن اعضاء النّبیّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم (عینی جلد اوّل صفحہ ۸۲۳) اور اگر ترجمہ باب بخاری کا لحاظ اور وضو فرما چکنے کے بعد برتن میں بچا ہوا پانی مراد لیا جائے تو ہمارا مدعا اور بھی بدرجہ اتم ثابت ہوتا ہے کہ جو پانی اعضائے مبارک کو چھوا تک نہیں

صرف اسی قدر نسبت رکھتا ہے کہ وضو فرماتے وقت یہ پانی اس برتن میں تھا جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وضو فرمایا اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس برتن کے پانی سے تبرک اور توسل کیا اور اس کی اس قدر تعظیم کی تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جس چیز کو ادنیٰ سی نسبت بھی حاصل ہو جائے اس کا احترام کرنا اور اس سے تبرک اور توسل کرنا سنتِ صحابہ علیہم الرضوان ہے اور صحابہؓ کا یہ عمل ایسا مقبول ہے کہ آپؐ کے سامنے کیا جاتا اور آپؐ منع نہ فرماتے۔ پس یہ عمل حدیثِ تقریری میں داخل اور سنت ٹھہرا۔ اسی حدیث کے تحت محدث عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔ — فیہ الدلالۃ علی جواز التبرک بآثار الصالحین۔ اس حدیث میں دلالت ہے آثار صالحین (اولیاء اللہ) کے ساتھ تبرک کے جواز پر اور مسلم شریف جلد اوّل میں ہے

ورأیت بلالاً اخرج وضوءً فرأیت الناس یبتدرون ذالک الوضوء فمن اصاب منہ شیئاً تمسح بہ ومن لم یصب منہ اخذ من بلل ید صاحبہ (مسلم جلد اوّل ص۱۹۶)

راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وضو فرمایا ہوا پانی باہر نکالا۔ پس میں نے لوگوں کو دیکھا کہ اس وضو کے پانی کو حاصل کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ پھر جس نے اس پانی سے کچھ پالیا اس نے مل لیا اور جسے اس پانی سے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ اس نے اپنے ساتھی کے گیلے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ مل کر اس پانی کی تری حاصل کر لی۔

سبحان اللہ پاک ہے وہ ذات جس نے عشاقِ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اپنے محبوب کی معرفت بخشی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کو جان کر عشق ومحبت اور عظمت کے وہ مظاہرے فرمائے جو مومنوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں اور جس سے مومنوں کے ایمان تازہ ہوتے ہیں اور بدنصیب ہیں وہ منکرین جو ان امور سے جلتے بھنتے ہیں اور

ان باتوں کو شرک و بدعت قرار دیتے ہیں۔

جس مقام پر مقبولانِ الٰہی ایک بار رونق افروز ہو جائیں وہ مقام متبرک ہو جاتا ہے

بخاری شریف جلد اوّل ص۲۴ میں حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عتبان بن مالک انصاری بدری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم رؤف الرحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔

وددت یارسول اللہ انک تاتینی فتصلی فی بیتی فاتخذہ مصلی فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سافعل ان شاء اللہ تعالیٰ قال عتبان فغدا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حین ارتفع النہار فاستاذن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاذنت لہ فلم یجلس حین دخل البیت ثم قال این تحب ان اصلی من بیتک قال فاشرت لہ الی ناحیۃ من البیت فقام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکبر فقمنا فصففنا فصلی رکعتین ثم سلم۔

ترجمہ:۔ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میری آرزو ہے کہ حضورؐ میرے گھر میں تشریف لا کر میرے مکان میں نماز ادا فرمائیں تو اس مقام کو مقام نماز مقرر کر لوں۔ حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے میری التجا منظور فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا انشاءاللہ عنقریب ایسا کروں گا۔ حضرت عتبان فرماتے ہیں کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام جبکہ صبح کے وقت آفتاب بلند ہو چکا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

ہمراہ میرے مکان پر تشریف لائے اور گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت چاہی۔ میں نے عرض کی تشریف لے آئیں۔ حضور نے مکان میں داخل ہوتے ہی فرمایا۔ تم اپنے مکان میں کس مقام کو پسند کرتے ہو کہ ہم وہاں نماز پڑھیں۔ میں نے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کیا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس جگہ قیام فرمایا اور تکبیر تحریمہ فرمائی۔ ہم نے آپؐ کی اقتداء میں صف باندھی، دو رکعت نماز پڑھ کر آپ نے سلام پھیرا۔"

حضرت علامہ امام شہاب الدّین ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ فتح الباری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں وفیہ التبرک بالمواضع النبی صلّی فیہا النبیّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم او وطیہا۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ جن مقامات میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے نماز پڑھی یا جس زمین کو شرف پابوسی بخشا وہ مقام اور وہ زمین اس قابل ہے کہ اس سے برکت حاصل کی جائے نیز فرماتے ہیں:

وفیہ اجتماع اھل المحلہ علی الامام والعالم اذا وَرَدَ منزل بعضھم یستفیدوا منہ ویتبرّکوا بہ (فتح الباری جلد اوّل ص۲۶)

اس حدیث سے اس پر بھی سند ہے کہ امام و عالم اگر کسی کے گھر میں تشریف لائیں تو اہل محلہ کو استفادہ اور برکت حاصل کرنے کے لئے جائز ہے کہ جمع ہوں اور فیضیاب ہوں۔

مولینا عبد الحئی لکھوی کے والد ماجد نور الایمان ص۱ میں فرماتے ہیں: وقد کان ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما یتحرّی الصّلوٰۃ والنزول و المرور حیث صلّیٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم ونزل ووضع ابن عمر فی موضع جلس فیہ النبیّ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم یدہٗ ثمّ مسح وجھہٗ بیدہٖ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما نماز کے لئے اور سواری سے اترنے اور کسی راستے میں گزرنے کے لئے اس مقام کی تلاش و جستجو فرماتے، جہاں

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے نماز پڑھی اور جہاں حضور سواری سے اترے ہوں اور جس جگہ حضور بیٹھے ہوں۔ حضرت ابن عمر اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ کر تبرّک اور توسّل کی نیّت سے اپنے منہ پر پھیرتے تھے۔

حضرت امام قاضی عیاض مالکی رحمتہ اللہ تعالےٰ علیہ شفاء شریف میں فرماتے ہیں:

ومن اعظامہٖ واکبارہٖ اعظام جمیع اسبابہٖ واکرام مشاھدہٖ و امکنتہٖ ومعاھدہٖ ومالمسہٗ علیہ الصّلوٰۃ والسلام اوعرف بہٖ۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور حضورؑ کے اعظام واکرام میں یہ داخل ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے تمام اسباب ومشاہد وامکنہ ومعاہدہ و ملموسات کی تعظیم وتکریم کی جائے۔ نیز ان چیزوں کی بھی تکریم کی جائے جن چیزوں کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے کوئی نسبت حاصل ہو۔"

حضرت علامہ علی قاری محدّث رحمتہ اللہ علیہ شرح شفاء میں فرماتے ہیں: المراد جمیع ما ینسب الیہ ویعرف بہٖ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم۔ یعنی اس سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف منسوب ومعروف ہوں۔" مولینا عبد الحئی لکھنوی کے والد مولینا عبد الحلیم صاحب فرنگی محلی نور الایمان میں حضرت ملا علی قاری کی یہ عبارت نقل کرکے حاشیہ لکھتے ہیں:۔ ای ولو کان علیٰ وجہ الاشتھار من غیر ثبوت الاخبار فی آثارہٖ۔ یعنی منسوبات ومعروفات کے لئے آثار کے سلسلہ میں محض شہرت بغیر ثبوت کافی ہے۔"

جن خوش نصیبوں کو دولت ایمان حاصل ہے اور نورِ ایمان سے منوّر ہیں۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ کی تکریم و تعظیم اور محبت کے تقاضوں کو جانتے ہیں اور اگر یہ دریدہ دہن گستاخ وہابی جہل مرکب میں گرفتار ہونے کی وجہ سے ان امور کے منکر ہیں تو ان کے انکار سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور نہ یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان کی باتوں پر دھیان دیا جائے۔

گو نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے؟

انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کے آثار سے تبرک و توسل سنّت ہے

اور منع کرنے والے جاہل ہیں!

ملاحظہ ہو نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض صـ۴۳۴ :-

ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما واضعا یدہ علی مقعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای موضع قعودہ من المنبر ثمّ وضعہا علی وجہہ ای مسحہ بہا تبرکا بمسّ ما مسّ جسدہ وثیابہ وھذا رواہ ابو سعد وھذا یدلّ علی جواز التبرک بالانبیاء والصالحین وآثارھم و یتعلّق بہم مالم یؤدّ الی فتنۃ او فساد عقیدۃ وعلی ھذ یحمل ما روی عن عمر رضی اللہ تعالی عنہ من انّہ قطع الشجرۃ الّتی وقع تحتہا البیعۃ لئلّا یفتتن بہ النّاس لقرب عہدھم بالجاھلیّۃ فلا مناناۃ بینہما ولا عبرۃ بمن انکر مثلہ من جہلۃ عصرنا ۔

ترجمہ :- حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ منبر شریف پر ہاتھ رکھا اور پھر اس ہاتھ کو اپنے چہرہ پر پھیرا۔ اس لئے کہ جو چیز کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم انور اور آپ کے پہنے ہوئے کپڑوں کے ساتھ لگ چکی ہے اس کو چھونے سے برکت حاصل کی جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ

کا یہ عمل دلیل ہے اس بات پر کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے عظام قدسنا اللہ باسرارہم سے تبرک و توسل جائز ہے۔ جس حد تک کہ فتنہ اور فساد عقیدہ کا اندیشہ نہ ہو اور اسی پر محمول کیا جائے گا۔ وہ واقعہ کہ حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس درخت کو کٹوا دیا جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی اس بناء پر کہ لوگ زمانۂ جاہلیت (یعنی زمانۂ کفر) کے قریب ہونے کے باعث کہیں مبتلائے فتنہ نہ ہو جائیں تو ان دونوں امور میں کچھ مناناۃ نہیں اور ہمارے زمانہ کے جہلاء (مثلاً وہابی) جو ایسی باتوں کا انکار کرتے ہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے"۔ یعنی منکرین کا انکار معتبر نہیں ہے۔

تبرّک اور توسّل کے متعلق امام نووی شارح مسلم شریف

کی تقریر نفیس

ملاحظہ ہو صحیح مسلم جلد دوم صـ۱۶۹ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: فاقبل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم یومئذ حتّٰی جلس فی سقیفۃ بنی ساعدۃ ھو واصحابہ ثمّ قال اسقنا یا سہل قال فاخرجت لہم ھذا القدح فاسقیتہم فیہ قال ابو حازم فاخرج لنا سہل ذالک القدح فشربنا فیہ ثمّ استوھبہ بعد ذالک عمر بن العزیز فوھبہ لہ ۔

ترجمہ :- پھر حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آگے تشریف لے چلے، یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی بیٹھ گئے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے سہل! ہمیں

پانی پلاؤ۔ حضرت سہل نے فرمایا: میں نے یہ پیالہ نکالا اور اس میں آپ کو اور آپ کے اصحاب کو پانی پلایا۔ حضرت ابوحازم رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل نے (یہ واقعہ بیان فرماتے ہوئے) وہ پیالہ نکالا۔ پس ہم نے (بھی) تبرّک کے لئے، اس پیالہ میں پانی پیا۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آپ سے وہ پیالہ ہبہ کے طور پر مانگ لیا اور آپ نے ہبہ فرمادیا"۔

اس حدیث کے تحت حضرت امام نووی فرماتے ہیں: "فیہ تبرّک بآثار النبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم وما مسّہٗ اولبسہٗ اوکان منہ فیہ سببٌ وھٰذا نحو ما اجمعوا علیہ واطبق السلف والخلف علیہ من التبرّک بالصّلوٰۃ فی مصلّٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم والروضۃ الکریمۃ ودخول الغار الذی دخلہٗ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم وغیر ذالک ومن ھٰذا اعطاؤہٗ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم اباطلحۃ شعرہٗ لیَقسِمَہٗ بین الناس واعطاؤہٗ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم حِقوہٗ لتکفّن فیہِ بِنتُہٗ رضی اللہ تعالےٰ عنہما وجعلہٗ الجریدتین علی القبرین وجمعت بنت ملحان عرقہٗ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم وتمسّحوا بوضوئہٖ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم ودلکوا وُجُوھَہُمْ بنخامتہٖ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم واشباہ ھٰذا کثیرۃ مشھورۃ فی الصحیح وکلّ ذالک واضح لاشک فیہ۔ ۱۲۔ اور ص۱۸۰ پر حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت کے تحت فرماتے ہیں: فقد کانوا یتبرکون ببصاقہٖ صلی اللہ علیہ وسلّم ونخامتہٖ ویدلکون بذالک وُجُوھَھُمْ وشرب بعضھم بولہٗ وبعضھم دمہٗ وغیر ذالک ممّا ھو معروفٌ من عظیم اعتنائھم بآثارہٖ وصلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلّم اجمعین۔

ترجمہ: (حضرت امام نووی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں) اس روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت اور دلیل جواز ہے۔ اور ہر

چیز سے تبرک و توسّل کا جواز ثابت ہے۔ جس چیز کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے چھوا ہو، پہنا ہو یا اس چیز میں حضور سے کوئی نسبت یا کچھ تعلق کسی وجہ سے پایا جائے ان چیزوں سے تبرّک و توسّل اسی قبیل سے ہے جس پر علمائے اُمّت کا اجماع ہے اور علمائے سلف و خلف متفق ہیں کہ جس مقام پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے نماز پڑھی اس مقام پر نماز پڑھنے سے، آپ کے روضۂ اقدس سے اور جس غار میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تشریف لے گئے اس غار میں داخل ہونے اور اس کے علاوہ دوسرے آثارِ کریمہ سے تبرّک و توسّل کیا جائے اور اسی قبیل سے ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے بال مبارک تقسیم کرنے کے لئے ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمائے اور اپنی چادر مبارک اپنی صاحبزادی کے کفن پہنانے کے لئے عطا فرمائی اور آپ کا دو قبروں پر دو شاخوں کا رکھنا اور بنت ملحان رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا حضور کے پسینۂ مبارک کو جمع کرنا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا آپ کے وضو کے مستعمل پانی کو اپنے چہروں اور سینوں پر ملنا اور آپ کے ناک کے فضلہ اور کھنکار مبارک کو اپنے چہروں پر ملنا اور اسی قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو کہ صحیح احادیث میں مشہور ہیں اور یہ امور اس قدر واضح ہیں کہ اس مسئلہ میں کوئی شک نہیں۔ پس صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے تھوک مبارک اور کھنکار شریف سے تبرک کرتے اور تبرک حاصل ہونے کی نیت سے اپنے چہروں اور بدن پر مل لیتے۔ بعض صحابہ علیہم الرضوان نے آپ کا بول مبارک پی لیا اور بعض نے آپ کا خون مبارک نوش کیا اور ان باتوں کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے امور اور واقعات ہیں جن سے ثابت اور معروف ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے آثارِ مبارکہ سے تبرّک کے لئے نہایت کوشاں اور متلاشی رہتے"۔

گستاخ وہابی اس سلسلہ میں محکم دلائل سے عاجز آکر اور لاجواب ہو کر کہہ دیا کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ سے ان کی زندگی میں توسّل جائز ہے کہ ان سے دعا کروائی جائے مگر ان کی وفات کے بعد ان سے فریاد کرنا، ان کو پکارنا اور ان سے توسّل

کرنا کسی طرح جائز نہیں بلکہ شرک و بدعتِ ضلالہ ہے۔ نیز مقبولانِ الٰہی کے مزاراتِ مقدسہ پر حاضر ہونے اور اولیاء اللہ کی قبورِ مقدسہ سے فیوض و برکات حاصل کرنے کو قبر پرستی کہہ کر حرام اور ناجائز اور شرک قرار دیتے ہیں اور اسی بنا پر مسلمانانِ اہلِ سنت وجماعت کو کافر اور مشرک ٹھہرا کر ان کے قتل و غارت کرنے کو فریضۂ جہاد اور کارِ ثواب جانتے ہیں۔ ان کے مال و اسباب لوٹ کر مالِ غنیمت شمار کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ابوالوہابیہ ابن عبدالوہاب نجدی کتاب "کتاب التوحید" کے صفحہ ۲۰ پر یہ فتویٰ موجود ہے :۔ "یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ نوح علیہ السّلام کی قوم نے جو کام قبر پرستی کیا وہ بہترین عبادت ہے۔ پس جس چیز کو اللہ و رسول نے حرام فرمایا، اس کا اعتقاد رکھا۔ حالانکہ یہ ایسا صریح کفر ہے جس سے مال اور خون حلال ہو جاتا ہے"۔

واضح رہے کہ اس بیہودہ فتویٰ میں مسلمانوں پر بے بنیاد الزام اور بہتان رکھ کر انہیں کافر قرار دیا گیا ہے حالانکہ مسلمانانِ اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ سوائے اللہ تعالےٰ کے کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں اور نہ ہی مسلمان اللہ تعالےٰ کے بغیر کسی کی عبادت کرتے ہیں، نہ ہی کسی کو اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات یا الوہیت میں شریک ٹھہراتے ہیں تو پھر کیا یہ فتویٰ فرقہ وہابیہ کی کور باطنی کی دلیل نہیں ؟

دراصل بات یہ ہے کہ وہابیہ کے مذہب میں حضور شفیع المذنبین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ سے یہ عقیدہ رکھنا کہ ان کے وسیلہ سے ہماری دعائیں مقبول ہوتیں اور مخلوق کی حاجت روائی ہوتی ہے شرک میں داخل ہے چنانچہ کتاب التوحید صد ۹۴ حاشیہ پر ہے " بالخصوص بھلائی برائی کے متعلق کسی باطنی چیز کو مسبّب (یعنی وسیلہ) سمجھنا صاف شرک ہے خواہ وہ ولی ہو یا قبر، نبی ہو یا فرشتہ جنّ ہو یا اور کوئی آسمان و زمین کی چیز"۔

نیز وہابیہ کے اصولِ باطل میں یہ بھی شرک ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام یا اولیاءِ عظام قدسنا اللہ باسرارھم میں سے کسی کو ندا کی جائے، ان سے مدد طلب کی جائے کہ وہ ہماری حاجت روائی کے

لیے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں شفاعت کریں۔ چنانچہ کتاب التوحید کے صد ۱۹ پر مقدمہ میں تحریر ہے :"قبہ پرستی ، قبر پرستی ، غیر اللہ کی نذر و نیاز ، توسّل غیر اللہ اور ندا و دعاء اولیاء اللہ یہ سب شرعاً حرام و ناجائز امور ہیں اور بعض بعض سے زیادہ بُرے اور قابلِ ملامت ، ان میں سے بعض صریح شرک ہیں جیسے ندا غیر اللہ وغیرہ وغیرہ"۔ اور ابن عبدالوہاب نجدی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہند و پاک کے امام الوہابیہ اسمٰعیل دہلوی نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ ملاحظہ ہو : تقویۃ الایمان صد ۱۸ "اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرّف کرنے کی قدرت نہیں دی اور کوئی کسی کی حمایت نہیں کر سکتا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا اور منّتیں ماننا اور نذر و نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا بھی ان کا کفر و شرک تھا۔ سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو اس کو اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے"۔ پھر اسی صفحہ پر ہے : "مشکل کے وقت پکارنا اور ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنا اور قدرت تصرّف کی ثابت کرنی سو ان باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے۔ گو کہ پھر اللہ سے چھوٹا ہی سمجھے اور اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ اور اس بات میں اولیاء و انبیاء میں اور جنّ و شیطان میں اور بھوت و پری میں کچھ فرق نہیں۔ یعنی جس سے کوئی یہ معاملہ کرے گا وہ مشرک ہو جائے گا خواہ انبیاء و اولیاء سے خواہ پیروں و شہیدوں سے خواہ بھوت و پری سے"۔ اور تقویۃ الایمان کے اسی صفحہ ۱۸ پر یہ فتویٰ بھی ہے کہ "جو کوئی کسی کو اپنا حمائتی سمجھے گو کہ یہ جان کر کہ اس کے سبب سے خدا کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے۔ سو وہ بھی مشرک ہے، اور جھوٹا اور ناشکرا"

پیشوایانِ وہابیہ کے ان فتاویٰ کا ماحصل یہ ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو یا رسول اللہ (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کہہ کر نداء و استغاثہ کرنا شرک ہے۔ آپ کو حمائتی اور شفیع جاننا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تقربِ الٰہی کا وسیلہ ہیں موجب کفر و شرک ہے۔ نیز یہ کہ جو کوئی یہ کہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے تصرّف کی قدرت عطا فرمائی ہے وہ بھی کافر و مشرک اور ابوجہل کے برابر ہے"۔ چنانچہ تقویتہ الایمان کے صفحہ ۲۱ پر ہے "پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بہ خود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو ایسی طاقت بخشی ہے۔ ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے"۔

واضح رہے کہ ہر قسم کے تمام وہابیوں کا یہی عقیدہ ہے خواہ کوئی غیر مقلد ہو یا برائے نام حنفیت کا دعویدار ان کے اعمال میں کچھ فرق ہے مگر عقائد میں سب متحد ہیں اور ان سب کا ایمان ابن عبدالوہاب نجدی اور اسمٰعیل دہلوی پر یکساں مستحکم ہے۔ لیجئے ثبوت حاضر ہے۔ نام نہاد حنفیوں کا مفتیٔ اعظم رشید احمد گنگوہی اپنے فتاویٰ میں اس بات کا اقراری ہے۔ دیکھئے فتاویٰ رشیدیہ کامل صفحہ ۱۸۵ "عقائد میں سب متحد مقلد غیر مقلد ہیں۔ البتہ اعمال میں مختلف ہوتے ہیں"۔ اور دیکھئے صفحہ ۱۶۹ "وہ سب حدیث پر ہی عامل ہیں۔ مقلد ہو یا غیر مقلد" اور دیکھئے یہی کتاب صفحہ ۲۳۵ "محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدّت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آ گیا اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا ہے"۔ اور اب دیکھئے یہی کتاب فتاویٰ رشیدیہ کامل صفحہ ۴۱ "کتاب تقویتہ الایمان نہایت عمدہ اور سچی کتاب اور موجب قوّت و اصلاح ایمان کی ہے اور قرآن و حدیث کا مطلب پورا اس میں ہے۔ اس کا مؤلف ایک مقبول بندہ تھا"۔ ٹھیک ہے کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ کبوتر با کبوتر باز با باز۔

غور کا مقام ہے کہ اگر ابن عبدالوہاب نجدی اور اسماعیل دہلوی کے مندرجہ بالا فتاویٰ کو صحیح، درست اور حقیقت پر مبنی تسلیم کیا جائے جس طرح کہ مسلک دیوبندیہ کا مفتی رشید احمد گنگوہی تصریح کرتا ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن و حدیث میں بھی شرک کی تعلیم ہے، نعوذ باللہ من ذالک۔

چنانچہ گذشتہ صفحات میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ قرآن و حدیث سے تو وہی اور

امور ثابت ہیں جن کو یہ وہابی کفر و شرک قرار دے رہے ہیں۔ نیز اگر وہابیہ کو مقبول بندے مانا جائے تو نہ صرف یہ کہ تمام مسلمانانِ اہلِ سنت و جماعت، محدّثین، مفسّرین، آئمہ دین اور علمائے حق بلکہ صحابہ کرام علیہم الرّضوان تک مشرک ٹھہرتے ہیں۔ حتیٰ کہ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر بھی ان گستاخ وہابیہ کے مردود فتاویٰ کی زد پڑتی ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) اگرچہ گذشتہ مضمون میں قرآن و حدیث سے مسئلہ تبرّک و توسّل، نداء اور استغاثہ و استعانت بخوبی ثابت و مبرہن ہو چکا جس سے وہابیہ کے ان فتاویٰ اور ان کے عقائد کی خود بہ خود تردید ہو جاتی ہے۔ مگر ایضاحِ حق اور اتمامِ حجت کے لئے آئندہ صفحات میں زیادہ تر ایسی روایات حدیث درج کی جائیں گی اور ارشاداتِ محدّثین، مفسّرین اور علمائے امّت نقل کئے جائیں گے جن سے توسّل و نداء، استغاثہ و استمداد اور مزاراتِ مقدسہ سے حصولِ فیوض و برکات اور حاجت روائی کا ناقابلِ تردید ثبوت بہم پہنچتا ہے۔ مگر قبل اس کے کہ روایات، حدیث اور ارشاداتِ بزرگانِ دین نقل کئے جائیں گے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہابیہ کے ان مندرجہ بالا فتاویٰ اور ان کے عقائد کی تردید خود وہابیہ کی تحریروں سے ہی کر دی جائے۔

اسماعیل دہلوی نے تقویتہ الایمان کے صفحہ ۱۸ پر لکھا ہے: "اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرّف کرنے کی قدرت نہیں دی۔ کوئی کسی کی حمایت نہیں کر سکتا"۔ الخ اور پھر لکھا ہے: "اور قدرت تصرّف کی ثابت کرنی سو ان باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے"۔ الخ پس اگر تقویتہ الایمان میں مندرج فتاویٰ صحیح مانے جائیں تو اپنے فتاویٰ کے بموجب:

اسمٰعیل دہلوی خود کافر و مشرک اور ابوجہل کے برابر ٹھہرتا ہے!

اس لئے کہ یہی اسماعیل دہلوی اپنی دوسری کتاب صراطِ مستقیم صفحہ ۶۶ میں لکھتا ہے "مقامات ولایت بل سائر خدمات مثل قطبیت و غوثیت و ابدالیت وغیرہا ہمہ از عہد کرامت مہد حضرت مرتضےٰ تا انقراض دنیا ہمہ بواسطۂ ایشان است و در سلطنت

سلاطین و امارتِ امراء ایشان راو خلے است کہ بر سیاحین عالم ملکوت مخفی نیست"۔
مقاماتِ ولایت بلکہ ساری خدمات مثلاً قطبیت و غوثیت اور ابدالیت وغیرہ حضرت علی مرتضٰے رضی اللہ تعالٰے عنہ کے زمانہ مبارک سے لے کر قیامِ قیامت تک سب انہیں (حضرت علی رضؓ) کے واسطہ سے (حاصل ہوتے) ہیں اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امراء کی امارت میں آپ کو وہ دخل (قوّت تصرّف حاصل) ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں"۔

اسماعیل دہلوی تقویتہ الایمان میں جملہ انبیائے کرام علیہم السّلام بشمول سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم اور اولیاء اللہ کے متعلق لکھتا ہے کہ اللہ صاحب نے کسی کو تصرّف کرنے کی قدرت نہیں بخشی۔ قوتِ تصرّف بہ عطائے الٰہی ثابت کرنے کو بھی کفر و شرک ٹھہراتا ہے اور صراط مستقیم میں خود اسی کفر و شرک کا ارتکاب کر رہا ہے کہ حضرت علی مرتضٰے کرم اللہ تعالٰے وجہہ الکریم کے لئے یہاں تک تصرف، دخل اور اختیار مانا کہ کسی کو مقاماتِ ولایت پر فائز کرنا اور کسی کو قطب، غوث اور ابدال بنانا، کسی کو بادشاہ بنانا، بادشاہت سے ہٹانا، کسی کو امیر کر دینا، کسی سے امارت چھین لینا سب کچھ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

اب ان سے پوچھئے کہ حضرت علی کو یہ دخل یعنی قوّت تصرّف خود بہ خود حاصل مانتا ہے یا بہ عطائے الٰہی بہرحال اسماعیل دہلوی تقویتہ الایمان کی رو سے مشرک اور ابوجہل کے برابر ٹھہرتا ہے یا نہیں؟ اس پر غور فرمائیے۔!

لیجئے اب اسی تقویتہ الایمان کے مصنف اسماعیل دہلوی کی تصنیف صراط مستقیم کی ایک دو عبارتیں اور دیکھ لیجیے۔ صراط مستقیم صفحہ ۳۶ میں لکھتا ہے:۔ "اکابر ایں فریق در زمرۂ ملائکہ مدبرات الامر کہ در تدبیر امور از جانب ملا، اعلیٰ شدہ در اجزائے آں میکوشند معدود اند" شہداء اور اولیاء اللہ ان ملائکہ مدبرات الامر میں شامل ہیں جو اللہ تعالٰے کی طرف سے تدبیر امور اور اس کے جاری کرنے میں کوشاں ہیں"۔

یہاں اس نے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کو دنیا کے جملہ معاملات کی تدبیر کرنے والوں اور امور تدبیر کے جاری کرنے والوں ملائکہ مدبّرات الامر[1] میں شمار کر کے انہیں متصرف فی الاکوان تسلیم کیا اور پھر صراط مستقیم صفحہ ۱۱۲ پر یہاں تک لکھ دیا کہ:۔

"ارباب ایں مناصب رفیعہ ماذون مطلق در تصرّفِ عالم مثال و شہادت مے باشند و ایں کبار اولی الایدی والابصار را میرسد کہ تمامی کائنات را بسوئے خود نسبت نمایند مثلاً ایشاں را مے رسد کہ بگویند کہ از عرش تا فرش سلطنتِ ماست"۔
اس بلند منصب کے لوگ عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرّف کرنے کا اختیار کامل رکھتے ہیں، انہیں اللہ تعالٰے کی طرف سے تصرف کرنے کا اذن عام ہے ایسے بڑی قدرت اور وسیع علم رکھنے والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ تمام کائنات کو اپنی طرف نسبت کریں اور کہہ دیں کہ عرش سے فرش تک ہماری سلطنت (اور حکومت) ہے"۔

ناظرین! یہ وہی امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی ہے جو تقویتہ الایمان میں لکھتا ہے اور بڑے بے ادب اور توہین آمیز پیرایہ میں لکھتا ہے "جو ان کاموں کا مختار ہے اس کا نام اللہ ہے محمّد یا علی نہیں اور جس کا نام محمّد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں (تقویتہ الایمان صفحہ ۶۱)

نیز تقویتہ الایمان میں لکھتا ہے "رسول کے چاہے سے کچھ نہیں ہوتا" وغیرہ وغیرہ۔

اور یہاں صراطِ مستقیم میں اس نے اپنی تقویتہ الایمان کی مکمل تردید کر کے رکھ دی ہے۔ اب ناظرین تعصب سے دور رہ کر خود ہی انصاف کریں۔

بہ سوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست!

لیجئے اب آپ روایات حدیث ملاحظہ فرمائیں جن سے توسّل ندا، استغاثہ، استمداد، مزاراتِ مقدّسہ کی حاضری کا نہ صرف جواز بلکہ سنتِ صحابہ علیہم الرضوان

[1] مدبّرات الامر کا مفصل بیان تنویر الایمان جلد دوم میں ملاحظہ کریں۔ (مؤلف)

ہونا ثابت ہے۔

حضور اقدس علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے روضۂ اقدس کی حاضری اور آپ سے

فریاد و استغاثہ کرنا سنت صحابہ علیہم الرّضوان ہے

تفسیر مدارک التنزیل اور مصباح الظلام اور جذب القلوب میں حضرت مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رحلت کے تین روز بعد ایک اعرابی نے آپ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر روضۂ اطہر پر گرا دیا اور خاک میں لوٹنے لگا اور عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) جو کچھ آپ نے خدا سے سنا ہے وہ ہم نے آپ سے سنا اور جو کچھ آپ نے اللہ سے سیکھ کر یاد کیا ہے ہم نے آپ سے سیکھ کر یاد کیا ہے اور منجملہ اس کے کہ آپ پر نازل ہوا (قرآن مجید) اس میں یہ آیت ہے: وَلَوْ انّھم اذ ظلموا انفسھم جاءُوك فاستغفروا الله واستغفر لھم الرّسول لوجدوا الله توّابا رّحیما۔ اور میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لئے استغفار فرمائیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے روضہ اقدس سے آواز آئی قَدْ غُفِرَ لَكَ بیشک تیری مغفرت کر دی گئی۔

اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے۔ اوّل یہ کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس کی حاضری کے لئے جانا سنت صحابہ علیہم الرّضوان ہے نہ کہ وہابیہ کے کہنے کے مطابق شرک و ناجائز۔ دوم یہ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو آپ کی رحلت کے بعد یا رسول اللہ (علیہ الصّلوٰۃ والسلام) کہہ کر ندا کرنا سنتِ صحابہ (رضی اللہ تعالےٰ عنہم) ہے۔

اور وہابیہ اس کو بھی شرک صریح قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا وہابیہ کے اس عقیدہ کی اس حدیث سے تردید ہو گئی۔ سوم یہ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو مخاطب کر کے اپنی حاجت عرض کرنا اور یوں عرض کرنا کہ ہماری حاجت روائی کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت فرمائیں سنتِ صحابہ (علیہم الرّضوان) ہے اور وہابیہ اس کو بھی ناجائز اور شرک ٹھہراتے ہیں۔ پس اسی حدیث سے ان کے اس فتویٰ کا باطل اور مردود ہونا ثابت ہوا۔ چہارم یہ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام حیات ہیں، زائرین کو جانتے پہچانتے ان کی فریادوں کو سنتے، قبول فرماتے اور خوش نصیبوں کو بشارت سے بھی نوازتے ہیں۔

اور دریدہ دہن وہابیہ ان تمام باتوں کا انکار کرتے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ جملہ انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیائے عظام کو کفار و مشرکین کے بتوں کی طرح جانتے اور انہیں من دون اللہ قرار دے کر من لا یستجیب لہٗ الیٰ یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غافلون۔ "کہ نہ قبول کریں گے اس کی بات قیامت کے دن تک اور وے ان کے پکارنے سے غافل ہیں۔" بتوں کے حق میں وارد آیت مبارکہ کے مصداق ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ اس حدیث اور دوسری حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فریاد کرنے والوں کی فریادوں کو سُنا، قبول فرمایا۔ قبولیت کی بشارت سے پکارنے والوں کو نوازا اور نیز یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فریادیوں کی فریاد سے غافل نہیں ہیں۔ مگر اس کے باوجود گستاخ نجدی وہابی اپنی ہٹ پر قائم ہیں (نعوذ باللہ من ہفوات الوہابیہ) پس اس حدیث سے ان کی تمام بک بک جھک جھک کی مکمل تردید ہو گئی۔ (فالحمد للہ علیٰ ذالك)

پنجم یہ کہ جس طرح سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ظاہری دنیاوی زندگی میں آپ کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہو کر اپنی حاجت روائی کے لئے بارگاہِ الٰہی میں شفاعت کرنے کی التجا کرنا ولو انّھم اذ ظلموا انفسھم جاءُوك۔ الآیۃ۔ فرمانِ الٰہی کے مطابق تھا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رحلت کے بعد بھی آپ کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہو کر آپ کی طرف متوجّہ ہو کر آپ کو مخاطب کر

کے یارسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) کہہ کر اپنی حاجت روائی کے لئے بارگاہِ الٰہی میں شفاعت کرنے کی التجاء کرنا فرمانِ الٰہی کے مطابق جائز اور سُنّت صحابہ علیہم الرّضوان ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرّضوان نے اپنے عمل سے اس آیتہ مبارکہ کی تفسیر وتشریح فرما دی ہے۔

مگر وہابیہ کو قرآن مجید میں یہ آیتہ مبارکہ نظر نہیں آتی اور نجدی وہابی اپنے قول و فعل سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اس فرمان کے مصداق بنتے ہیں کہ یقرءُون القرآن ولا یجاوز حناجرھم یہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

روضۂ رسُول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر حاضر ہوکر ندا و فریاد کرنا

سُنّتِ صحابہ علیہم الرّضوان ہے

حضرت ابن ابی شیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بہ سند صحیح روایت فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں قحط پڑا ایک شخص روضۂ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر حاضر ہوا اور عرض کی یارسُول اللہ! اِستسقِ لِاُمّتِکَ فَاِنّھُم قد ھلکوا۔ یارسول اللہ! آپ کی اُمّت قحط کی وجہ سے ہلاک ہو رہی ہے۔ آپ اپنی اُمّت کی خاطر اللہ تعالےٰ سے بارش طلب فرمائیں۔ اس کے بعد اس شخص نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا جا عمر کو بشارت دے کہ پانی برسے گا۔" اس کی شرح شیخ عبد الحق محدّث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: "یہ نوع توسّل طلب دعا ہے

حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے کہ اپنے پروردگار تعالےٰ و تقدس سے عرض کر کے اس حاجت کو روا کروا دیں جیسا کہ حیاتِ ظاہری میں ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ مضمون روایت یا مُحمّد انّی توجّھتُ بکَ الیٰ ربّی فی حاجتی ھٰذہٖ لتقضی لی اس بات کا مشعر ہے۔ فافہم (جذب القلوب) نیز اس حدیث کو بیہقی نے طریق اعمش عن ابی صالح عن مالک الدار سے روایت فرمایا اور حافظ ابن حجر علیہ الرحمتہ فتح الباری ص۵۴۳ ج ۴ ۔ میں تصریح فرماتے ہیں کہ روضۂ نبوی پر حاضر ہونے والا بلال بن حارث صحابی تھا۔ اس حدیث سے بھی اس سے پہلی حدیث کی طرح پانچوں امور ثابت ہوئے۔ مگر افسوس کہ منکرین وہابیہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا اللہ ہدایت دے۔ آمین۔

اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ و صحابہ کرام علیہم الرّضوان کا عقیدہ و عمل

ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف باب الکرامات۔ ایک دفعہ مدینہ میں بارش بند ہوگئی اور قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی آپ نے فرمایا:۔ اُنظروا قبر النّبیّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاجعلوا منہ کویً الی السّماءِ حتّیٰ لایکون بینہٗ وبین السّماءِ سقفٌ ففعلوا فمُطِرُوا مَطرًا حتّیٰ نبت العشب وسمنت الابل حتّیٰ تفتّقت من الشحم فسُمِّیَ عام الفتق۔ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دو اور حُجرۂ مبارک کی چھت میں ایک دریچہ کھول دو کہ روضۂ اقدس اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ لوگوں نے تعمیل کی تو فوراً بارش آگئی اور اس قدر بارش ہوئی کہ گھاس وغیرہ اُگ آیا اور اُونٹ اس طرح موٹے تازے ہوگئے کہ گویا چربی سے بھر گئے ہیں۔ قحط دور ہوکر اس قدر ارزانی ہوئی کہ اس سال کا نام عام الفتق پڑ گیا۔ یعنی ارزانی و خوشحالی کا سال اس حدیث کی شرح میں شیخ عبد الحق

محدّث دہلوی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں "یہاں پر ایک بات سمجھنی چاہیئے - وہ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے دریچہ کشائی کا جو حکم دیا تو اس میں ایک رمز ہے جو اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی دعا و سوال اللہ تبارکؑ و تعالےٰ کی بارگاہ میں موجب فتح باب مطلوب ہے اور اسی قبیل سے ہے۔ سائل کا سوال جو کہ اس نے حضور اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے عرض کیا اسئلك مرافقتك فی الجنّة - یارسول اللہ ! میں آپ سے جنّت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں"۔ یعنی حجرہ مبارکؑ کی چھت میں کھڑکی کھولنے میں راز یہ تھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں زبانِ حال سے بارش نہ ہونے کی شکایت عرض کی جائے کہ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) دیکھ لیجئے کہ آسمان پر کوئی بادل نہیں ہے اور یہ سوال براہِ راست حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے تھا۔ پس آپؐ نے فریادیوں کی فریاد قبول فرما کر اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں شفاعت فرمائی اور اللہ تعالےٰ نے آپ کے وسیلہ سے اس قدر بارش برسائی کہ قحط کا نام ونشان نہ رہا اور لوگ خوشحال ہوگئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی مشکلات اور حاجات اور دعاؤں کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رحلت کے بعد بھی آپ کے وسیلہ سے بارگاہِ الٰہی میں پیش کرنا ولوانھم اذ ظلموا انفسھم جاؤك - الآیۃ کے حکم میں داخل اور تعمیلِ حکمِ الٰہی ہے۔ اور قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق صحابہ کرام علیہم الرّضوان اس عقیدہ پر یقین محکم رکھتے تھے کہ آپ کے وسیلہ سے مشکلات حل ہوتی، حاجات پوری ہوتی اور دعائیں قبول ہوتی ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرّضوان نے براہِ راست اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں قحط کی شکایت نہ کی اور اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی بارگاہ میں بصورتِ وفد شکایت لے کر حاضر ہوئے۔ کیا صحابہ کرام علیہم الرّضوان کو قرآن مجید کی اِن آیاتِ مبارکہ کا علم نہ تھا اُجیبُ دَعوۃ الدّاع اذا دعان اور ادعُونی ستجب لکم اور دوسری وہ آیات جنہیں منکرینِ وسیلہ نجدی وہابی پیش کیا کرتے

ہیں اور پھر حضور اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے بھی یہ آیات صحابہ کرام علیہم الرّضوان کو یاد نہ دلائیں اور یوں نہ فرمایا کہ تم براہِ راست اللہ تعالےٰ سے کیوں سوال نہیں کرتے۔ میری خدمت میں کیوں آئے ہو۔ اس کے بجائے اُم المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے روضۂ رسول اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر حاضر ہونے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا وسیلہ اختیار کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ صحابہ علیہم الرّضوان نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فریادی صحابہ کی فریاد کو شرفِ قبولیّت بخشا۔ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں شفاعت فرمائی اور اللہ تعالےٰ نے قحط کو دور فرما دیا، تو معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرّضوان ہدایت کے ستارے توحید کے قائم کرنے والے اور کفر و شرک کے مٹانے والے جانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ فریادیوں کی فریاد کو سنتا اور دعاؤں کو قبول فرماتا ہے مگر سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صدقہ میں آپ کے وسیلہ سے، نیز اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا رمز شناسِ رسول جانتی ہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے محبوب حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے صدقہ میں مخلوق کی مُشکل کُشائی اور حاجت روائی فرماتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کو اپنے محبوب کی رضا مطلوب ہے اور وہ اپنے پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خواہش کو پورا کرنے میں دیر نہیں کرتا۔ چنانچہ بخاری شریف صفحہ ۷۰۶ جلد ۲ اور مسلم شریف صفحہ ۴۷۳ جلد ۱ پر ہے کہ :-

اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں عرض کر دیا تھا "ما اریٰ ربّك الّا یسارع فی ھواك"۔ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) میں آپ کے ربّ کو نہیں دیکھتی مگر آپ کی خواہش کے پورا کرنے میں جلدی وشتابی کرتا ہوا اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے اس عقیدہ کو قبول فرمایا رد نہ فرمایا۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرّضوان اور ام المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں تھا جو کہ امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں لکھا : رسول کے

چاہے سے کچھ نہیں ہوتا"۔ پس وہابیہ کے عقائد کا مردود اور باطل ہونا ثابت ہوا۔ نیز معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو دنیاوی حالات اور مخلوق کے احوال سے بے خبر اور لاعلم نہیں جانتے تھے بلکہ صحابہ علیہم الرضوان کا یہ عقیدہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بعد رحلت بھی جملہ احوال کی خبر ہے۔ سب حالات ملاحظہ فرما رہے ہیں اور فریادوں کو سنتے ہیں۔

محدّثین کا روضۂ رسول علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر حاضر ہو کر ندا اور استغاثہ کرنا اور فوراً مراد پانا

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ العزیز جذب القلوب میں فرماتے ہیں۔ امام ابوبکر بن مقری علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ میں اور محدّث طبرانی اور ابوالشیخ تینوں حرم شریف نبوی میں تھے کہ بھوک نے ہم پر غلبہ کیا اور اسی حالت میں دو دن گذر گئے۔ جب عشاء کا وقت ہوا تو میں نے روضۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر صرف اتنا عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ! اَلْجُوْعُ (یارسول اللہ! بھوک لگی ہوئی ہے) اور اس کے علاوہ کوئی کلمہ نہ کہا اور چلا آیا۔ پس میں اور ابوالشیخ سو گئے اور محدّث طبرانی انتظار میں جاگتے رہے۔ ناگاہ ایک مرد علوی نے دروازہ کھٹکھٹایا اس کے ہمراہ دو غلام تھے اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک زنبیل تھی کھانے سے بھری ہوئی ہم نے دروازہ کھول دیا۔ وہ آیا۔ بیٹھ کر کھانا ہمارے آگے رکھا اور ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوا اور جو کچھ بچ گیا ہمارے پاس چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا:۔

اے قوم! شاید تم نے اپنی بھوک کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم

سے کی کہ اس وقت میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ ان لوگوں کو کھانا کھلاؤ۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بھوک کی شکایت سن کر روٹی عنایت فرمائی

حضرت ابن جلا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مدینۃ الرسول میں آیا تو مجھ پر ایک دو فاقے گذرے۔ میں نے روضۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر عرض کی: اَنَا ضَیْفُکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) میں آپ کا مہمان ہوں۔ اس کے بعد میں سو گیا اور میں نے دیکھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے میرے ہاتھ میں ایک روٹی عنایت فرمائی۔ آدھی روٹی میں نے خواب میں کھائی اور بیدار ہوا تو باقی آدھی روٹی میرے ہاتھ میں موجود تھی۔ (جذب القلوب)

میں نے روضۂ رسول علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر حاضر ہو کر فریاد کی اور حضور نے مجھے نقد پیسے عطا فرمائے

احمد بن محمدؐ صوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تین مہینوں تک جنگلوں گھوما یہاں تک کہ میرے بدن کا چمڑہ پھٹ گیا۔ میں مدینہ منورہ میں آیا اور مزار اقدس پر حاضر ہو کر رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور دونوں صاحبان حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہما پر سلام بھیجا۔ اس کے بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مجھ سے فرماتے ہیں "اے احمد! تو آیا کیا حال ہے تیرا؟" میں نے عرض کی "اناجائع فے ضیافتك یارسول اللہ۔ یارسول اللہ صلی اللہ

تعالےٰ علیہ وسلم) میں آپ کی ضیافت میں بھوکا ہوں "۔ آپ نے فرمایا ؛ " اپنا ہاتھ کھول " میں نے ہاتھ کھولا۔ آپ نے چند درہم میرے ہاتھ میں رکھ دیئے ۔ میں بیدار ہوا تو درہم میرے ہاتھ میں تھے ۔ میں نے بازار میں جاکر فطیرہ اور فالودہ خرید کر کھایا اور پھر جنگل کو چلا گیا ۔

(جذب القلوب)۔

سلفِ صالحین کا روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فریاد و استغاثہ کرنا

امام محمّد بن منکدر محدّث رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ :۔

ایک شخص میرے باپ کے پاس اسّی (۸۰) دینار امانت رکھ کر جہاد کو چلا گیا اور اذن دے گیا کہ اگر تم کو ضرورت پڑے تو اس میں سے خرچ کرنا۔ میرے والد نے وہ سب دینار اپنی ضروریات میں خرچ کر ڈالے جب وہ شخص آیا، اور اس نے اپنے دینار طلب کئے تو میرا والد ان کے ادا کرنے سے عاجز ہوا. پس میرے والد نے اس شخص سے کہا کہ تو کل آنا، رات کو میرا والد مسجدِ نبوی (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) میں گیا اور غایت اضطراب سے کبھی رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ممبر شریف کے مقام پر حاضر ہو کر اور کبھی روضۂ مبارک پر حاضر ہو کر آپ سے استغاثہ اور فریاد کرتا۔ ناگاہ تاریکیٔ شب میں ایک مرد ظاہر ہوا اور اسّی (۸۰) دینار کی تھیلی میرے والد کے ہاتھ میں دے کر چلا گیا ۔ انہوں نے صبح یہ اسّی (۸۰) دینار اس شخص کو ادا کئے اور زحمت مطالبہ سے خلاصی پائی ۔ (جذب القلوب)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلند آواز سے وعلیک السلام فرمایا اور ہاتھ مبارک روضۂ انور سے باہر نکال کر نوے ہزار حاضرین کو دیدار بخشا

حضرت شیخ سیّد احمد کبیر رفاعی قدس سرہ العزیز ۵۵۵ھ ہجری میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی حاضری کے لئے گئے تو گنبدِ خضراء کے قریب پہنچ کر آپ نے بلند آواز سے عرض کیا السّلام علیک یا جدّی ۔ فوراً روضۂ انور سے ندا ء آئی وعلیک السّلام یا وَلَدِی ۔ یہ آواز سن کر آپ وجد میں آگئے ۔ تمام حاضرین نے اس "سلام" کے جواب کو سنا۔ آپ نے روتے ہوئے یہ دو شعر بارگاہِ رسالت میں پڑھ کر عرض کئے ۔

فِی حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِی کُنْتُ اُرْسِلُهَا
قَبِّلَ الْاُرْضَ عَنِّیْ وَهِیَ نَائِبَتِیْ
وَهٰذِهٖ دَوْلَةُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ
فَامْدُدْ یَمِیْنَكَ کَیْ تَحْظٰی بِهَا شَفَتِیْ

ترجمہ :۔ جُدائی (دُوری) کی حالت میں تو اپنی رُوح کو روضۂ مطہرہ پر بھیجتا تھا تاکہ میری طرف سے آپ کی آستانہ بوسی کا شرف حاصل کرے اور جب کہ یہ دولتِ دیدار مجھے اصالتاً حاصل ہے تو آپ اپنا ہاتھ مبارک دیجئے تاکہ میں اسے بوسہ دے کر عزت حاصل کروں ۔ اسی وقت مزار مقدّس سے ہاتھ باہر نکلا اور آپ نے اس کو بوسہ دیا۔ اس وقت

روضۂ مقدس پر تقریباً نوّے ہزار (۹۰۰۰۰) عاشقانِ جمالِ محمدی و مشتاقانِ روضۂ نبوی کا مجمع تھا جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ہاتھ مبارک کی زیارت کی، اس وقت حضور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت شیخ عدی بن مسافر الاموی اور حضرت شیخ عبدالرزاق حسینی واسطی جیسے جلیل القدر بزرگ بھی موجود تھے (بنیان المشید ص۸)

مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرّضوان اور محدّثین، علمائے امت اور بزرگانِ دین اور سارے مسلمان سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے حاضری کو موجب سعادت جانتے اور دور دراز سے سفر کر کے پہنچتے رہے ہیں اور آپ سے توسّل اور فریاد و استغاثہ کرتے رہے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام فریادیوں کی فریاد سنتے ہیں، سوالیوں کے سوال پورے فرماتے ہیں۔ سلام کا جواب بلند آواز سے دیتے ہیں اور خوش نصیبوں سے ملاقات بھی فرماتے ہیں۔ مختصر یہ کہ حاضرین سے ان کے مراتب کے مطابق سلوک فرماتے ہیں۔

مگر قربان جایئے۔ نجدیہ وہابیہ کے مولوی صاحبان کے فہم قرآنی اور حدیث دانی پر کہ ان کی نظر پھر گھر کر ان آیات اور احادیث پر ہی آکر ٹکتی ہے جس میں مشرکین کی مذمت اور بُتوں کی تردید ہے۔ کیونکہ انہیں اور تو کچھ سجھائی نہیں دیتا اور پھر مشرکین کے مقام میں تمام مسلمانوں کو اور بتوں کی جگہ حضور رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور اولیائے امّت کو شمار کر لیا اور اندھا دھند فتویٰ بازی شروع کر دی۔ یہ لوگ اپنی خانہ ساز توحید کے زعم باطل میں یہ تک نہیں سوچتے کہ ہماری اس فتویٰ بازی کی زد کہاں کہاں پڑتی ہے۔

وہابیہ کی کج فہمی غلط بیانی اور قرآن دانی کا نمونہ ملاحظہ ہو

امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی تقویۃ الایمان میں پہلے ایک عنوان فاسد جماتا ہے۔ "پکار صرف اللہ ہی سُن سکتا ہے"۔ پھر اس کے تحت آیۃ مبارکہ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ

عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ (پ۲۶ س احقاف) لکھ کر ترجمہ میں ہیر پھیر کرتے ہوئے آیۃ مبارکہ کا ترجمہ یوں بناتا ہے: "فرمایا اللہ صاحب نے یعنی سورۃ احقاف میں اور کون زیادہ گمراہ ہوگا، اس شخص سے کہ پکارتا ہے وَرے اللہ سے ان لوگوں کو کہ نہ قبول کریں گے اس کی بات قیامت کے دن تک اور وہ ان کے پکارنے سے غافل ہیں۔" یدعوا کا ترجمہ پکارتا ہے کیا۔ اس کے علاوہ سارے وہابی یہی ترجمہ کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید کی اصطلاح میں یدعوا، یعبد کے معنیٰ میں آتا ہے یعنی عبادت کرتا ہے، چنانچہ جہاں جہاں بتوں کے پجاری مشرکین کی مذمت اور تردید میں یدعوا، یدعون، دعائہم وغیرہ الفاظ آیات میں وارد ہیں۔ ان کے معنی مفسّرین کرام اور علمائے حق نے یعبد، یعبدون، تعبدون، عبادتہم کے مراد لئے اور بیان کئے ہیں مگر اس کے برخلاف وہابی صاحبان ان الفاظ کے معنے پکارتا ہے، پکارتے ہیں، پکارتے ہو۔ ان کی پکار کرتے ہیں تاکہ انبیاء کرام اور اولیائے عظام کو بتوں، جنوں، بھوتوں اور شیطانوں کی فہرست میں شمار کر سکیں۔ اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے اسماعیل دہلوی نے یدعوا کا ترجمہ پکارتا ہے کیا اور پھر اس معنے کے لحاظ سے آیۃ مبارکہ کا ترجمہ کر کے یہ مطلب نکالا کہ: "شرک کرنے والے بڑے احمق ہیں کہ اللہ ایسے قادر کریم کو چھوڑ کر اوروں کو پکارتے ہیں کہ اوّل تو وہ ان کا پکارنا سنتے ہی نہیں اور دوسرے کچھ قدرت نہیں رکھتے۔ اگر کوئی قیامت تک ان کو پکارے تو وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اور پھر "ف" (فساد کی) لگا کر اس کی تشریح فاسد یوں کرتا ہے: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بعضے لوگ اگلے بزرگوں کو دُور دُور سے پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں کہ یا حضرت تم اللہ کی جناب میں دعا کرو کہ وہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت روائی کرے اور پھر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے کچھ شرک نہیں کیا۔ اس واسطے کہ ان سے حاجت نہیں مانگی بلکہ دعا کروائی ہے سو یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ گو اس مانگنے کی راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا لیکن پکارنے کی راہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کو ایسا سمجھا کہ دور و نزدیک سے برابر سن لیتے ہیں۔ جب ہی ان کو اس طرح سے پکارا

حالانکہ اللہ صاحب نے اس آیۃ میں فرمایا ہے کہ جو اللہ کے وَرے ہیں یعنی مخلوق سو وہ ان پکارنے والوں کے پکارنے سے غافل ہیں"۔ انتہیٰ کلامہٗ۔

ناظرین وہابیہ کے ترجمہ و مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے صحیح ترجمہ و مفہوم ملاحظہ کریں اور ان کی ہیرا پھیریوں کی داد دیں۔ طوالت سے بچنے کے لئے صرف ایک تفسیر جلالین شریف میں سے اس کا ترجمہ و تشریح نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہو: والعاقل تکفیہ الاشارۃ۔ ملاحظہ ہو تفسیر جلالین (پ ۲۶ س احقاف) ومن استفہام بمعنی النّفی ای لا احد۔ اضلّ ممن یدعوا۔ یعبد۔ من دون اللّٰہ۔ ای وغیرہ من لّا یستجیب لہٗ الیٰ یوم القیٰمۃ وھم الاصنام لا یجیبون عابدیھم الیٰ شیءٍ یسئلونہٗ ابدا۔ وھم عن دعائھم عبادتھم۔ غافلون۔ لِاَنّھُمْ جمادٌ لا یعقلون۔

ترجمہ :۔ 'ومن استفہام' ہے نفی کے معنیٰ میں یعنی کوئی نہیں ہے زیادہ گمراہ اس شخص سے جو کہ عبادت کرتا ہے غیر اللہ کی جو کہ نہ قبول کرے گا اس کی عبادت کو قیامت تک اور یہ غیر اللہ اصنام یعنی بُت ہیں جو کہ اپنے پوجنے والوں کے کسی بھی سوال کو ہرگز قبول نہیں کرتے۔ درآں حالیکہ یہ بُت اپنے پجاریوں کی عبادت سے ہی غافل ہیں اور یہ اس لئے کہ یہ (بُت) جماد ہیں عقل کا مادہ نہیں رکھتے"۔

جلالین شریف کی تفسیر سے واضح ہے کہ یہ آیۃ مبارکہ بُت پرستوں کی مذمت اور بُتّوں کی تردید میں وارد ہے اور "یدعوا" سے مراد "عبادت کرتا ہے" ہے نہ کہ پکارتا ہے، جو کہ وہابیہ کا بیان ہے اور یہ ہے بھی حقیقت کہ بُت جو کہ جماد ہیں دیکھنے، سُننے، قبول کرنے، بولنے اور جواب دینے کی مطلقاً صلاحیت نہیں رکھتے کہ ان میں حیات ہونے کا وصف نہیں ہے۔ پس اللہ تعالےٰ نے بُتّوں کی حقیقت بیان فرماکر بُت پرستوں کی مذمت کی اور انہیں گمراہ قرار دیا ہے مگر نجدی وہابی ہیں کہ آیاتِ قرآنی کے معنیٰ بگاڑ کر غلط مفہوم نکال کر کھینچ تان کر بُتّوں کا مقام اُن نفوسِ قدسیہ انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیائے عظام قدسنا اللہ باسرارھم کو دیتے ہیں جو

خلافتِ الٰہیہ کے بلند مقامات پر فائز ہیں اور جن کے متعلق قرآن مجید اور احادیث سے ثابت اور مبرہن ہے کہ اس جہانِ فانی سے رحلت فرمانے کے بعد اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے حیات ہیں اور ان کی یہ زندگی اس دنیاوی زندگی سے بدرجہا اکمل و اعلیٰ اور اقویٰ ہے۔ زائرین کو پہچانتے، سلام و کلام کو سنتے اور جواب دیتے، فیض پہنچاتے اور سائلین کے سوالوں کو قبول فرماتے اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کراتے ہیں اور جب یہ حقیقت ظاہر ہے تو پھر ان نفوسِ قدسیہ کو آیۃ مبارکہ من لا یستجیب لہٗ الیٰ یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غافلون کے مصداق ٹھہرانا بجائے خود فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَریٰ عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا۔ الآیۃ۔ کے مصداق اللہ تعالےٰ پر افترا کرنا اور سب سے بڑا ظالم بننا ہے۔ پھر اس کے علاوہ یہ بات کہ یہ آیت مبارکہ معبودانِ باطل کی عبادت کرنے والوں کی مذمت میں ہے اور وہابیہ مسلمانوں پر بہتان لگاتے ہیں کہ یہ انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء عظام کی عبادت کرتے ہیں لہٰذا مشرک ہیں۔ حاشا و کلّا مسلمانانِ اہلِ سنت و جماعت انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام یا اولیاء عظام یا مخلوق میں سے کسی کو نہ معبود جانتے ہیں اور نہ ہی غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کو خدا کی خدائی میں دخیل و شریک جانتے ہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کو اس کی ذات و صفات میں وحدہٗ لاشریک لہٗ مانتے ہیں۔ پھر وہابیہ کا صحیح العقیدہ مسلمانانِ اہلِ سُنت و جماعت کو غیر اللہ کی عبادت کرنے والے قرار دینا اور انہیں مشرکین اور کفار کے زمرہ میں داخل کرنا سراسر جہل، تعصب اور ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔ اس کے علاوہ۔

مُسلمانوں کو مُغالطہ میں ڈالنے اور تنقیصِ شانِ رسالت
کیلئے وہابیہ کا ایک اور طریقہ

یہ بھی ہے کہ امّت کے مسلّمہ عقائد کی تردید میں ان آیاتِ قرآن اور روایاتِ حدیث

سے استدلال کرتے ہیں جو منسوخ ہیں اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ معانی و مفہوم کو بھی بدل دیتے ہیں۔ اسی طریقہ پر عمل کرتے ہوئے امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں مشکوٰۃ شریف سے یہ حدیث نقل کی ہے:۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واللہ لا ادری واللہ لا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم۔ اس کا ترجمہ لکھا: "کہا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم ہے اللہ کی کہ نہیں جانتا ہیں۔ پھر قسم ہے اللہ کی کہ نہیں جانتا ہیں حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ کیا معاملہ ہوگا مجھ سے اور کیا تم سے۔"

پھر اس کی تشریح میں لکھا "یعنی جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں سو اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں۔ نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا۔ (تقویۃ الایمان صفحہ ۴۲) اور اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے جناب ماہر صاحب نے رسالہ "فاران"، توحید نمبر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے علم اور بے اختیار محض ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے مندرجہ ذیل آیۃ مبارکہ کو بطور دلیل نقل کیا" قل ما کنت بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم۔" پھر اس کے ترجمہ میں لکھا" تو کہہ میں کچھ نیا رسول نہیں ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور تمہارے ساتھ بھی کیا ہونے والا ہے" پھر ایک دوسری آیۃ مبارکہ نقل کرکے اس کی تشریح کرنے کے بعد لکھا" جب نفع ونقصان کا اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی مالک نہیں ہے اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تک اس معاملہ میں اپنے عجز و عدم اختیار و قدرت کا اظہار کرتے ہیں تو پھر نبی اور رسول سے بڑھ کر ایسا کون اللہ کا پیارا اور چہیتا ہے جسے ہم اللہ کے دیئے ہوئے خزانوں کا مالک، انسانوں کے نفع ونقصان کا مختار اور احوال کائنات میں متصرف مان لیں۔ اگر کوئی انبیاء، اولیاء اور صلحائے امت کے بارے میں ایسے عقائد رکھتا ہے تو اللہ کی کتاب کی کھلی ہوئی خلاف ورزی کرتا ہے اور قیامت کے دن انبیاء اور اولیاء سے اس کی عقیدت، عشق ومحبت اور نیازمندی کے یہ دعوے اس کے منہ پر مار دیئے جائیں

گے۔ (فاران۔ توحید نمبر صفحہ ۹)

انہی کی طرح دوسرے وہابی صاحبان بھی اس آیۃ مبارکہ اور حدیث شریف سے وہابیانہ عقائد کے ثبوت میں استدلال کیا کرتے ہیں اور سیدھے سادے کم علم مسلمان مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں۔ لیجئے ان کے اس استدلال کی حقیقت دیکھئے اور ان کی دیانت کی داد دیجئے۔ اوّلاً ترجمہ کے متعلق وضاحت کروں گا اور پھر شانِ نزول اور اس کی تفسیر جو مفسرین نے بیان کی ہے نقل کروں گا تاکہ دونوں حیثیتوں سے آپ پر حقیقت منکشف ہو۔

(۱) ملاحظہ ہو فقہ کی مشہور و مستند کتاب (الرد المختار جلد اوّل صفحہ ۹۷)

(والراجع الدرایۃ) بالرفع عطفا عن الاشبہ ای الراجع من جھۃ الدرایۃ ادراک العقل بالقیاس علی غیرہ۔ یعنی درایۃ کا مطلب ہے از روئے عقل، اٹکل اور قیاس کے جاننا۔ پس لا ادری یا ما ادری کے معنی ہوئے میں از روئے قیاس یا اٹکل کے طور سے نہیں جانتا اور ما ادری ما یفعل بی ولا بکم کا ترجمہ یہ ہوا کہ جو کچھ میرے ساتھ ہونے والا ہے اور جو کچھ تمہارے ساتھ ہونے والا ہے اس کو میں اٹکل اور قیاس سے نہیں جانتا کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہو سکے بلکہ میں ان امور کو وحی الٰہی سے جانتا ہوں یعنی جو کچھ میرے اور تمہارے ساتھ اللہ تعالےٰ معاملہ کرے گا۔ اس کو میں اللہ تعالےٰ کے دیئے ہوئے علم کی بنا پر یقینی طور سے جانتا ہوں۔

(۲) حضرت ملّا عبدالرحمٰن دمشقی رحمتہ اللہ علیہ رسالہ "ناسخ ومنسوخ" میں فرماتے ہیں،

قولہ تعالےٰ ما ادری ما یفعل بی ولا بکم نسخ بقولہ تعالیٰ انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔ یعنی۔ آیۃ ما ادری ما یفعل بی ولا بکم اس آیۃ انا فتحنا لک۔ الآیۃ سے منسوخ ہو چکی ہے۔ نیز تفسیر خازن میں ہے، لما نزلت ھذہ الآیۃ فرح المشرکون فقالوا واللات والعزیٰ ما امرنا وامر محمد الا

واحدًا ومالهٗ علینا من مّزیّۃٍ وفضلٍ لولا انّہٗ ما ابتدع مایقولہٗ لاخبرہُ الذی بعثہٗ بما یفعل بہٖ فانزل اللّٰہ عزّوجلّ لیغفر لک اللّٰہ ماتقدّم من ذنبک الآیۃ فقالتِ الصحابۃ ھنیئًا لک یا نبیّ اللّٰہ قد علمتَ ما یفعل بک فماذا یفعل بنا فانزل اللّٰہ لیدخل المومنین والمومنٰت جنّٰتٍ الآیۃ وانزل وبشّر المومنین بانّ لھم من اللّٰہ فضلا کبیرا وھٰذا قول انس وقتادۃ وعکرمۃ قالوا انّما ھٰذا قبل ان یخبر بغفران ذنبہٖ عام الحدیبیۃ فنسخ ذالک ۔ جب یہ آیتہ (ما ادری مایفعل بی ولابکم) نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ لات وعزّیٰ کی قسم ہمارا اور محمدؐ کا تو یکساں حال ہے۔ ان کو ہم پر کوئی زیادتی اور بزرگی نہیں، اگر وہ قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ کر نہ کہتا ہوتا تو اس کو بھیجنے والا خدا اسے بتا دیتا کہ اس سے کیا معاملہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے لیغفر لک اللّٰہ ماتقدّم الآیۃ۔ نازل فرمائی۔ پس صحابہ کرام (علیہم الرضوان) نے عرض کی یارسول اللہ (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) آپ کو مبارک ہو۔ آپ نے تو جان لیا جو آپ کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا (اب ہمیں بھی بشارت دیجیئے) کہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، تو یہ آیت نازل ہوئی: لیدخل المومنین والمومنٰت جنّٰتٍ۔ الآیۃ۔ داخل فرمائے گا اللہ مسلمان مرد اور عورتوں کو جنّتوں میں۔ اور یہ آیتہ اُتری وبشّر المومنین بانّ لھم مّن اللّٰہ فضلا کبیرا۔ اے میرے حبیب مومنوں کو خوشخبری دیجیے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔ یہ حضرت انس اور حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کا ارشاد ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ آیتہ (ما ادری مایفعل بی ولابکم) اس سے قبل نازل ہوئی تھی جبکہ صلح حدیبیہ کے سال میں اللہ تعالیٰ نے لیغفر لک اللّٰہ ماتقدّم من ذنبک۔ الآیتہ۔ نازل فرما کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو (بذریعہ وحی) مطلع فرمایا۔ پس یہ آیتہ (ما ادری مایفعل بی ولابکم) منسوخ ہوگئی۔

اور تفسیر صاوی صفحہ ۶۳ جلد ۴ میں اسی طرح کے بیان کے بعد فرمایا فماخرج صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الدنیا حتیٰ اعلمہ اللّٰہ فی القرآن مایحصل لہٗ وللمومنین والکافرین فی الدنیا والآخرۃ اجمالًا وتفصیلا۔ حضور اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے آپ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اجمال اور پوری تفصیل کے ساتھ وہ سب بتا دیا جو کہ آپ سے اور مومنین کے ساتھ اور کافروں کے ساتھ دنیا اور آخرت میں ہونے والا ہے۔"

ناظرین! صحابہ کرام علیہم الرّضوان اور مفسرین وعلمائے عظام کی مندرجہ بالا توضیح و تشریح کو غور سے پڑھیں اور پھر نام نہاد موحّدین وہابیوں کے فتویٰ کو دیکھیں جو کہتے ہیں "جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں، خواہ قبر میں، خواہ آخرت میں سو اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں، نہ نبی کو، نہ ولی کو، نہ اپنا حال نہ دوسرے کا۔" معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا راستہ ہی الگ ہے۔ نیز آپ دیکھئے کہ یہ لوگ امّتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کو خواہ مخواہ مشرک ٹھہرانے اور حضرت محمّد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں تنقیص کی خاطر کس کس طرح پاپڑ بیلتے ہیں۔ آیاتِ قرآن اور روایات حدیث کے معانی من گھڑت بناتے اور منسوخ شدہ آیات و روایات چن کر تلاش کر کے لاتے ہیں۔

نیز یہ بات قابلِ غور ہے کہ جب آیتہ مبارکہ ما ادری مایفعل بی ولابکم نازل ہوئی تو مشرکین اور منافقین نے کہا کہ جس طرح ہمیں اپنی عاقبت کی خبر نہیں اسی طرح محمّد (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو بھی خبر نہیں اور اس امر میں ہم اور محمّد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) برابر ہیں مگر جب یہ آیتہ مُبارکہ انا فتحنا لک فتحًا مّبینا الآیۃ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دشمنوں مشرکین ومنافقین کا منہ بند ہوگیا اور صحابہ کرام علیہم الرّضوان نے خوش کر آپ کو مبارکباد کہہ کر آپ سے اپنی عاقبت کے متعلق سوال عرض کیا تو لیدخل المومنین والمومنٰت جنّٰت الآیتہ اور بشّر المومنین الآیتہ۔ کے نزول کے بعد صحابہ کرام علیہم الرّضوان مطمئن ہوگئے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان اور مفسرین و علمائے عظام امت کا عقیدہ آپ تفسیر خازن اور تفسیر صاوی سے ملاحظہ کر چکے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ صرف اپنے متعلق بلکہ جملہ مومنین اور کفار کے ساتھ دنیا اور آخرت میں ہونے والے معاملہ سے اجمالاً و تفصیلاً بفضلہٖ تعالیٰ باخبر ہیں مگر وہابی صاحبان ہیں کہ وہ آج تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق مشرکین و منافقین والے اسی عقیدہ پر مستحکم ہیں کہ حضورؐ کو نہ اپنی عاقبت کے متعلق علم ہے نہ کسی دوسرے کی عاقبت کا اور اپنے اس عقیدۂ باطل کے ثبوت میں اسی منسوخ شدہ آیۃ ما ادری مایفعل بی ولا بکم اور حدیث واللہ لا ادری واللہ لا ادری (الحدیث) کو پیش کئے جا رہے ہیں، اور انہیں اصرار ہے کہ مسلمانانِ اہلِ سنت وجماعت بھی اس عقیدہ میں ان کے ہمنوا ہو جائیں۔ یعنی کہ ؎

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

ان سے پوچھئے تو سہی کہ کیا تمہیں قرآن مجید میں وہ آیات دکھائی نہیں دیتیں جن سے تمہارے ان عقائدِ فاسدہ کی تردید ہوتی ہے اور کیا انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد مبارک حدیث کی کتاب میں آج تک نظر نہیں آیا:۔

انا اوّل النّاس خروجاً اذا بعثوا وانا قائدھم اذا وفدوا وانا خطیبھم اذا انصتوا وانا شفیعھم اذا حبسوا وانا مُبشّرھم اذا ایئسوا الکرامۃ والمفاتیح یومئذ بیدی ولواء الحمد یومئذ بیدی (ملاحظہ ہو سنن دارمی و ترمذی شریف صفحہ ۲۰۱ جلد ۲)

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلے روضۂ انور سے باہر تشریف لاؤں گا جب لوگ اٹھائے جائیں گے اور میں ان کا پیشوا ہوں جب وہ حاضرِ بارگاہ ہوں گے۔ میں ان کا خطیب ہوں جب وہ دم بخود ہوں گے اور میں ان کا شفیع ہوں جب وہ محبوس ہوں گے اور میں خوشخبری دینے والا ہوں جب وہ نا امید ہوں گے۔ عزت اور کنجیاں اس دن میرے ہاتھ ہیں اور لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ ہوگا۔

شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۰ جلد ۴ میں الکرامۃ والمفاتیح یومئذ بیدی کے ترجمہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے "بزرگی و ادن و کلید ہائے بہشت و ابواب رحمت آں روز بدست من است"۔ بزرگی دنیا اور جنت اور رحمت کے دروازوں کی چابیاں اس (حشر کے) دن میرے ہاتھ (یعنی قبضہ) میں ہیں۔

اور حافظ ابن حجر مکی محدث رحمۃ اللہ علیہ نے الجوہر المنظم صفحہ ۵۲ میں فرمایا انہ صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ الذی جعل خزائن کرمہ وموائد نعمہ طوع یدیہ وتحت ارادتہ یعطی منھا من یشآء ویمنع من یشآء۔ بیشک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم کے خزانوں اور اپنی نعمتوں کے خوان آپ کے دستِ کرم (یعنی آپ کے قبضہ و اختیار) میں دے دیئے ہیں اور آپ کے ارادہ کے تحت فرما دیئے ہیں۔ آپ (ان خزانوں اور نعمتوں میں سے) جس کو چاہیں عطا فرمائیں اور جسے چاہیں محروم رکھیں۔

ترمذی شریف صفحہ ۲۰۱ جلد ۲ میں ایک روایت کے آخر میں ہے۔ فرمایا رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذا کان یوم القیامۃ کنتُ امام النّبیّین وخطیبھم وصاحب شفاعتھم غیر فخر۔ اور ترمذی شریف جلد دوم صفحہ ۲۰۱ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔ انا اوّل من تنشقّ عنہ الارض فاُکسیٰ الحُلّۃ من حُلَلِ الجنّۃ ثمّ اقُومُ عن یمین العرش لیس احد من الخلائق یقوم ذالك المقام غیری۔

ترجمہ:۔ جب قیامت کا دن ہوگا۔ میں تمام انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا پیشوا ہوں گا اور ان کا خطیب ہوگا اور ان کی شفاعت کرنے والا ہوں بغیر فخر کے۔ یعنی میرا یہ ارشاد فخر یہ نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت اور تحدیث نعمت کے لئے ہے اور فرمایا

میں وہ پہلا ہوں جس کے لئے زمین شق ہو گی اور مجھے جنّتی حُلّہ پہنایا جائے گا۔ پھر میں عرش کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا اور اس مقام پر میرے بغیر مخلوقات میں سے کوئی نہ پہنچے گا۔

بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۱۱۰۸ اور ترمذی شریف جلد دوم صفحہ ۱۴۳ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں اس مضمون کی روایات بھی وہابیہ کو دکھائی نہیں دیتیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: قیامت کے دن جب لوگ پریشان اور غمگین ہوں گے تو اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں شفاعت کرانے کی خاطر حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی حالت بیان کر کے طالبِ شفاعت ہوں گے۔ آپ جواب میں فرمائیں گے لَسْتُ هُنَاكُمْ میرا یہ مقام نہیں کہ تمہارے لئے شفاعت کروں اور فرمائیں گے نوح (علیہ السّلام) کی خدمت میں جاؤ۔ حضرت نوح (علیہ السّلام) بھی جواب دیں گے لَسْتُ هُنَاكُمْ اور فرمائیں گے ابراہیم (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کی بارگاہ میں حاضر ہو۔ لوگوں کو یہاں سے بھی وہی جواب ملے گا لَسْتُ هُنَاكُمْ اور انہیں حضرت موسیٰ (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کے پاس جانے کا ارشاد فرمائیں گے۔ وہاں سے یہی جواب پاکر آپ کے ارشاد کے مطابق حضرت عیسیٰ (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ شفاعت ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) فرمائیں گے لَسْتُ هُنَاكُمْ میرا یہ مقام ومنصب نہیں ہے لیکن تم لوگ (حضرت) محمّد (رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں حاضر ہو کر طلب شفاعت کرو۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر لوگ میری خدمت میں حاضر ہوں گے تو میں فرماؤں گا اَنَا لَهَا ہاں میرا منصب ہے میں تمہاری شفاعت کرتا ہوں۔ پھر باذن اللہ تعالےٰ بارگاہِ الٰہی میں لوگوں کی شفاعت کروں گا اور لوگوں کو پریشانی اور مصیبت سے نجات دلاؤں گا اور دوزخیوں کو دوزخ سے نکال کر جنّت میں داخل کروں گا۔"

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو تمام مخلوق کے حالات اور احوال

کا علم ہے اور معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے بہرہ ور ہونے کے لئے مخلوقِ خدا۔ رسولِ خدا (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) کے فضل وکرم کی محتاج ہے ورنہ غور تو کیجئے۔ اللہ تعالےٰ دیکھ رہا ہو گا کہ مخلوق مصیبت میں گرفتار اور پریشان ہے مگر انہیں مصیبت سے نجات نہ دے گا۔ یہاں تک کہ لوگ جلیل القدر انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی بارگاہوں میں پھرتے پھرتے اللہ تعالےٰ کے محبوب حضرت محمّد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ کا وسیلہ نہ پکڑیں اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں فریاد نہ کرلیں۔ پھر جب حضور اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ان پر رحم فرما کر اللہ تعالےٰ کی بارگاہِ عالیہ میں شفاعت فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی شفاعت قبول فرما کر لوگوں کو مصیبت اور پریشانی سے رہائی بخشے گا۔ اور یہ اس لئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ارفع واعلےٰ شان کا اچھی طرح مظاہرہ ہو جائے ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا!
کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

منکرینِ وسیلہ غور کریں کہ اگر وسیلہ تلاش کرنا شرک ہے تو حشر کے دن یہ شرک کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ وسیلہ اختیار کرنا شرک نہیں بلکہ یہ عمل اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں مقبول اور محبوب ہے۔ شیخ المحققین حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی قدسنا اللہ باسرارھم مدارج النّبوہ جلد ۱ صفحہ ۳۱۸ میں فرماتے ہیں: "بحقیقت دراں روز ظاہر گردد کہ وَے صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم محبوبِ الٰہی وسرورِ کائنات ومظہرِ فیوضِ نامتناہی اوست جل وعلا وخلیفہ رَبِّ الْعَالَمِيْن ونائب مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن اوست ومقامیکہ اورا باشد ہیچ یکے را نہ باشد وجاہے کہ اورا ست کسے را نہ بود روز روزِ اوست وحکم حکمِ او بحکم رب العالمین۔"

ترجمہ:۔ بہ حقیقت اس (قیامت کے) دن ظاہر ہو گا کہ سرکارِ دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم محبوبِ الٰہی اور کائنات کے سردار اور اللہ تعالےٰ کے

فیوض نامتناہی کے مظہر ہیں اور رب العالمین کے خلیفہ اور نائب مالکِ یوم الدّین آپ ہی ہیں (روز قیامت) جو مقام آپ کا ہوگا اور کسی کو حاصل نہ ہوگا اور جو جاہ و مرتبہ آپ کا ہے اور کسی دوسرے کا نہیں ۔(روز قیامت) آپ کا ہی دن ہے ۔اس دن باذن اللہ تعالےٰ آپ کا ہی حکم چلے گا"۔

پس منکرین کو چاہیئے کہ اپنے عقائدِ باطلہ وخیالاتِ فاسدہ سے باز آجائیں اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا وسیلہ اختیار کرنے کو شرک و بدعت قرار دینے کے بجائے آپ کا وسیلہ پکڑ کر دین ودنیا میں کامیابی حاصل کرلیں کہ آج موقعہ ہے ۔اعلحضرت مجدّد دین وملّت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ؎

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

مندرجہ بالا ارشاداتِ نبوی سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نہ صرف یہ کہ اپنے ساتھ ہونے والے معاملات سے بخوبی واقف ہیں بلکہ تمام مخلوق کی عاقبت کو جانتے اور آئندہ پیش آنے تمام واقعات و احوال سے باخبر ہیں۔اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ؎

تو دانائے ما کان اور ما یکون ہے
تجھے بے خبر، بے خبر جانتے ہیں

کیونکہ یہی عقیدہ قرآن وحدیث سے بالوضاحت ثابت ہے اور صحابہ کرام علیہم الرّضوان اور مفسّرین و محدّثین اور علمائے دین و اولیائے امّت اسی عقیدہ پر متفق ہیں ۔

افسوس ہے کہ وہ منکرین جو منسوخ شدہ آیتہ ما ادری ما یفعل بی و لا بکم اور منسوخ شدہ روایتِ حدیث واللہ لا ادری واللہ لا ادری (الحدیث) پر ہنوز اڑے ہوئے ہیں ۔انہیں یہ احادیث دکھائی نہیں دیتیں جو ابھی مذکور ہوئیں اور انہیں مشکوٰۃ شریف یا ترمذی شریف یا حدیث کی کسی دوسری کتاب میں یہ حدیث نظر نہیں

آئی جس سے ثابت ہوا کہ :۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تمام جنّتیوں اور دوزخیوں کو جانتے ہیں!

ملاحظہ ہو ترمذی شریف جلد دوم صفحہ ۳۲ :۔

عن عبید اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم و فی یدہٖ کتابان فقال اتدرون ماھٰذان الکتابان فقلنا لا یارسول اللہ الا ان تخبرنا فقال للذی فی یدہ الیمنیٰ ھٰذا کتاب من رب العالمین فیہ اسمآء اھل الجنّۃ واسمآء آبائھم وقبائلھم ثمّ اجمل علیٰ آخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابدا ثمّ قال للذی فی شمالہٖ ھٰذا کتاب من رب العالمین فیہ اسمآء اھل النار واسمآء آبائھم وقبائلھم ثمّ اجمل علیٰ آخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابدا ۔ الیٰ آخر الحدیث۔ حضرت عبید اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرکار دوعالم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں ۔آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ دو کتابیں کیا ہیں ۔ہم نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) ہم نہیں جانتے بجز اس کے کہ آپ ہمیں خبر دیں تو آپ نے اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ کے داہنے ہاتھ میں تھی کہ یہ کتاب ہے رب العالمین کی طرف سے اس میں اہلِ جنّت اور ان کے باپ دادوں کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام درج ہیں ۔ پھر اس کے اخیر میں کل جمع کی میزان لکھی گئی ہے اس میں ہرگز نہ زیادہ کیا جائے گا اور نہ کم کیا جائے گا۔ پھر آپ نے اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی ۔یہ کتاب ہے رب العالمین کی طرف سے اس میں دوزخیوں کے نام اور ان کے باپ دادوں کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام مذکور ہیں ۔پھر اخیر میں

کل جمع کی میزان لکھی گئی ہے۔ پس اس میں نہ ہرگز زیادہ کیا جائے گا اور نہ کم کیا جائے گا۔"
اس حدیث کی تشریح تحصیل حاصل ہے۔ اس سے وہابیت کے ہوائی قلعے دھڑام سے گر کر چکنا چور ہو گئے۔ وہابیہ کے عقائد کی قلعی کھل گئی۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

واضح رہے کہ کتب حدیث میں اور بھی بہت سی روایات موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر شخص کی عاقبت کو جانتے ہیں اور دنیا میں، قبر میں اور آخرت میں کس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ آپ کو بعطائے الٰہی تمام علم حاصل ہے۔ اگر ان تمام احادیث کو نقل کیا جائے تو ضخیم دفتر مرتب ہو جائے، مگر منصف مزاج صاحبِ ایمان کے لئے یہی کافی و وافی ہے۔ ہاں جس کے قلب و دماغ میں وہابیت کے جراثیم جڑ پکڑ چکے ہوں اس کے لئے تو ضخیم دفتر بھی بے سود ہے۔ پس طوالت سے بچنے کے لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ

ثبوتِ توسّل و ندا و استمداد بہ ارشاداتِ بزرگانِ دین و الزاماً

بہ اقوالِ پیشوایانِ وہابیہ

پچھلے صفحات میں اگرچہ یہ مسئلہ قرآن و حدیث سے کامل و اکمل طور پر ثابت و واضح ہو چکا اور اس کے بعد کسی سلیم الطبع متلاشیِ حق کے لئے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ مگر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے طریقہ پر مفسرین، محدثین، علمائے حق اور آئمہ دین اس مسئلہ میں متفق اور اس پر عامل ہیں۔ ارشاداتِ سلف و خلف صالحین مختصراً تحریر کرتا ہوں تاکہ مومنین کے ایمان مزید تقویت پائیں اور مذبذبین راہِ حق پہچان کر نجدیت و وہابیت کے اثرِ بد سے محفوظ رہیں۔ اور منکرین پر اتمامِ حجت ہو۔ وباللہ التوفیق۔

تمہید میں توسّل و استمداد کی حقیقت اور نسبتوں کا فرق بالتفصیل بیان ہو چکا تاہم مزید وضاحت کے لئے مختصراً عرض ہے کہ مدبر الامور حقیقی اللہ تعالیٰ نے جو فعال لما یرید ہے اپنی مشیّت سے مخلوقات کو اپنی صفات و افعال کے ظہور کا سبب اور وسیلہ بنایا ہے اور اپنے مقبول و محبوب بندوں، انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کو محض اپنے فضل و کرم سے وحی و الہام اور کشف کے ذریعہ علوم غیبیہ عطا فرمائے اور انہیں خلق کی رہنمائی اور دنیاوی مشکلات کے حل اور مصائب کے دفعیہ کے لئے وسیلۂ اعظم بنایا۔ یہ نفوس قدسیہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کی مشیّت کے تحت کائنات میں متصرف ہیں اور نبی الانبیاء امام الرسل سرکار دوعالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خالق اور جملہ مخلوق کے درمیان رابطہ اور وسیلۂ اصلی ہیں کہ جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام آپ کے وسیلہ کے محتاج ہیں اور اولیائے کرام بھی۔ مگر حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سوائے اللہ تعالیٰ

کے کسی کے محتاج نہیں۔

قرآن مجید اور حدیث کی رو سے مِنْ دُوْنِ اللہِ سے توسّل و استمداد منع ہے اور شرک میں داخل مگر مِنْ دُوْنِ اللہِ کفّار و مشرکین کے معبودان باطل بُت وغیرہ ہیں کہ انہیں انہوں نے از خود توسّل کا ذریعہ بنا لیا ہے اور انہیں متصرّف حقیقی جان کر ان سے استمداد و استعانت کرتے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں، انہیں معبود جانتے ہیں۔

پس ظاہر ہے کہ ان کے یہ عقائد بے بنیاد اور باطل ہیں جن کی تردید اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور وہابیہ جو انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ کو مِنْ دُوْنِ اللہِ ٹھہرا کر معبودان باطل بُتوں کی تردید میں وارد آیات و روایات کو ان نفوسِ قدسیہ پر چسپاں کرتے ہیں یہ بجائے خود قرآن و حدیث کے خلاف ہے کہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام مِنْ دُوْنِ اللہِ نہیں ہیں بلکہ انہیں خود اللہ تعالےٰ نے مخلوق کے لئے وسیلہ بنایا ہے۔ ان سے توسّل مشیّت ایزدی کے مطابق ہے۔ مسلمانانِ اہلِ سنت وجماعت اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کے لئے الوہیت تسلیم نہیں کرتے، نہ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں، نہ کسی کے لئے کوئی قدرت وصفت ذاتی و مستقل تسلیم کرتے ہیں، نہ کسی کو معبود جانتے اور نہ ہی متصرّف حقیقی سمجھتے ہیں۔ پس یہ وہابیہ کا عظیم ظلم ہے کہ کفار و مشرکین کے معبودان باطل بُتوں (مِنْ دُوْنِ اللہِ) کی تردید میں اور کفار و مشرکین کی مذمت میں وارد آیاتِ قرآنی کو انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ پر چسپاں کرتے ہیں۔ یہ طریقہ بے دین خارجیوں کا ہے۔ پس وہابیہ کے طرزِ عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ :-

وہابی ۔ بے دین خارجیوں کے طریقہ پر ہیں

ملاحظہ ہو بخاری شریف مطبوعہ احمدی صفحہ ۱۰۲۴ :- کان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا

علی المؤمنین۔

ترجمہ :- حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما خارجیوں کو بدترین خلق جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو آیتیں کفّار کے بارے میں نازل ہوئیں۔ یہ (خارجی) ان آیات کو مومنوں پر چسپاں کرنے لگے "۔

اور وہابیہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ مثلاً جن آیات میں بتوں کے شفاعتی اور سفارشی ہونے کی تردید ہے۔ ان آیات سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ کے شفیع ہونے کی تردید کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی روزمرّہ کی تقریروں اور تحریروں سے ظاہر ہے اور امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی نے بھی اسی طریقہ پر عمل کرتے ہوئے لکھا" : اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا بھی ان کا کفر و شرک تھا سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو اس کو اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے"۔ (تقویۃ الایمان صفحہ ۱۸)

حالانکہ قرآن مجید اور حدیث شریف سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا شفیع اعظم ہونا بالوضاحت ثابت ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرّضوان اور مفسّرین و محدّثین اور علمائے دین آپ کو بالیقین دنیا و آخرت میں شفیع جانتے ہیں بلکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود اس کی تعلیم دی ہے۔ گذشتہ صفحات میں آپ مفصّل طور پر ملاحظہ کر چکے اور آئندہ صفحات میں مزید ملاحظہ فرمائیں گے تو اب خود فیصلہ کیجئے کہ اسماعیل دہلوی اور وہابیہ کے اس بے ہودہ فتویٰ کی زد سے کون بچتا ہے اور کس کس پر شرک عائد نہیں ہوتا۔

نعوذ باللہ من ھفوات الوھابیہ۔

مسلمانانِ اہلِ سنت وجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ قدسنا اللہ باسرارھم، اللہ تعالےٰ کی قدرتوں کے مظہر ہیں اور صفات و افعال اور امورِ الٰہیہ کے صدور و ظہور اور نفاذ کا سبب اور ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔

حضرت العلّامہ علی بن عبدالکافی سبکی قدس سرہٗ العزیز جن کے امام ہونے پر سب کا اتّفاق ہے حتیٰ کہ غیر مقلدین کے بڑے پیشوا میاں نذیر حسین دہلوی نے بھی اپنے مصدقہ

فتویٰ میں بالاتفاق امام مجتہد تسلیم کیا ہے۔ شفاء السقام میں فرماتے ہیں :۔

"لیس المراد لنسبة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی الخلق والاستقلال بالافعال ھٰذا لایقصدہٗ مسلم فصرف الکلام الیہ ومنعہٗ من باب التلبیس فی الدین والتشویش علی عوام الموحدین۔

ترجمہ :۔ یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) خالق و فاعل مستقل ہیں یہ کوئی مسلمان ارادہ نہیں کرتا تو اس معنیٰ پر کلام کو ڈھالنا اور حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے مدد مانگنے کو منع کرنا۔ دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے" (الامن والعلے صفحہ ۱۶)

حضور شفیع المذنبین رحمۃ اللعالمین سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ سے توسّل اور استمداد کو شرک ثابت کرنے کے لئے وہابیہ کہا کرتے ہیں کہ دیکھو جی یہ لوگ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن کہہ کر اقرار کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم خاص تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ مگر نماز سے فارغ ہو کر اس اقرار سے پھر جاتے ہیں اور انبیاء و اولیاء سے مدد مانگ کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہابیہ کا یہ استدلال بھی جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن سے یہ عہد و اقرار مقصود ہے۔ اے اللہ ہم خاص تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ یعنی حقیقتاً تو ہی مددگار ہے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ تیری مدد کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور ہم ان کے ذریعہ اور وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یہ عقیدہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد اور قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَوْ اَنَّھُمْ اذ ظلموا انفسھم جاؤك۔ الآیۃ۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد جو آپ نے نابینا صحابی کو فرمایا کہ یوں دعا مانگ اللّٰھم انّی اسئلك

والتوجّہُ الیك بنبیّك محمّد نبی الرحمة یا محمّد انّی توجّہتُ بك الی ربّی الحدیث۔ ایّاك نستعین کی واضح تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ منکرین کو قرآن و حدیث کے سمجھنے کی توفیق دے۔

نیز ایّاك نستعین سے یہ اقرار مقصود ہے کہ اے اللہ تیرے بغیر ہم کسی کو مددگار حقیقی نہیں جانتے اور نہ ہم ایسی ہستیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جنہیں کفار و مشرکین مددگار حقیقی جان کر ان کی عبادت کرتے ہیں۔ یعنی بُت وغیرہ معبودان باطل جن سے مدد چاہنے کو تُو نے اور تیرے محبوب محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ہم ان سے استمداد و استعانت اور توسّل نہیں کرتے۔ حضرت قبلہ شاہ عبد العزیز صاحب محدّث دہلوی قدس سرہٗ العزیز تفسیر فتح العزیز پارہ الٓمٓ سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں۔

اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کا مطلب

یُوں سمجھاتے ہیں :"باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد بر آں غیر باشد و اورا مظہر عون الٰہی نہ داند حرام است و اگر التفات بجانب حق است و اورا یکے از مظاہر عون دانستہ و نظر بہ کارخانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ دراں نمودہ بغیر استعانت ظاہری نماید دور از عرفان نخواہد بود و در شرع نیز جائز و رواست و انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند و درحقیقت ایں نوع استعانت بحضرت حق ست لاغیر"

ترجمہ :۔ سمجھنا چاہیئے کہ غیر سے مدد چاہنا اس وجہ سے کہ اس پر ہی کلّی اعتماد ہو اور اسے مدد الٰہی کا مظہر نہ سمجھے حرام ہے اور اگر التفات حق تعالیٰ کی جانب ہے اور اس کو مدد الٰہی کے مظاہر میں سے ایک مظہر سمجھتا ہے کارخانہ اسباب میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کو مدّنظر رکھتے ہوئے غیر سے ظاہری مدد طلب کرے تو یہ عرفان سے دور

نہیں اور شریعت میں بھی جائز اور روا ہے اور انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ نے بھی غیر اللہ سے اس طرح کی مدد طلب کی ہے اور درحقیقت (غیر اللہ سے) اس سے مدد طلب کرنا استعانت بہ غیر نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ سے ہی مدد طلب کرنا ہے" اور اسبات کو سمجھنے کے لئے کہ

اِستمداد و استعانت کے مُعاملہ میں کُفار مشرکین

اور مُسلمانوں میں کیا فرق ہے

حضرت قبلہ شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی علیہ الرحمتہ کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں جو آپ نے تفسیر فتح العزیز پارہ نمبر ۱ سورۃ البقر صفحہ نمبر ۶۰ پر فرمائی ہے :-

"افعال عادی الٰہی را مثل بخشیدن فرزند و توسیع رزق و شفائے مریض و امثال ذالک را مشرکاں نسبت بہ ارواح خبیثہ و اصنام مے نمایند و کافر میشوند و موحّداں از تاثیر الٰہی یا خواص مخلوقات او میدانند از ادویہ و عقاقیر یا دعائے صلحاء بندگان او کہ ہمہ از جناب او درخواستہ انجاح مطلب میکنانند مے فہمند و در ایمان ایشاں خلل نمے افتد"

ترجمہ :- اللہ تعالےٰ کے افعال عادی کو مثلاً اولاد بخشنا اور رزق کی فراخی اور مریض کو شفا دینا اور اسی طرح کے دوسرے کاموں کو مشرک لوگ ارواح خبیثہ اور بُتوں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں اور توحید پرست (مسلمان) اللہ تعالےٰ کی تاثیر سے یا اس کی مخلوقات کے خواص سے (ان کاموں کو) جانتے ہیں مثلاً دواؤں اور جڑی بوٹیوں سے یا اللہ تعالےٰ کے صالح بندوں (اولیاء اللہ) کی دعا سے کہ یہ (اولیاء اللہ) سب کچھ بارگاہِ الٰہی سے ہی مانگ کر مطلب حل کرا دیتے ہیں۔

سمجھتے ہیں اور ان کے ایمان میں خلل نہیں پڑتا"

مگر نجدیہ وہابیہ مسلمانوں کو زبردستی کافر و مشرک بنانے کی خاطر کچھ نہیں دیکھتے۔ نسبتِ حقیقی اور نسبتِ مجازی میں نیز وصف ذاتی اور وصف عطائی میں کوئی فرق نہیں جانتے نہ وہ یہ سوچنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں کہ یہ آیتہ کس کے حق میں یا کس کی تردید میں نازل ہوئی۔ انہوں نے آیتہ قرآن کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کی طرف دھیان دیا ہوتا تو ان کے عقائد امّت کے عقائد سے مختلف نہ ہوتے اور انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام و اولیاء اللہ کو بتّوں، بھوتوں، جنّوں اور شیطانوں کی صف میں شمار کرکے اپنی عاقبت تباہ نہ کی ہوتی اور امّت میں فتنہ کے موجب نہ بنتے مگر ان کو تو بس ظاہری الفاظ کا سہارا چاہیئے۔ پھر جو اُن کا جی چاہے کہتے یا لکھتے چلے جائیں گے۔ چنانچہ آپ گذشتہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں۔ آیتہ ما ادری مایفعل بی ولا بکم اور حدیث واللہ لا ادری وانا رسول اللہ مایفعل بی ولا بکم جو کہ منسوخ ہو چکی ہیں ان کے منسوخ ہونے کے باوجود وہابیہ آج تک یہی کہتے جا رہے ہیں۔ "جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں۔ سو اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں۔ نہ نبی کو، نہ ولی کو نہ اپنا حال اور نہ دوسرے کا"

اسی طرح جن آیات میں صفات ذاتی کی نفی ہے، ان آیات سے صفات عطائی کی بھی نفی کرکے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ کی شفاعت تک کا انکار کر دیتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ سے کسی کو نہ دنیا میں کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے اور نہ آخرت میں۔ چنانچہ اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں قل لا املك لنفسی نفعا ولا ضرًّا الا ماشآء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرتُ من الخیر وما مسّنی السّوءُ الآیتہ۔ لکھی۔ اس کا ترجمہ لکھنے کے بعد اس کی تشریح میں لکھا:-

"یعنی سب انبیاء و اولیاء کے سردار پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تھے اور

لوگوں نے انہیں کے بڑے بڑے معجزے دیکھے۔ انہیں سے سب اسرار کی باتیں سیکھیں اورسب بزرگوں کو انہیں کی پیروی سے بزرگی حاصل ہوئی تو اس لئے انہیں کو اللہ صاحب نے فرمایا کہ اپنا حال لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کردیں تاکہ سب لوگوں کو حال معلوم ہو جائے۔ سو انہوں نے بیان کر دیا کہ مجھ کو نہ کچھ قدرت ہے نہ کچھ غیب دانی میری قدرت کا حال تو یہ ہے کہ اپنی جان تک کے بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں تو دوسرے کا کیا کر سکوں"۔ الخ (تقویۃ الایمان صفحہ ۲۸،۲۹)

اور ماہر صاحب نے فاران توحید نمبر کے صفحہ ۸ پر قل لا املك لنفسی ضرًا ولا نفعا الّا ما شاء اللہ اور صفحہ ۹ قل ما کنت بدعا من الرسول وما ادری ما یفعل بی ولا بکم اور قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب۔ الآیۃ۔ لکھنے کے بعد اپنے خیالاتِ فاسدہ کا اظہار کرتے ہوئے لکھا: "ذاتی اور عطائی کی جاہلانہ اور گمراہ کن تفریق کے بُت کو بھی پاش پاش کر دیا۔ جب نبیؐ کے پاس بھی اللہ کے دیے ہوئے خزانے نہیں ہیں تو پھر اور کس کے پاس ہو سکتے ہیں جب نفع ونقصان کا اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی مالک نہیں ہے اور انبیاء کرام (علیہم الصّلوٰۃ والسّلام) تک اس معاملہ میں اپنے عجز وعدمِ اختیار و قدرت کا اظہار کرتے ہیں تو نبی و رسول (علیہم الصّلوٰۃ والسّلام) سے بڑھ کر ایسا کون "اللہ کا پیارا اور چہیتا" ہے جسے ہم اللہ کے دیے ہوئے خزانوں کا مالک، انسانوں کے نفع ونقصان کا مختار اور احوالِ کائنات میں متصرّف مان لیں"۔ الخ

آیئے اب میں آپ کو یہ بتاؤں کہ جن آیات سے وہابیہ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو مجبورِ محض اور مطلقاً بے علم ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ یہ ان کے جہلِ مرکب کا کرشمہ ہے ورنہ ان آیاتِ مبارکہ سے یہ بات نہیں نکلتی جو یہ لبعد کوشش نکالتے ہیں۔ ملاحظہ ہو قل لا املك لنفسی نفعا ولا ضرًا "تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے بُرے کا خود مختار نہیں" یعنی مجھے نفع ونقصان کی ذاتی قدرت نہیں الّا ما شاء اللہ مگر جو اللہ چاہے یعنی میں اللہ کے چاہنے سے نفع ونقصان کا

مالک ہوں۔ تفسیر صاوی میں ہے۔ قولہٗ الّا ما شاء اللہ "ای تملیکہٗ لی فانا املکہٗ"۔

اللہ تعالےٰ کے فرمان الّا ما شآء اللہ کا مطلب یہ ہے۔ میں ذاتی طور سے نفع نقصان کا مالک نہیں مگر اللہ تعالےٰ کے مجھے مالک بنا دینے سے نفع ونقصان کا مالک ہوں۔

ثابت ہوا کہ اس آیۃ میں ذاتی قدرت کی نفی ہے نہ کہ عطائی کی بھی۔ جس طرح کہ وہابیہ کا بیان ہے اور قرآن مجید کی دوسری آیات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمانے سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تمام کائنات کے مالک ومختار ہیں آیۃ انّا اعطینٰك الکوثر اے محبوبؐ بیشک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ کوثر سے مراد خیرِ کثیر ہے۔ اس میں حوض کوثر بھی شامل (بخاری)، اور تفسیر خازن میں ہے واصل الکوثر فَوْعَلُ من الکثرت۔ اصل کوثر کا فوعل کے وزن پر کثرت سے ہے اور تفسیر نسفی میں ہے ھو فَوْعَلُ مِن الکثرۃ وھو المفرط الکثرۃ کوثر فوعل کے وزن پر ہے کثرت سے جس کے معنی ہیں "بہت زیادہ کثرت"۔

اب دیکھئے تفسیر جلالین انّا اعطینٰك یا محمّد الکوثر ھُوَ نَھرٌ فی الجنّۃ ھو حوضہ ترد علیہ امّتہٗ او الکوثر الخیر الکثیر من النبوۃ والقرآن والشفاعۃ ونحوھا: یا محمدؐ! ہم نے تم کو کوثر عطا فرمایا، یہ نہر ہے جنّۃ میں آپ کا یہ حوض ہے جس پر آپ کی اُمّت وارد ہو گی یا کوثر خیرِ کثیر ہے نبوّت سے اور قرآن سے اور شفاعۃ اور اسی طرح کی دوسری نعمتیں اور تفسیر صاوی میں کوثر کی تشریح میں پندرہ اقوال ذکر کرنے کے بعد فرمایا: السادس عشر الخیر الکثیر الدنیوی والاخروی وکل من ھٰذہِ الاقوال تحقیق بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفوق ذالك مما

لایعلم غایتہ، الّا اللہ تعالیٰ۔ سولہواں قول یہ ہے کہ کوثر سے مراد دنیوی اور اخروی خیر کثیر ہے اور یہ تمام اقوال حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ارشادات سے بہ تحقیق ثابت ہیں اور کوثر سے ان تمام چیزوں سے اور بھی زیادہ اتنا کچھ مراد ہے۔ جس کی حدّ و انتہا اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ یعنی اللہ تعالٰے نے اپنے محبوب محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو اتنا عطا فرمایا ہے کہ تمام مخلوق مل کر بھی اس کا اندازہ نہیں کر سکتی اور یہ ساری دنیا اس عطاءِ کوثر کے مقابلہ میں کچھ بھی حیثیّت نہیں رکھتی۔

قرآن مجید میں ہے "قل متاع الدنیا قلیل" تمام دنیا کا ساز و سامان، وہ سب کچھ جو دنیا میں ہے قلیل ہے۔ پس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا مالکِ کائنات بہ عطاءِ الٰہی ہونا۔ اسی آیتہ مبارکہ سے ثابت ہے کہ اے محبوبؐ! بیشک ہم نے آپ کو بہت ہی کثرت سے عطا فرمایا جس میں یہ تمام کائنات بھی شامل ہے۔ اب غور کیجئے کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ بیشک ہم نے آپ کو بہت ہی کچھ نہایت کثرت سے عطا فرمادیا ہے مگر وہابی کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰے نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو کچھ بھی عطا نہیں فرمایا حتیٰ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنے نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں اور دیکھئے تفسیر کبیر میں ہے: "قولہ، انّا اعطینٰک الکوثر ای انّا اعطینٰک الکثیر فاَعطِ انت الکثیر ولا تبخل" اللہ تعالٰے کے ارشاد انّا اعطینٰک الکوثر کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو بہت کچھ کثرت سے عطا فرمایا۔ پس آپ کثرت سے (سوالیوں، محتاجوں کو) عطا فرمائیں اور (عطا فرمانے میں) بخل نہ فرمائیں"

اللہ تعالٰے کا ارشاد دیکھئے اور علمائے حق مفسّرین کی تفسیروں کو دیکھئے اور پھر وہابیہ کا بیان ملاحظہ کیجئے۔ اب چاہیں تو اللہ تعالٰے کے ارشاد اور مفسّرین کے بیان کو صحیح قرار دیں یا وہابیہ کے بیان کو، یہ آپ کے انصاف پر چھوڑتا ہوں تاہم نتیجہ ظاہر ہے وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلاً (الآیتہ) اللہ تعالٰے سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے۔ مندرجہ بالا وضاحت سے وہابیہ کے اس مغالطہ کا

بخوبی رد ہو گیا جو وہ قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضرًّا الّا ماشاء اللہ سے دیتے ہیں۔

اب آپ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسّنی السوٓء۔ الآیتہ۔ کا بیان ملاحظہ کریں۔ تفسیر جلالین (پارہ ۹ سورۃ الاعراف رکوع ۲۳) اس آیتہ کے تحت حاشیہ پر تفسیر جمل کے حوالہ سے مرقوم ہے:۔

لقائل ان یقول قد اخبرَ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم عن المغیبات وقد جاءت احادیث فی الصحیح بذالک وھو اعظم من معجزاتہٖ صلی اللہ علیہ وسلّم فکیف الجمع بینہٗ وبین قولہٖ لو کنت اعلم الغیب قلتُ اِنّہٗ یحتمل ان یکون قولہٗ علیٰ سبیل التواضع والادب المعنی لا اعلم الغیب الّا ان یطلعنی اللہ علیہ ویقدرہٗ لی ویحتمل ان یکون قال ذالک قبل ان یطلعہُ اللہ عزّ وجلّ علیٰ علم الغیب فلما اطلعہ اللہ اخبر کما قال فلا یظھر علیٰ غیبہٖ احد الّا من ارتضیٰ من رسول۔

ترجمہ:۔ اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے بکثرت غیب کی خبریں دی ہیں اور صحیح احادیث وارد ہیں اور علم الغیب کا جاننا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے عظیم الشان معجزات سے ہے اور پھر ولو کنت اعلم الغیب جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا تو ان دونوں باتوں میں کس طرح تطبیق دی جائے تو اس سوال کا جواب میں یہ دیتا ہوں کہ یہاں احتمال یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے از روئے تواضع اور ادب کے اس طرح فرمایا ہو تو اس کے معنے یوں کئے جائیں گے کہ میں اللہ تعالٰے کے بتانے اور علم غیب عطا فرمانے کے بغیر علم غیب نہیں رکھتا یعنی مجھے ذاتی طور پر علم غیب نہیں ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کا ارشاد علم غیب عطا ہونے سے پہلے کا ہو۔ پس اللہ تعالٰے نے اپنے محبوب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو علم غیب پر مطلع فرما دیا تو علم غیب عطا فرما دینے کی خبر دے دی۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے مقبول و محبوب رسول (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) کے علاوہ اور کسی کو علم غیب عطا نہیں فرماتا"۔

اور دیکھیے تفسیر صاوی جلد ۲ صفحہ ۹۷ :۔

ان قُلتَ ان ھٰذا یشکل مع ما تقدّم لنا انّہ اطلع علیٰ جمیع مغیبات الدنیا والآخرۃ والجواب اَنّہٗ قال ذالک تواضعا اَوْ اَنّ عِلْمَہٗ بالمُغَیَّبِ کلا علم من حیث انّہٗ لاقدرۃ لہٗ علیٰ تغیبہ ما قدّر اللہ وقوعہٗ فیکون المعنیٰ حینئذ لو کان لی عِلمٌ حَقیقِیٌ بان اقدر علیٰ ما ارید وقوعہٗ لاستکثرت من الخیر وما مسّنی السوء۔

ترجمہ :۔ اگر تو یہ کہے کہ اس فرمان سے کہ اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی ہوتی اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی ۔ اشکال واقع ہوتا ہے اس بات سے کہ بیشک حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اللہ تعالےٰ نے دنیا اور آخرت کا سارا علم غیب عطا فرمایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ فرمانا از روئے تواضع کے ہے یا اس لئے ہے کہ آپ کا غیب جاننا نہ جاننے کی طرح ہے ۔ کیونکہ آپ کو اس چیز کے بدلنے پر قدرت نہیں جو اللہ تعالےٰ نے مقدر فرمادی تو معنے یہ ہوئے کہ اگر مجھ کو علم حقیقی ہوتا اس طرح کہ میں اپنی مراد کے واقع کرنے پر قادر ہوتا تو بہت سی بھلائی جمع کر لیتا۔

معلوم ہوا کہ خیر حاصل کرنا اور تکلیف سے محفوظ رہنا علم کے ساتھ قدرت پر موقوف ہے پس اس آیۃ میں علم غیب ذاتی کی نفی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے یعنی علم غیب ذاتی اللہ تعالےٰ کے بغیر کسی کو نہیں اور اللہ تعالےٰ کے عطا فرمانے سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو دنیا و آخرت کے جمیع مغیبات کا علم حاصل ہے۔

ملاحظہ ہو تفسیر صاوی جلد دوم صفحہ ۹۷ :۔ آیۃ یسئلونک کانّک حَفِیٌّ عنہا کے تحت فرمایا :۔

والذی یجب الایمان بہ انّ رسول اللہ لم ینتقل من الدّنیا حتّیٰ

اعلمہُ اللہ بجمیع المغیبات التی تحصل فی الدنیا والآخرۃ فھو یعلمھا کما ھی عین یقین لما ورد رفعت لی الدنیا فَاَنَا انظر فیھا کما انظر الیٰ کَفِّی ھٰذہٖ وورد انّہٗ اطلع علی الجنۃ وما فیھا والنار وما فیھا وغیر ذالک مما تواترت بہ الاخبار ولکن امر بکتمان البعض۔

ترجمہ :۔ اور اس پر ایمان لانا واجب یعنی فرض ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے دنیا سے انتقال فرمانے سے پہلے اللہ تعالےٰ نے آپ کو دنیا اور آخرت کے تمام علوم غیب عطا فرما دیئے ۔ پس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام دنیا و آخرت میں ہونے والے واقعات کو اس طرح جانتے ہیں جیسے کہ انہیں چشم یقین سے ملاحظہ فرما رہے ہیں ۔ کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا میرے لئے دنیا کے تمام حجابات اٹھا دیئے گئے ۔ پس دنیا میں اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح میں اپنے ہاتھ کی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں اور حدیث میں ہے کہ بیشک حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جنّت اور جو کچھ اس میں ہے اور جہنم اور جو کچھ جہنم میں ہے سب پر مطلع ہیں ۔ ان کے علاوہ آپ کو علوم غیبیہ پر مطلع ہونے کے بارے میں تواتر کے ساتھ احادیث وارد ہیں ، لیکن آپ بعض امور غیبیہ کو پوشیدہ رکھنے پر مامور ہیں "۔

یعنی کچھ امور غیبیہ ایسے بھی ہیں ۔ جن کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق کسی پر ظاہر نہ فرمایا۔

یقین واثق ہے کہ ناظرین علمائے حق مفسّرین کی ان تصریحات کے مطالعہ سے حقیقت کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں اور یہ واضح ہو چکا ہے کہ وہابیہ قرآن و حدیث کے نام سے قرآن و حدیث کی صحیح تعلیم کے خلاف وہابیانہ عقائد کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو مجبور محض اور "مطلقاً" بے علم ثابت کرنے کے لئے آیات و روایات حدیث کے اصل مفہوم کو سمجھنے سمجھانے کے بجائے غلط مفہوم نکال کر بے ہودہ استدلال کرتے ہیں ۔ مختصر یہ کہ وہابیہ کا

قرآن دانی اور حدیث فہمی کا طریقہ ہی نرالا ہے اور ان کے عقائد جمہور علمائے امت اور بزرگانِ دین کے عقائد سے مختلف ہیں۔ آیتہ مبارکہ:

قل لا املک لنفسی نفعًا ولا ضرًّا الّا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسّنی السوء سے وہابیہ کے غلط استدلال کی تردید میں ضمناً اس آیتہ مبارکہ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ۔ الآیتہ۔ کی تشریح و وضاحت بھی ہو گئی مگر چونکہ وہابیہ اس آیتہ مبارکہ کے ظاہری الفاظ سے عوام مسلمانوں کو بڑے زور کے ساتھ مغالطہ دیا کرتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیتہ مبارکہ کا صحیح مطلب بھی بیان کر دیا جائے۔ ایک بار آپ پھر فاران توحید نمبر" میں ماہر صاحب کی وہ تشریح دیکھ لیں جو قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب۔ الآیتہ۔ کے تحت لکھی ہے: "تو کہہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں اللہ کے اور نہ میں غیب جانتا ہوں"۔ پھر لکھا ہے: "ذاتی اور عطائی کی جاہلانہ اور گمراہ کن تفریق کے بُت کو بھی پاش پاش کر دیا جب نبی کے پاس بھی اللہ کے دیئے ہوئے خزانے نہیں ہیں تو پھر اور کس کے پاس ہو سکتے ہیں"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ماہر صاحب کے نزدیک، اللہ تعالےٰ کے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو کچھ عطا فرمانے پر ایمان لانا اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ان ارشادات کو تسلیم کرنا کہ مجھے اللہ تعالےٰ نے یہ نعمتیں، فضیلتیں اور خصوصیات عطا فرمائی ہیں۔ ذاتی اور عطائی کی جاہلانہ اور گمراہ کن تفریق ہے۔ ماہر صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں نہ اللہ تعالےٰ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو کچھ عطا فرمایا اور نہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اللہ تعالےٰ سے کچھ لیا۔ ماہر صاحب کی طرح دوسرے وہابی بھی یہی مطلب لیتے ہیں۔

اس تشریح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے دیکھئے کہ آیا اس آیتہ کا واقعی یہی مطلب ہے۔ صاحبِ قرآن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ کیا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے متعلق یوں فرمایا کہ میں تو مجبور محض

ہوں۔ میں کسی کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ میں کسی چیز کا مالک نہیں یا مجھے اللہ تعالےٰ نے کچھ بھی عطا نہیں فرمایا۔ اس لئے مجھ سے شفاعت کی امید نہ رکھو۔ میرا وسیلہ اختیار نہ کرو، نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں، نہ غیب کی چیزوں کو دیکھتا ہوں، نہ غیب کی آوازوں کو سنتا ہوں۔ دیکھو دیکھو میرے متعلق ایسی باتوں کا عقیدہ ہرگز نہ رکھنا ورنہ تم مشرک ہو جاؤ گے اور کیا صحابہ کرام علیہم الرّضوان اور آئمہ دین اور محدّثین و مفسّرین اور علمائے حق نے بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو مجبور محض اور مطلقاً بے علم جانا جیسے کہ نجدی وہابیوں کا عقیدہ اور بیان ہے۔ ان تمام باتوں کا جواب آپ گذشتہ صفحات میں اچھی طرح دیکھ چکے ہیں کہ نہ تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے متعلق یوں فرمایا اور نہ صحابہ کرام علیہم الرّضوان اور علمائے اُمّت کا یہ عقیدہ ہے بلکہ آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے ارشادات اور عمل سے اُمّت کو توسّل کی تعلیم دی ہے۔ یا رسول اللہ کہہ کر آپ سے اپنی حاجت روائی کے لئے عرض کرنا، آپ سے شفاعت کا طلب گار ہونا، دین و دنیا کی حاجات آپ کے ذریعہ اور وسیلہ سے پوری ہونا، دُور سے آپ کو پکارنا، آپ سے مدد مانگنا، آپ کا پکار کو سُننا اور امداد فرمانا، روضۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر استغاثہ و فریاد کرنا، آپ کا فریادیوں کی فریاد کو سننا اور سوالیوں کے سوال کو پورا فرمانا یہ سب کچھ صحیح حدیثوں سے واضح ہو چکا ہے۔

کیا ان ارشاداتِ نبوی ؐ اور اعمال صحابہ ؓ اور محدّثین سے کسی طرح وہ عقیدۂ باطل ثابت ہوتا ہے جس کے اثبات کے لئے وہابیہ سرگرداں ہیں۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ مزید ملاحظہ فرمائیے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا: "اُتیت بمفاتیح خزائن الارض فوضعت فی یدی (بخاری جلد اوّل صفحہ ۴۱۸ اور مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۲)

"زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھ میں (قبضہ میں) دے دی گئیں"۔

نیز فرمایا الکرامۃ والمفاتیح یومئذ بیدی (مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۴) قیامت کے روز کسی کو بزرگی دینا (عزت دینا) بہشت اور رحمت کے دروازوں

کی کنجیاں میرے ہاتھ (قبضہ) میں ہیں"۔

نیز فرمایا" انما انا قاسم وخازن و اللہ یعطی (بخاری جلد اوّل صفحہ ۴۳۹) بیشک میں تقسیم کرنے والا اور خزانچی ہوں اور اللہ تعالےٰ عطا فرماتا ہے"۔

نیز فرمایا": مَا اُعْطِیْکُمْ وَلَا اَمْنَعُکُمْ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَیْثُ اُمِرْتُ (بخاری جلد اوّل صفحہ ۴۳۹) ای لا اعطی احدا ولا امنع الا بامر اللہ (حاشیہ) نہ میں ذاتی طور پر تمہیں کچھ عطا فرماتا ہوں اور نہ ذاتی طور پر تم سے کچھ روکتا ہوں۔ میں صرف تقسیم فرمانے والا ہوں۔ میں اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق کسی کو کچھ دیتا یا روکتا ہوں"۔

نیز فرمایا": انّی فرطکم وانا شہید علیکم وانّی واللہ لانظر الیٰ حوضی الآن وانّی قد اعطیتُ مفاتیح خزائن الارض (الحدیث) (بخاری جلد اول صفحہ ۵۰۸ اور مسلم جلد دوم صفحہ ۲۵۰) میں (آخرت میں) تمہارے لئے سازوسامان اور تمہاری بہتری اور آسائش کا انتظام کرنے والا ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں اور اللہ تعالےٰ کی قسم بیشک میں اب بھی حوضِ کوثر کو ملاحظہ فرمارہا ہوں اور بیشک مجھے روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی گئی ہیں"۔

نیز فرمایا": انّی اریٰ مالا ترون واسمع مالا تسمعون (بخاری جلد اوّل صفحہ ۵۰۸ اور ترمذی اور ابن ماجہ) جو کچھ تم نہیں دیکھتے میں دیکھ رہا ہوں اور جو تمہیں سنائی نہیں دیتا میں سُنتا ہوں"۔

نیز فرمایا": اِنّی وَاللہ لَاُبْصِرُ من وّرائی کما اُبْصِرُ من بین یدیّ (مسلم جلد اوّل صفحہ ۱۸۰) اللہ تعالےٰ کی قسم بیشک جس طرح میں اپنے سامنے دیکھتا ہوں اسی طرح اپنے پیچھے بھی دیکھتا ہوں"۔

قال وھبُ ابن مُنَبِّہٍ قرات فی اَحَدٍ وّ سبعین کتابًا فوَجَدْتُّ فی جمیعھا انّ النّبیّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارجح النّاس عقلا وافضلھم رایا وکان یریٰ فی الظلمۃ کما یریٰ فی الضّوع کما روت عائشۃ وکان یریٰ من بعیدہ کما یریٰ من قریب وکان یریٰ من خلفہٖ کما یریٰ من امامہٖ (نشر الطیب مطبوعہ تاج کمپنی صفحہ ۱۶۳) حضرت وہب ابن منبّہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اکہتّر (۷۱) کتابوں کو پڑھا ان سب میں یہ پایا کہ بیشک سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تمام لوگوں سے ارجح ہیں۔ از روئے عقل کے اور سب سے افضل ہیں از روئے رائے کے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جس طرح روشنی میں دیکھتے اسی طرح اندھیرے میں دیکھتے۔ جیساکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے روایت فرمایا اور جس طرح قریب کی چیزوں کو دیکھتے اسی طرح دُور کی چیزوں کو دیکھتے اور جس طرح اپنے سامنے دیکھتے اسی طرح اپنے پیچھے دیکھتے"۔

مگر افسوس کہ وہابیہ کو حدیث کی کسی کتاب میں ایسی کوئی روایت نظر نہیں آتی جس سے حضُور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی فضیلت ظاہر ہو۔

نیز حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا": انا قائد المرسلین ولا فخر وانا خاتم النّبیّین ولا فخر وانا اوّل شافع و مشّفع ولا فخر (مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۴) میں تمام رسولوں کا قائد (پیشوا) ہوں اور اس پر کوئی فخر نہیں اور میں خاتم النبیّین ہوں اور اس پر کوئی فخر نہیں اور میں سب سے پہلے شفاعت فرمانے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت مقبول ہے اور اس پر کوئی فخر نہیں"۔ یعنی میں یہ باتیں از روئے فخر نہیں کہتا بلکہ حقیقت کا اظہار مقصود ہے۔

نیز فرمایا": شفاعتی لِاَھل الکبائر من اُمّتی (الحدیث) میری شفاعت میری امّت کے بڑے گنہگاروں کے لئے ہے"۔

اب دیکھیئے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرمائیں کہ مجھے تمام زمین کے خزانے عطا فرما دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کے خزانے میرے قبضہ میں ہیں اور میں انہیں تقسیم فرماتا ہوں۔

نیز فرمایا": زُوِیَ لی الارض حتیٰ رائیت مشارقھا ومغاربھا واُعطیتُ الکنزین۔ (مسلم جلد دوم صفحہ ۳۹۰) سمیٹی گئی میرے لئے زمین حتیٰ کہ

میں نے اس کے تمام مشرقوں کو دیکھا اور تمام مغربوں کو۔ اور مجھے دو خزانے عطا کئے گئے ہیں۔ قال النووی قال العلماء المراد بالکنزین الذہب و الفضۃ (شارح مسلم) امام نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ علماء کا ارشاد ہے کہ کنزین سے مراد دونوں خزانے سونے اور چاندی کے ہیں (جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیئے ہیں)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ۔ ہم نے آپ کو بہت کثرت کے ساتھ عطا فرمایا۔ پھر کیا کچھ عطا فرمایا اور کس قدر عطا فرمایا یہ دینے والا جانتا ہے یا لینے والا۔ مگر وہابی صاحبان "میں نہ مانوں" کی رٹ لگائے جاتے ہیں۔ قرآن پاک میں حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا ارشاد ہے لا اقول لکم عندی خزائن اللہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں ولا اعلم الغیب اور نہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں ولا اقول لکم انی ملک اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس آیۃ مبارکہ میں ذاتی طور پر خزانوں کے مالک ہونے کی نفی ہے اور ذاتی علم غیب کی اور حضورؐ کا یہ ارشاد کفار کے لئے ہے کہ کفار حضورؐ سے کہتے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہم کو مال و دولت دیجئے پہاڑوں کو سونا بنا دیجئے۔ آئندہ چیزوں کے بھاؤ بتا دیا کیجئے تاکہ ہم پہلے سے ہی تجارتی کاروبار کا انتظام کر لیا کریں۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ میں نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے نہ کہ ان چیزوں کا دعویٰ لہٰذا نبوّت کی دلیل ان چیزوں سے جاننا غلط ہے۔ کفار یہ بھی کہتے کہ اگر آپ نبی ہیں تو نکاح کیوں کرتے ہیں۔ کھاتے پیتے کیوں ہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ کیونکہ نکاح نہ کرنا اور نہ کھانا پینا فرشتوں کے لئے ہے نہ کہ نبی کے لئے۔

نیز یہ بات کہ اس آیت میں دعویٰ کی نفی ہے خزانے موجود ہونے کی نفی نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اوتیت مفاتیح خزائن الارض اور رب نے فرمایا انّا اعطینک الکوثر اور پھر اسی طرح غیب جاننے کے دعویٰ

کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی۔ پس اللہ تعالیٰ کی عطاء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خزانوں کے بھی مالک ہیں اور علم غیب بھی آپ کو بعطاءِ الٰہی حاصل ہے جو کہ قرآن مجید کی دوسری آیات اور حدیث سے ثابت ہے۔

تفسیر خازن میں ہے: وانّما نفی عن نفسہ الشریفۃ ھٰذہ الاشیاء تواضُعًا للہ تعالیٰ واعترافًا للعُبودیۃ فلستُ اقول شیئًا من ذالک ولا ادّعیہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان چیزوں کی اپنی ذات کریمہ سے نفی فرمائی۔ رب کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی بندگی کا اقرار و اظہار کرتے ہوئے یعنی میں اس میں سے کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے ای لا ادّعی القدرۃ علیٰ کلّ المقدورات والعلم بکلّ المعلومات یعنی میں تمام مقدورات پر قدرت رکھنے اور تمام معلومات کے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر کبیر میں ہے ای ولا ادّعی کونی موصوفًا بعلم اللہ وبمجموع ھٰذین الکلامین حصل انّہ لا یدّعی الالٰہیۃ۔ یعنی میں علم الٰہی سے متصف ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔

تفسیر صاوی میں ہے ھٰذا مرتب علیٰ قولہ وما نرسل المرسلین الّا مبشّرین ومنذرین۔ کانّہ قال لیس علی الرسول الّا البشارۃ و النذارۃ ولیس من وظیفتہ اجابتھم عما سألوہ عنہ ولا فعل ما طلبوہ منہ لانّہ لیس عندہ خزائن اللہ۔ الخ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر مرتب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما نرسل المرسلین الّا مبشّرین ومنذرین۔ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفار کو جواب میں یوں فرمایا: میرے فرائض میں سے تو یہ ہے کہ تمہیں اسلام قبول کرنے پر بشارت دوں اور کفر و انکار کرنے پر

ڈراؤں۔ کفار کے تمام سوالوں کو پورا کرنا اور جو کچھ یہ کفّار آپ سے طلب کریں وہی کرنا آپ کے فرائض میں سے نہیں ہے (یعنی کفّار کے الٹے سیدھے مطالبات کو پورا کرنا اور جو کچھ وہ کہیں وہی کچھ کرنا رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لئے ضروری نہیں ہے) اس لئے کہ آپ کے پاس (یعنی آپ کی ذاتی قدرت میں) اللہ تعالےٰ کے خزانے نہیں ہیں۔"

بلکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اللہ تعالےٰ کی مشیّت کے خلاف نہیں کر سکتے بلکہ فرمایا ما اعطیکم ولا امنعکم انّما انا قاسم اَضَعُ حیث اُمِرتُ۔ یعنی نہ میں ذاتی طور پر تمہیں کچھ عطا فرماتا ہوں اور نہ ذاتی طور پر تم سے کچھ روکتا ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ اس آیۃ مبارکہ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ۔ میں کفّار سے خطاب ہے لکم یعنی اے کافرو! میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالےٰ کے خزانے ہیں۔ کیونکہ یہ اللہ کے رسول کی توہین ہے کہ لوگوں کے مطالبات پورے کر کے ان کو خزانے تقسیم کر کے اپنی رسالت کا اقرار کرا دیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو فرمایا قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں تاکہ تم ان خزانوں کے لالچ سے مجھ پر ایمان لے آؤ۔ جب اللہ تعالےٰ مومنوں کے ایمان لانے کا احسان اپنے محبوب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لئے گوارا نہیں فرماتا کہ فرمایا یمنون علیك ان اسلموا قل لا تمنّوا علیّ اسلامکم بل اللہ یمُنّ علیکم ان ھداکم للایمان تم پر یارسول اللہ! یہ لوگ اپنے مسلمان ہونے کا احسان جتلاتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے تم لوگ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ کرو بلکہ تم پر اللہ کا احسان ہے کہ اُس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی۔ چہ جائیکہ کفار کو خزانوں کا لالچ دے کر انہیں اسلام لانے پر راضی کیا جائے بلکہ اللہ تعالےٰ خود بھی غنی ہے یعنی بے نیاز ہے اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بے نیازی کا بھی اظہار فرمایا فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر پس جس کا جی چاہے ایمان

لائے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔

اور ملاحظہ ہو۔ تفسیر صاوی میں آیۃ مبارکہ لیس لك من الامر شیئٌ کے تحت فرمایا جعل اللہ مفاتیح خزائنہٖ بیدہٖ فمن زعم اَنّ النبیّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کَاَحَادِ النّاسِ لا یملك شیئاً اصلاً ولا نفعٌ بہٖ لا ظاھراً ولا باطناً فھُوَ کافرٌ خاسِرُ الدّنیا والآخرۃِ و استدلالہٗ بھٰذہٖ الآیۃ ضَلَالٌ مّبین۔

وہابیہ عموماً آیۃ مبارکہ لیس لك من الامر شیئٌ سے غلط استدلال کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ دیکھو جی جب اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) سے فرما دیا ہے کہ آپ کو کسی امر میں کچھ دخل نہیں تو ثابت ہوا کہ آپ کو نفع نقصان کا کچھ اختیار نہیں ہے۔ ایسے منکرین کے رد میں صاحب تفسیر صاوی علامہ شیخ احمد صاوی مالکی قدسنا اللہ باسرارہٖ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے خزانوں کی چابیاں سرکار دو عالم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہاتھ میں دے دیں (آپ کو تمام خزانوں کا مالک بنا دیا) پس جس شخص نے یہ گمان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم دوسرے لوگوں کی طرح کسی چیز کے بالکل مالک نہیں ہیں اور نہ آپ سے کچھ ظاہری یا باطنی نفع ہے تو وہ کافر ہے۔ دنیا اور آخرت میں خسارے والا ہے اور اس آیۃ سے یہ استدلال کرنا کہ آپ نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ یہ کھُلی گمراہی ہے۔"

الحمد للہ کہ ارشادِ الٰہی اور فرمانِ نبوی ؐ اور علمائے حق کی تفسیروں سے وہابیہ کے تمام خرافات کا رد ہو گیا۔ واضح رہے کہ منکرین وہابیہ کے سارے علم کلام اور ان کے مذہب کی بنیاد عموماً اِن دو باتوں پر ہے۔ ایک یہ کہ بتوں کے پجاریوں کی مذمت میں جو آیاتِ قرآن اور احادیث وارد ہیں ان کو انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ پر اور ان سے توسّل اور استمداد کرنے والے مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ اور دوسری یہ کہ جن آیات و احادیث میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے صفاتِ ذاتی کی نفی ہے۔ ان سے صفات عطائی کا بھی انکار کرتے ہیں۔ پھر چاہے

ان کے اس طرح کے استدلال سے دوسری آیات واحادیث کا انکار ہی کیوں نہ لازم آتا ہو جس طرح کہ آپ مضمون بالا میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔

پس جو صحیح العقیدہ مسلمان ان کے ان دونوں طریقوں سے بخوبی واقف ہو گیا وہ ان شاء اللہ العزیز ان کے جال میں ہرگز نہ پھنسے گا۔

لیجئے اب آپ آئمہ دین، مفسرین، محدثین اور علمائے حق کے ارشادات و عقائد سے اپنے ایمان تازہ کریں اور دیکھیں کہ بزرگانِ دین اور وہابیہ کے عقائد میں کس قدر تضاد واقع ہے وہابیہ کے اصول سے تو تمام مسلمانانِ اُمت (معاذ اللہ) مشرک ٹھہرتے ہیں۔

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مخلوق کے ظاہر و باطن میں تصرف کرنے کی قدرت حاصل ہے!

ملاحظہ ہو تفسیر کبیر پارہ ۷ سورۃ الانعام۔ زیر آیۃ وَلَوْ اَشْرَکُوْا لَحَبِطَ عَنْھُمْ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ مرقوم ہے وثالثھا الانبیاء وھم الذین اعطاھم اللہ تعالیٰ من العلوم والمعارف مالاجلہ یقدرون علی التصرف فی بواطن الخلق وارواحھم" وایضاً اعطاھم اللہ من القدرۃ والمکنۃ مالاجلہ یقدرون علی التصرف فی ظواھر الخلق"

ترجمہ:۔ اور تیسرے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کی شان کے لائق علوم و معارف عطا فرمائے ہیں خلق کے باطنوں اور ان کی روحوں میں تصرف کی طاقت رکھتے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے انہیں ان کی شان کے لائق قدرت اور قوت عطا فرمائی ہے مخلوق کے ظواھر میں تصرف

کی طاقت رکھتے ہیں"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مختارِ کُل ہیں اور علومِ خمسہ آپ کو حاصل ہیں

حضرت امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں "ھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خزانۃ السر وموضع نفوذ الامر فلا ینفذ امر الا منہ ولا ینقل خیر الا عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

الا بابی من کان ملکا وسیدا
وآدم بین الماء والطین واقف
اذا رام امرا لا یکون خلافہ
ولیس لذالک الامر فی الکون صارف

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم خزانہ رازِ الٰہی و جائے نفاذ امر ہیں۔ کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے اور کوئی نعمت کسی کو نہیں ملتی۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سرکار سے اے مخاطب خبردار ہو میرے ماں باپ ان پر قربان جو بادشاہ اور سردار ہیں۔ اس وقت سے کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی آب و گل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس بات کا ارادہ فرمائیں تو اس کے خلاف نہیں ہوتا۔ تمام جہان میں کوئی ان کے حکم کو پھیرنے والا نہیں"۔

اعلحضرت فاضل بریلوی نے کیا خوب فرمایا ہے

بہ خدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر!
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ مسند میں طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما روایت فرماتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اُوتیتُ مفاتیح کلّ شیءٍ الّا الخمس سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ چیزوں کے سوا ہر چیز کی کنجیاں عطا فرما دی گئی ہیں۔ اس کی شرح میں علامہ امام جلال الدین سیوطی خصائص کبریٰ میں اور امام ابن حجر مکّی محدّث فتح المبین اور جامع صغیر میں فرماتے ہیں ثُمَّ اُعْلِمَ بِہا بعد ذالک پھر اس کے بعد ان پانچ چیزوں (علوم خمسہ) کا علم بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو عطا فرما دیا گیا"۔

حضرت ابو یعلیٰ اور امام احمد نے یہی مضمون حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ سے روایت فرمایا ہے (الامن والعلی) ؎

خالقِ کل نے آپ کو مالکِ کل بنا دیا
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

جو شخص حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اپنا مالک نہ

جانے وہ حلاوتِ ایمان سے محروم ہے

امام اجل عارف باللہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اور امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ شفاء شریف میں اور امام احمد قسطلانی مواہب اور علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض میں اور علامہ محمد بن باقی زرقانی شرح مواہب میں اور حضرتِ ملا علی قاری شرح شفاء میں فرماتے ہیں (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)۔

من لّم یرو لایۃ رسولِ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم علیہ فی جمیع احوالہٖ ولم یرَ نفسہٗ فی ملکہٖ لایذوق حلاوۃ سنّتہٖ "جو شخص ہر حال میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو اپنا والی اور اپنے آپ کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی مِلک نہ جانے وہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سُنت (طریقہ اور دین) کی حلاوت سے اصلاً محروم رہے گا (نسیم الریاض صفحہ ۳۴۶)

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سوائے کوئی حاکم نہیں

نَبِیُّنَا الامر النّاہِی فَلَا اَحَدٌ
اَبَرَّ فِی قَوْلِ لَا مِنْہُ وَلا نَعَمٖ

قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔ ہمارے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام صاحب امر و نہی ہیں دوسرا کوئی نہیں جو آپ کے مقابلہ میں ہاں اور نہیں کہنے میں سچا ہو"۔ یعنی حضور کے فرمان "ہاں" کو "نہ" اور "نہ" کو "ہاں" کہنے کا کسی کو حق اور اختیار نہیں بلکہ آپ کا حکم اٹل ہے۔ اس کی تشریح میں علامہ شہاب الدّین خفاجی علیہ الرحمتہ نسیم الرّیاض میں فرماتے ہیں۔ اَنّہٗ لَاحَاکِمَ سِوَاہُ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم فَہُوَ حَاکِمٌ غیر محکوم "حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سوائے کوئی حاکم نہیں پس آپ ایسے حاکم ہیں کہ (اللہ تعالیٰ کے بغیر) کسی کے محکوم نہیں ہیں۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی نظر سے کائنات

کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ رفع لی الدّنیا فانا

انظر الیها و الی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامة کانما انظر الی کفی ھذہٖ (طبرانی اور مواہب اللدنیہ اور نسیم الریاض مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ۲۰۸)

امام زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں: ”ای اظہر وکشف لی الدنیا“۔ بیشک اللہ تعالےٰ نے میرے سامنے دنیا کی ہر چیز ظاہر فرما دی اور ہر بات کھول دی ہے۔ پس میں دنیا کی تمام چیزوں کو اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں واقعات و حالات ہونے والے ہیں۔ سب کو اس طرح واضح طور پہ دیکھ رہا ہوں جس طرح میں اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں“۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام حاضر و ناظر اور مفیض و مربّی ہیں!

شیخ محقق شیخ عبدالحق محدّث دہلوی قدسنا اللہ باسرارہٖ ”اقرب السبل الی سیّد الرسل“ میں فرماتے ہیں: ”وباچندیں اختلاف وکثرت مذاہب کہ در علمائے امّت ہست یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ حقیقت حیات بے شائبہ مجاز و توہّم و تاویل دائم باقی است و بر اعمال امّت حاضر و ناظر و مرطالبان حقیقت را و متوجہان آنحضرتؐ را مفیض و مربّی است“
(مکتوبات حضرت شیخ برحاشیہ اخبار الاخیار ”مجتبائی“، صفحہ ۱۵۵)

ترجمہ:- باوجود اس قدر اختلافات اور کثرت مذاہب کے جو علمائے امّت کے درمیان ہے اس مسئلہ میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم بغیر کسی شائبہ و مجاز اور توہّم اور تاویل کے بحقیقت حیات اور دائم و باقی ہیں اور آپ اپنی امّت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور جو (خوش نصیب) آپ کی جانب

متوجّہ ہوں اور طالبان حقیقت ہوں ان کو فیض پہنچاتے اور ان کی تربیت فرماتے ہیں“۔
معلوم ہوا کہ وہابیہ جو اس حقیقت کے منکر اور اس عقیدہ کو شرک کہتے ہیں، یہ لوگ جاہل اور بے خبر ہیں اور ان کا شمار علمائے امّت میں ہرگز نہیں ہوسکتا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوق کے لئے وسیلہ ہیں

علامہ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں فرماتے ہیں کہ ایک دن مسجد نبوی (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) میں خلیفہ ابوجعفر اور حضرت امام مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے درمیان کسی بات پر بحث چھڑ گئی اثنائے گفتگو میں خلیفہ کی آواز کچھ بلند ہوگئی۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا: اے امیر المومنین! حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی مسجد میں کیوں آواز بلند کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ادب سکھاتے ہوئے فرمایا: ”لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبیّ“ الآیۃ۔ اور ان کی مدح فرمائی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے مؤدب ہیں کہ فرمایا: ”انّ الّذین یغضّون اصواتھم عند رسول اللہ اولٰئک الّذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوٰی۔“ الآیۃ۔ اور تو اس بات کو جان لے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی حرمت ویسی ہی ہے جیسی کہ آپ کی حیات ظاہری میں تھی۔ خلیفہ کو یہ سُن کر ایک رقت پیدا ہوئی اور اس پر خشوع وخضوع کی حالت طاری ہوگئی اور کہنے لگا: یا اباعبداللہ! دعا کے وقت قبلہ کی طرف متوجّہ ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی طرف۔ حضرت امامؒ

نے فرمایا کیوں : حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے منہ پھیرے گا۔ حالانکہ آپ تیرا بھی وسیلہ ہیں اور تیرے باپ آدم علیہ السّلام کا بھی، خدا تعالےٰ کی بارگاہ میں، پس تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف متوجہ ہو کر آپ سے طلبِ شفاعت کر تاکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تیری شفاعت فرمائیں"۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جہان میں چلتے پھرتے

اعمالِ اُمّت دیکھتے اور مشکلات حل فرماتے ہیں

حضرت امام جلال الدّین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ "انتباہ الاذکیار" میں فرماتے ہیں :۔

"النظر فی اعمال امّتہٖ والاستغفار لھم من السّیئاتِ والدعاء بکشف البلاء عنھم والتردّدُ فی اقطار الارض لحلول البرکۃ فیھا وحضور جنازۃ من مات من صالحی امّتہٖ فانّ ھٰذہ الامور من جملۃ اشغالہٖ فی البرزخ کما وردت بذالک الاحادیث والآثار"

"سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا اپنی اُمّت کے اعمال کو ملاحظہ فرمانا۔ ان کے لئے گناہوں کی مغفرت طلب کرنا اور ان سے بلاؤں، مصیبتوں کے دفعیہ کے لئے دعاء کرنا اور اطراف زمین میں نزول برکت کے لئے چلنا پھرنا اور امّت کے صالحین (اولیاء اللہ) کے جنازوں پر تشریف لانا۔ یہ امور آپ کے اشغالِ برزخیہ میں سے ہیں جیسے کہ اس سلسلہ میں احادیث و آثار وارد ہیں"۔

واضح رہے کہ وہابیہ کے مذہب میں یہ تمام باتیں شرک میں داخل ہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں ہدایت بخشے۔

آمین !

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام حاضر و ناظر ہیں

حضرت علامہ ابن حاج علیہ الرحمتہ مدخل میں اور شارح بخاری علامہ قسطلانی علیہ الرحمتہ مواہب میں فرماتے ہیں :۔

لافرق بین موتہٖ وحیٰوتہٖ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم فی مشاھدتہٖ لامّتہٖ ومعرفتہٖ باحوالھم ونیّاتھم وعزائمھم وخواطرھم وذالک عندی جلیّ" لاخفاء بہٖ۔

ترجمہ :۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام برابر اپنی امّت کا مشاہدہ فرماتے اور جملہ امّت کے حالات ان کی نیّتوں ان کے ارادوں، ان کے دلوں کے خطروں کو بخوبی جانتے پہچانتے ہیں اور یہ بات میرے نزدیک بالکل ظاہر اور ثابت ہے اس میں کوئی شک وشبہ یا پوشیدگی نہیں"۔

انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور شہدا کی حیات

دُنیاوی زندگی کی طرح ہے!

حضرت علامہ تقی الدین سبکی علیہ الرحمتہ الانتباہ الاذکیاء لحیٰوۃ الانبیاء' للسیوطی میں فرماتے ہیں "حیٰوۃ الانبیآء والشھداء فی القبر کحیٰوتھم فی الدنیا ویشھد لہٗ صلوٰۃ موسیٰ علیہ السّلام فی قبرہٖ فانّ الصّلوٰۃ تستدعی جسداً"۔

ترجمہ :۔ انبیاء اور شہداء کی زندگی قبر میں اسی طرح ہے جس طرح وہ دنیا میں زندہ تھے اور اس بات پر حدیث شاہد ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ پس نماز پڑھنا اس امر کا مقتضی ہے کہ نماز پڑھنے والا ۔ جسم اور رُوح کے تعلق کے ساتھ حیات ہو۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہ حیاتِ ظاہری حیات

اور کائنات میں متصرف ہیں

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کتاب "التنویر" میں فرماتے ہیں :۔

"انّ النبیّ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم حیّ بجسدہٖ و روحہٖ و انہٗ یتصرّف و یسیر فی اقطار الارض وفی الملکوت وھیئۃ الّتی کان قبل وفاتہٖ ولم یُبدّل منہ شیئٌ واُذن لھم ای الانبیآء فی الخروج من قبورھم والتصرّفِ فی الملکوت العلویّ والسفلیّ وانّ حیات النبیّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم فی قبرہٖ وحیات سائر الانبیآء معلومۃٌ عندنا علمًا قطعیًا لما قام عندنا مِن الأدلّۃِ القطعیّۃ فی ذالک وتواترت بہ الاخبار منھا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم الانبیآء احیاءٌ فی قبورھم یُصلّون ومنھا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم حرم اللہ علی الارض ان تاکل اجساد الانبیآء ۔

ترجمہ :۔ بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جسم اور روح کے تعلق کے ساتھ حیات ہیں اور جس طرح کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وفات سے پہلے اطراف زمین اور ملکوت میں چلنے پھرنے کی قدرت حاصل تھی، اُسی طرح اب بھی زمین میں چلتے پھرتے اور اطراف زمین اور عالمِ ملکوت میں تصرّف فرماتے ہیں ۔ ان امور میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ہے ۔ اللہ تعالےٰ نے انبیآء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اجازت دے رکھی ہے کہ قبروں سے نکل کر سیر فرمائیں اور ملکوت علوی اور سفلی میں تصرف فرمائیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے روضۂ اطہر و اقدس میں حیات ہیں ۔ اسی طرح سارے انبیا علیہم السلام حیات ہیں ۔ یہ بات ہمارے نزدیک علم قطعی سے ثابت ہے اس لئے کہ اس کے ثبوت میں قطعی دلائل اور حُجتیں موجود ہیں اور متواتر حدیثیں وارد ہیں ۔ ان میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں ۔ قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ اجسادِ انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو کھائے۔"

اب ان ارشادات کے مقابلے میں وہابیہ کا عقیدہ دیکھئے امام الوہابیہ مشکوٰۃ شریف کی روایت تقویۃ الایمان صفحہ ۸۶ میں نقل کر کے اس سے غلط مفہوم نکالتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بہتان لگاتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں"۔ یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب منسوب کرنا کہ آپ نے یوں فرمایا یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی تاویل فاسدہ نکال کر یہ کہنا کہ آپ کے ارشادات کا یہ مطلب ہے"۔ یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں"۔ انتہائی شقاوت نہیں تو اور کیا ہے؟ وہابیہ سے پوچھئے کہ یہ حدیث کہاں ہے، کونسی کتاب میں ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ الفاظ ثابت ہوں تو ہرگز نہیں دکھا سکیں گے۔ پس اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ الفاظ نہیں فرمائے تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ

حضور علیہ السّلام کے کلامِ مبارک سے ایسا فاسد مفہوم نکالے جس سے آپ کی توہین ہوتی اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ارشادات کی تردید ہوتی ہو۔ پس امام الوہابیہ کے اس طرح لکھنے اور وہابیہ کے تسلیم کر لینے سے یہ بات صاف طور سے ظاہر ہو جاتی ہے کہ ان کے دلوں میں شفیع المذنبین رحمتہ للعالمین اللہ تعالےٰ کے محبوب محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی کتنی محبّت اور کتنی تعظیم ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہابیہ کے عقائد باطل، فاسد اور مردود ہیں۔ ان کے عقیدہ کی رُو سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام "مر کر مٹی میں مِل چکے ہیں"۔

نعوذ باللہ من ھفوات الوھابیہ

انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام حیات ہیں متصرّف ہیں اہل اللہ

سے ملاقات کرتے ہیں اُن کے وسیلہ سے بلائیں رد ہوتی ہیں

علامہ ابن حجر محدّث علیہ الرحمتہ فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں:-

نقل الیافعیّ وغیرہ عن الشیخ الکبیر ابی عبد اللہ القرشیّ انہٗ وقع بمصر غلاءٌ کبیر فتوجّہ للدعاء برفعہٖ فقیل لا تدع فلا یُسمعُ لِاَحَدٍ منکم فی ھٰذا الامر دعاءٌ فسافرتُ الی الشّام فلمّا وَصَلتُ الیٰ قریب من ضریح الخلیل علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام تلقّانی فقلتُ یا رسولُ اللہ اجعل ضیافتی عندک الدعاء لاھل مصر فدعا لھم ففرج اللہ عنھم ثمّ رأیت ابن العربیّ صرّح بما ذکرناہٗ من انہ لا یمتنع رُؤیۃ النّبیّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم بروحہٖ وجسدہٖ لانّہٗ وسائر الانبیاء احیاءٌ رُدّت الیھم ارواحھم بعد ما قُبِضُوا واُذِنَ لھم فی خروج من قبورھم والتصرّفِ فی الملکوت العلویّ والسفلیّ ولا مانع مِن اَنْ یّراہُ کثیرون فی وقت واحد۔

ترجمہ:- امام یافعی وغیرہ (رحمہم اللہ) نے شیخ کبیر ابی عبداللہ قرشی سے نقل کیا۔ مصر میں بڑی گرانی واقع ہوئی تو حضرت شیخ دعا کے لئے متوجّہ ہوئے۔ اس پر آپ سے کہا گیا کہ تم دعا نہ کرو اس باب میں تم سے کسی کی دعا سُنی نہ جائے گی۔ شیخ فرماتے ہیں پھر میں نے شام کی طرف سفر کیا۔ جب میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کے روضۂ اقدس کے قریب پہنچا تو آپ نے مجھ سے ملاقات فرمائی۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ میری میزبانی وضیافت میں اہلِ مصر کے لئے دعا فرمائیں۔ حضرت خلیل علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دعا فرمائی۔ اللہ تعالےٰ نے وہ گرانی دور فرما دی۔ پھر میں نے شیخ اکبر ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا کہ آپ نے اس کی تصریح فرمائی جو ہم نے ذکر کیا کہ نبی اکرم علیہ التحیتہ والثناء کی ذاتِ اقدس کو روح اور جسم مبارک کے ساتھ دیکھنا ممتنع نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور ہمارے سارے انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام حیات ہیں۔ ان کی روحیں قبض کرنے کے بعد ان کی طرف لوٹا دی گئی ہیں اور انہیں اپنی قبروں سے نکلنے اور ملکوت علوی وسفلی میں تصرّف کرنے کا اذن دے دیا گیا ہے اور اس سے کوئی امر مانع نہیں کہ ان کو بہت سے لوگ بہ یک وقت دیکھیں"۔

یقیناً انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کا حیات ہونا

ثابت اور بالاستمرار معلوم ہے

حضرت علامہ قاضی عیاض مالکی رحمتہ اللہ علیہ شفاء شریف میں فرماتے ہیں۔

لاشکّ ان الحیوٰۃ الانبیاء ثابتۃ مستمرّۃ معلومۃ ونبیّنا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم افضلھم۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء علیہم السّلام

کا حیات ہونا ثابت ہے اور بالاستمرار معلوم ہے اور پھر ہمارے نبیؐ تو جملہ انبیاء سے افضل ہیں علیہم الصّلوٰۃ والسّلام"۔

موت عدم محض کا نام نہیں انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام

اور شہدا حیات ہیں

حضرت امام قرطبی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں :-

الموت لیس بعدم محض وانما انتقال من حال الی حال ویدل علی ذالک ان الشهداء بعد قتلهم وموتهم احیاء عند ربهم یرزقون وهذا صفة الانبیاء فی الدنیا واذا کان هذا فی الشهداء فالانبیاء احق واولی بذالک ونصوص العلماء فی حیوة الانبیاء کثیرة (قرطبی)

ترجمہ :- موت عدم محض کا نام نہیں۔ موت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا ہے اور دلیل یہ ہے کہ شہداء قتل ہو جانے اور موت واقع ہو جانے کے بعد بے شک و شبہ حیات ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں اور یہی صفت دنیاوی زندگی کی ہے پس جب شہداء کا زندہ ہونا ثابت ہے تو انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام جو کہ شہداء سے افضل ہیں شہداء کی زندگی سے زیادہ مکمل زندگی کے مستحق ہیں۔ اور انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے حیات ہونے کے بارے میں نصوص علماء بکثرت ہیں"۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بلا انتقالِ مکانی

جہاں چاہیں تشریف لیجاتے ہیں

شیخ المحققین عبدالحق محدّث دہلوی قدسنا اللہ باسرارھم فرماتے ہیں"۔ قبر شریف کے قیام اور پروردگار کے پاس قیام ان دونوں باتوں میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ قبری زندگی کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ خدا تعالیٰ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اتنی قدرت عطا فرمائی ہے کہ آپ جہاں چاہیں جائیں بعینہٖ یا بمثالہٖ۔ لیکن ہر حال میں اپنی قبر شریف کے ساتھ ایک خصوصی نسبت قائم رہتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب ایک مومن کی قبر کے متعلق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ہے کہ مومن کی قبر جنت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے تو پھر اس لحاظ سے نبی کی قبر تو جنّت کا بہترین ٹکڑا ہونا چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے آپ کی قبر مبارک اور زمین و آسمان اور جنّت وعرش کے درمیان سے تمام پردے اٹھا دیئے ہیں اور آپ کو اتنا تصرّف و نفوذ حاصل ہو گیا ہے کہ آپ بلا انتقالِ مکانی جہاں چاہیں جلوہ گر ہوں"۔

آئمہ دین و علمائے حق، مفسّرین و محدّثین کی مندرجہ بالا عبارتیں اسقدر واضح ہیں کہ ان عبارتوں کی تشریح مزید کرنا تحصیل حاصل ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام علمائے حق، بزرگان دین کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام حیات ہیں۔ حاضر و ناظر ہیں، تمام اُمّت کے احوال سے باخبر ہیں۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ آپ کے پیشِ نظر ہے۔ ملکوتِ علوی اور سفلی میں تصرّف فرماتے ہیں۔ فریادیوں کی فریادیں اور سائلین کے سوال سنتے اور قبول فرماتے ہیں۔ خوش نصیبوں سے

ملاقات فرماتے اور ہمکلام ہوتے ہیں۔ مخلوق کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے بارگاہِ الٰہی میں شفاعت فرماتے ہیں۔ دین و دنیا کی تمام نعمتیں تقسیم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالٰی کے خزانوں کے بعطائے الٰہی مالک ہیں اور عالم ماکان و مایکون ہیں۔

والحمدُ للہ علیٰ ذالک

مگر وہابیہ ان باتوں کو شرک قرار دیتے ہیں تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا تمام علمائے دین توحید و شرک کے مفہوم کو نہ سمجھ سکے اور جن آیات و روایات کے سہارے وہابیہ ان عقائد کو شرک ٹھہراتے ہیں یہ بلند پایہ محدّثین و مفسّرین جن کی مبارک کوششوں سے اسلام جہان میں مستحکم ہوا، ان آیات و روایات کو سمجھنے سے قاصر رہے؟ دیکھئے امام الوہابیہ کس بے خوفی کے ساتھ بڑے دھڑلّے سے یہ فتویٰ صادر کرتا ہے۔

"اور قدرت تصرّف کی ثابت کرنی سو ان باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے۔ گو کہ پھر اللہ سے چھوٹا ہی سمجھے اور اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ اور اس بات میں اولیاء اور انبیاء علیہم السّلام میں اور جنّ و شیطان میں اور بھوت و پری میں کچھ فرق نہیں۔" (تقویۃ الایمان صفحہ ۱۹) اور صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے: "پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے، خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی طاقت بخشی ہے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔"

اب ناظرین بتائیں کہ امام الوہابیہ کے فتویٰ کی رو سے صحابہ کرام علیہم الرّضوان اور تمام علمائے حق جن کے ارشادات آپ نے مطالعہ فرمائے ان میں سے کون ہے جو مشرک نہ ٹھہرتا ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ وہابیہ ہی صِراطِ مُستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں جو کہ حسب فرمانِ الٰہی ومن یّشاقق الرّسول من بعد ماتبیّن لہ الھدیٰ ویتّبع غیر سبیل المؤمنین نولّہ ماتولّیٰ ونصلہ جھنّم وساءت مصیرا (پارہ ۵ رکوع ۱۴) اور جو رسول ؐ کی

مخالفت کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راستہ چلے ہم اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیں گے اور اس کو دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بُری جگہ پلٹنے کی ہے"۔ مسلمانوں کی راہ سے جدا ہو کر جہنم کے مستحق بن چکے ہیں۔ نیز اور دیکھیئے:

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اعجاز بصارت و رویتہ اور علم غیب کے متعلق حضرت حسّان رضی اللہ تعالٰی عنہ کا عقیدہ

ہدایت کے ستارے حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نعت پاک حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حضور میں عرض کی ہے

نبیٌّ یریٰ مالا یریٰ الناس حولہٗ — ویتلو کتاب اللہ فی کل مشھدٖ
فان قال فی یوم مقالۃ غائبٍ — فتصدیقھا فی ضحوۃ الیوم او غدٖ

نبی ایسے کہ دیکھیں وہ نہ دیکھیں، دوسرے جس کو
پڑھیں حق کی کتاب پاک ہر مشہد میں اے مومن!
جو فرمائیں کسی دن بات کوئی غیب کی حضرت
تو تصدیق اس کی ہو جائے اسی دن یا کہ اگلے دن

دیکھئے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پیارے صحابی نے آپ کی رؤیتہ و بصارت اور علم غیب کے متعلق اعجازی شان کا بیان آپ کے حضور میں کیا اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے انہیں منع نہ فرمایا بلکہ خوشنودی کا اظہار فرما کر تصدیق فرما دی۔ حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ارشاد فرماتے کہ مسجد نبوی میں حسّان (رضی اللہ عنہ) کے لئے منبر بچھایا جائے اور حضرت حسّان منبر پر رونق افروز

ہوتے ۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت بیان فرماتے اور حضورؐ خوش ہوتے اور دعاء فرماتے ”اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۔ اے اللہ! حسّان کی روح القدس سے تائید فرما۔“ مگر وائے افسوس کہ وہابیہ خانہ ساز توحید کے زعمِ باطل میں ان عقائد کو شرک بتاتے ہیں ۔گویا یہ نجدی وہابی صحابہ کرام علیہم الرّضوان اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے بھی زیادہ توحید کے محافظ ہیں — لاحول ولاقوّۃ الّا باللہ العلیّ العظیم۔

بارگاہِ رسالت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میں حضرت زہیر بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فریاد و استغاثہ

اُمْنُنْ علینا یارسول اللہ فی کرم

فَاِنَّکَ المَرْءُ نرجوہُ وننّدخرْ

اُمْنُنْ علیٰ بَیْضَۃٍ قد عاقھا قَدَرٌ

مُشَتَّتٌ شَمْلُھا فی دَھْرِھا عِیَرٌ

یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہم پر احسان فرمائیے اپنے کرم سے کہ حضورؐ ہی وہ مردِ کامل وجامع فواضل و محاسن شمائل ہیں ۔جس سے ہم امید کریں اور جسے وقتِ مصیبت کے لئے ذخیرہ بنائیں ۔احسان فرمائیے اس خاندان پر کہ تقدیر جس کی آڑے آئے اس کی جماعت تتّر بتّر ہوگئی۔

اِنْ لّم تُدارِکْھُمْ نُعَمارُ تَنْشُرُھا

یَا اَرْجَحَ النَّاسَ حُلْمًا حِیْنَ یُخْتَبَرْ

اگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی نعمتیں جنہیں حضورؐ نے عام فرمادیا ہے،

ان کی مدد کو نہ پہنچیں تو ان کا کہیں ٹھکانہ نہیں ۔اے آزمائش کے وقت تمام جہاں سے زیادہ عقل رکھنے والے“۔ (الامن والعلیٰ صفحہ ۶۵)

سیّدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہِ رسالت

علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میں ندا و فریاد

”یا رحمۃ للعالمین ادراك لزین العابدین

محبوس ایدی الظالمین فی موکب والمزدھم

اے رحمۃ للعالمین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! زین العابدین کی فریاد کو سُن کر مدد کے لئے پہنچیے جو ظالموں کے اژدحام میں قید ہے“۔

یارسولُ اللہ المدد

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے ”قنسرین“ سے کعبؓ بن ضمرہ کو ایک ہزار سوار دے کر فتح حلب کے لئے روانہ کیا اور فرمایا ”میں بھی تمہارے پیچھے چلا آرہا ہوں“۔

ادھر ”یوقنّا“، حاکم حلب کو جاسوسوں سے خبر ملی کہ عرب ایک ہزار کے لشکر سے حلب فتح کرنے آرہے ہیں اور شہر سے چھ میل دور رہ گئے ہیں“۔یوقنّا نے اپنے آدھے لشکر کو ساتھ لیا اور آدھا لشکر پیچھے مقرر کیا اور مقابلے کے لئے آیا۔

حضرت کعبؓ نے فرمایا ”میرے اندازے کے مطابق دشمن کا لشکر پانچ ہزار

ہے جس سے ہمارا مقابلہ ہے"۔ لڑائی شروع ہوئی تو دشمن کے پاؤں اکھڑنے لگے اور مسلمانوں کو فتح کا یقین ہو گیا مگر اسی وقت یوقنّا کا باقی نصف لشکر بھی آپڑا۔ جس سے کچھ مسلمان گھبرا گئے۔ حضرت کعبؓ نے یہ صورت حال دیکھ کر پکارنا شروع کیا "یَا مُحَمَّدُ یَا مُحَمَّدُ یَا نَصْرَ اللّٰہِ اِنْزِلْ مَعَاشِرَ الْمُسْلِمِیْنَ اُثْبُتُوْا اِنَّمَا ھِیَ سَاعَۃٌ وَّیَاْتِی النَّصْرُ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ۔
اور مسلمان فتح یاب ہو گئے۔ (فتوح الشام مطبوعہ مصر جلد اوّل صفحہ ۱۵۱)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں استغاثہ اور فریاد کرتے ہیں

یَا سَیِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُکَ قَاصِدًا
اَرْجُوْ رِضَاکَ وَ اَحْتَمِیْ بِحِمَاکَ
یَا اَکْرَمَ الثَّقَلَیْنِ یَا کَنْزَ الْوَرٰی
جُدْلِیْ بِجُوْدِکَ وَ اَرْضِنِیْ بِرِضَاکَ
اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْکَ وَلَمْ یَکُنْ
لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْاَنَامِ سِوَاکَ

(قصیدۃ النعمان)

اے سرداروں کے سردار! میں آپ کی بارگاہ میں قصد کر کے حاضر ہوا ہوں۔ میں آپ کی رضامندی کی امید رکھتا ہوں اور آپ کی حمایت پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ اے موجودات میں سب سے زیادہ عزت و شان والے، اور اے نعمتِ الٰہی کے خزانے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے اس

میں سے مجھے بھی کچھ عطا فرمائیے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو راضی فرمایا ہے۔ مجھے آپ راضی فرمائیں۔ میں آپ کے بحرِ سخاوت سے بھیک ملنے کی طمع رکھتا ہوں اور آپ کے سوائے مخلوق میں سے ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امداد و حمایت کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔" حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں یا حرفِ نداء سے خطاب کرتے ہوئے استغاثہ کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ امام اعظمؒ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حیات جانتے اور حاضر و ناظر مانتے ہیں کہ لفظ "یا" حاضر کے لئے ہی مستعمل ہے نہ کہ غائب کے لئے نیز حضرت امام الائمہ نے براہ راست حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے توسّل اور استمداد کر کے ان گستاخ وہابیہ کی مکمل تردید کر دی جو اپنے حنفی ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "یا" حرف نداء سے پکارنے اور آپ سے مدد چاہنے کو شرک بھی کہتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر و ناظر نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے نام نہاد حنفیوں کے مکر سے بچائے (آمین)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاضر و ناظر ہونے کے ثبوت میں گذشتہ صفحات میں بہت کچھ مذکور ہو چکا ہے تاہم:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق

شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی کا عقیدہ و ارشاد

بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدّث دہلوی قدس سرہٗ۔ تفسیر فتح العزیز میں آیۃ مبارکہ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا کے

تحت فرماتے ہیں :۔

" و باشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بہ نورِ نبوت بر رتبۂ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او مے شناسد گناہاں شمارا و درجات ایمانی شمارا و اعمال نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا لہذا شہادت او در دنیا بحکم شرع در حق امّت مقبول و واجب العمل است "۔

ترجمہ :۔ اور تمہارا رسول (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) تم پر گواہ ہوگا۔ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام مطلع ہیں اپنے نور نبوّت سے ہر دین دار کے رتبۂ دین پر کہ وہ آپ کے دین میں کس درجہ پر پہنچا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور جس حجاب کی وجہ سے وہ ترقی سے رہ گیا، وہ حجاب کون سا ہے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام پہچانتے ہیں تمہارے گناہوں کو اور تمہارے ایمان کے درجوں کو اور تمہارے اچھے اور بُرے اعمال کو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام تمہارے اخلاص کو بھی جانتے ہیں اور تمہارے نفاق کو بھی پہچانتے ہیں لہذا آپ کی گواہی دنیا میں شرع کے حکم سے اُمّت کے حق میں مقبول اور واجب العمل ہے "۔

حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو پکارنا اور آپ سے مدد چاہنا

یارسول اللہ اسمع قالنا

یاحبیب اللہ انظر حالنا

اننی فی بحر ھمّ مغرق

خذ یدی سھّل لنا اشکالنا

ترجمہ :۔ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) ہماری فریاد کو سُنیئے یا حبیب اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) ہمارے حال پر رحم فرمائیے ۔ تحقیق میں بحرِ غم میں غرق ہوں ۔ آپ میری دستگیری فرمائیں اور ہماری مشکلات کو حل فرمائیں "۔

حضرت امام بوصیری قدس سرّہٗ بارگاہِ رسالت میں فریاد و استغاثہ کرتے ہیں

ماسامنی الدّھر ضیمًا واستجرت بہ

الّا ونلت جوارًا منہ لم یُضم

ولا التمست غنی الدّارین من یدہٖ

الّا استلمت النّدی من خیر مُستلِم

"جب بھی میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے طلب امان وحمایت کی تو آپ نے مجھے اپنی پناہ وامان میں لے لیا اور میں زمانہ کے ظلم وستم سے محفوظ ہو گیا اور میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے وسیلہ سے مرضِ فالج سے شفا پائی اور میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے دنیا و آخرت کی تونگری کا سوال کیا تو آپ نے مجھے دنیا و آخرت کی تونگری عطا فرمائی اور میں نے اس عطاء کو بوسہ دیا جو منجانب بہترین اس ہاتھ کے تھا جس کو بوسہ دیا جاتا ہے یعنی میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی عطاء و بخشش کو نہایت تعظیم وتکریم سے قبول کیا "۔

شارح قصیدہ بردہ مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی نے عطر الوردہ شرح البردہ صفحہ ۴۹ میں لکھا "خلاصہ ہر دو شعر یہ ہے کہ دفع مصائب و جلب منافع امت مرحومہ کو بتوسّل شریف حاصل ہوتا ہے۔ آمنّا بہ وصدّقنا"۔ یعنی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے وسیلہ سے مصیبتوں سے نجات ملتی ہے اور مشکلات حل ہوتی ہیں، اور حاجات پوری ہوتی ہیں۔ ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں اور اس عقیدے کی تصدیق کرتے ہیں"۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا وسیلہ پکڑنا، آپ سے حمایت چاہنا، امان حاصل ہونے کا سوال کرنا، آپ سے دنیا و آخرت کی نعمتیں طلب کرنا اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہے نہ کہ شرک و کفر جیسے کہ نجدی وہابی کہتے ہیں۔ نیز امام بوصیری قدّس سرّہٗ عرض کرتے ہیں ؎

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِہٖ
سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعُمَمِ

ترجمہ: "اے بزرگ ترین مخلوقات یا اے بہترین رُسُل بوقتِ نزول حادثۂ عظیم و عام کے آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جس کی پناہ میں آؤں صرف آپ ہی کا بھروسہ ہے"۔

اس کے خلاف اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان صفحہ ۱۷ میں بتوں کی تردید میں بُت پرستوں، مشرکین کی مذمت میں نازل شدہ آیت مبارکہ کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور تمام انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرتے ہوئے لکھا: "اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام آسمان و زمین میں کوئی کسی کا ایسا سفارشی نہیں کہ اس کو مانے اور اس کو پکارے تو کچھ فائدہ یا نقصان پہنچے"۔ الخ۔ پھر اسی طرح صفحہ ۱۸ پر لکھا: "جو کوئی کسی کو اپنا حمایتی سمجھے گو کہ یہی جان کر کہ اس کے سبب سے خدا کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے سو وہ بھی مشرک ہے اور جھوٹا اور ناشکر"۔

نیز اسی طرح سے صفحہ ۱۹ پر لکھا: "مشکل کے وقت پکارنا اور ہر جگہ حاضر و ناظر

سمجھنا اور قدرت تصرّف کی ثابت کرنی سو ان باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے گو کہ پھر اللہ سے چھوٹا ہی سمجھے اور اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ اور اس بات میں اولیاء و انبیاء میں اور جنّ و شیطان میں اور بھوت و پری میں کچھ فرق نہیں یعنی جس سے کوئی یہ معاملہ کرے گا وہ مشرک ہو جائے گا خواہ انبیاء و اولیاء سے خواہ پیروں شہیدوں سے، خواہ بھوت و پری سے"۔ (تقویۃ الایمان)

ناظرین! مسئلہ کے دونوں پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور فیصلہ کر کے بتائیں کہ اگر وہابیہ کا کہنا صحیح ہے تو پھر سلف و خلف صالحین میں سے کون ایسا ہے جس پر شرک عائد نہ ہوتا ہو۔

نعوذ باللہ من ھفوات الوھابیہ

خواجۂ خواجگان شیخ معین الدّین چشتی اجمیری

قدّس سرّہٗ کی بارگاہ رسالت میں فریاد

یا رسول اللہ شفاعت از تو میدارم امید
باوجود صد ہزاراں جرم در روزِ حساب

"یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں لاکھوں جُرم کرنے کے باوجود قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا امیدوار ہوں"۔

حضرات یہ وہ بلند پایہ بزرگانِ دین ہیں جن کے دم سے کفرستان میں اسلام کے جھنڈے نصب ہوئے۔ ہزاروں لاکھوں کفار و مشرکین ان کی دعوت و تبلیغ سے سچے مسلمان اور پکے مومن بنے۔ ان کی تعلیم و تربیت اور فیوض سے خدا جانے کتنے خوش نصیب مقامات ولایت پر فائز ہو گئے۔ ان کا فیض عام ہے۔ ان

کے فیوض و برکات سے بہت سی مخلوق ہر زمانہ میں بہرہ ور رہے ۔ یہ بزرگانِ دین بارگاہِ رسالت میں نداء غائبانہ سے عرض معروض کرتے اور دین و دنیاوی امور میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے توسّل واستمداد کرتے ہیں کہ عین حق و صواب ہے ۔

مگر آخر زمانہ کے گستاخ علماءِ سوء جو خود قرآن وحدیث کی تعلیم سے بے بہرہ اور حلاوت وحقیقت ایمان سے محروم ہیں ۔ نہایت بے خوفی کے ساتھ ایسے فتاویٰ باطلہ صادر کرتے ہیں جو ان بزرگانِ دین کو ہی اسلام سے خارج اور مشرک ٹھہراتے ہیں ۔

نعوذ باللہ من ذالك ۔ نیز ملاحظہ فرمایئے

عارف باللہ مولینا رُوم قدّسنا اللہ باسرارہٖ کا

رُوح پرور عقیدہ

بے فروغت روز روشن ہم شب است
بے پناہت شیر اسیر ارنب است!
خضرِ وقتی غوث ہر کشتی توئی!
ہمچوں رُوح اللہ مکن تنہا روی
(مثنوی شریف)

یارسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) آپ کا نور ضیاء بارش نہ ہو تو روزِ روشن بھی اندھیری رات ہو جائے اگر آپ کی پناہ نہ ہو تو شیر کو خرگوش قید کر لے ۔ آپ ہی رہنمائے زمانہ ہیں اور ہر کشتی کے ناخدا و مددگار آپ ہی ہیں

پس جس طرح حضرت عیسےٰ علیہ السّلام اپنی امّت کو چھوڑ کر آسمانوں پر تشریف لے گئے کہیں اسی طرح آپ بھی اپنی گنہگار امّت سے اپنی نظرِ کرم نہ ہٹالیں یعنی ہم ہر وقت ہر حال میں آپ کی نظرِ کرم اور مدد وحمایت اور شفاعت کے محتاج اور طلب گار ہیں ۔

عارف ربّانی مولینا جامی قدّسنا اللہ باسرارہٖ

کا نورانی عقیدہ

وصلی اللہ علیٰ نورٍ کزو شد نورہا پیدا
زمیں از حبّ او ساکن فلک در عشق او شیدا
اگر نامِ محمّد را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجّینا

اللہ تعالےٰ کی رحمتیں نازل ہوں اس نور پاک پر کہ جس نور سے سارے نور پیدا ہوئے ہیں ۔ اس کی محبّت کی وجہ سے زمین ساکن اور اس کے عشق میں فلک سرگرداں ہے یعنی سارا نظامِ عالم آپ ہی کے دم سے قائم ہے ۔ اگر حضرت آدم علیہ السّلام حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا وسیلہ نہ پکڑتے تو نہ آدم کی توبہ قبول ہوتی اور نہ ہی حضرت نوح طوفان سے نجات پاتے ۔

حضرت مولینا جامی علیہ الرّحمۃ کی بارگاہِ رسالت میں فریاد

زمہجوری برآمد جان عالم ❁ ترحّم یارسول اللہ ترحّم

یارسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) آپ کے فراق میں سارا جہاں جاں بہ لب ہے۔ رحم فرمائیے یارسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) رحم فرمائیے۔

حضرت شیخ فریدالدّین عطّار علیہ الرّحمتہ

کا عقیدہ

آنکہ آمد نُہ فلک معراج او
انبیاء و اولیاء محتاج او

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم وہ بلند شان والے ہیں کہ معراج کی شب آپ نے نو افلاک کی سیر فرمائی۔ جُملہ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام و اولیاء اللہ آپ کے محتاج ہیں"۔

حضرت شیخ عبدُالحق محدّث دہلوی

علیہ الرّحمتہ کا عقیدہ

اگر خیریّتِ دنیا و عقبےٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہرچہ میخواہی تمنّا کن

اگر تجھے دنیا و آخرت کی خیریت مطلوب ہے تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہو اور جس چیز کی خواہش ہو آپ سے مانگ لے۔

معلوم ہوا کہ محدّثین کا عقیدہ ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کائنات کے مالک و مختار، اللہ تعالےٰ کے خزانوں کے مالک ہیں۔ فریادیوں کی فریاد، سوالیوں کے سوال سنتے، قبول فرماتے اور حاجت روائی فرماتے ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی حضور علیہ الصّلوٰۃ

والسّلام کو اُمّت کا نگہبان اور مختارِ کُل

جانتے ہیں!

جہاز امّت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
تم اب چاہے ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ!

واضح رہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی قدّس سرہٗ مولوی قاسم نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرھم کے پیر و مرشد ہیں اور علمائے اہلِ سنت بھی ان کے مرید ہوئے۔ علومِ باطنی کے علاوہ علومِ ظاہری میں بھی بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اُمّت کے نگہبان، محافظ اور مختارِ کل ہیں۔ آپ جسے چاہیں دنیا و آخرت میں کامیاب و سرفراز فرمادیں اور جسے چاہیں محروم رکھیں مگر افسوس کہ ان کے ناخلف مُریدوں کا یہ حال ہے کہ ان عقائد کو شرک قرار دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ آپ نے گذشتہ صفحات میں ملاحظہ کیا کہ وہ درود تاج پڑھنے کو اس لئے ممنوع قرار دیتے ہیں کہ اس میں شرکیہ کلمات ہیں۔ حالانکہ جن کلمات "دافع البلاء

والوبار والقحط والمرض والالم" کو مسلک دیوبندیہ وہابیہ کے مفتی صاحب نے شرکیہ کلمات قرار دیا ہے ہرگز شرکیہ نہیں بلکہ علمائے سلف وخلف اور بزرگانِ دین اور خود ان کے پیر و مرشد حضرت حاجی صاحب ان ہی عقائد پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اذن وعطا سے حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ان صفات سے متصف ہیں۔ مجازاً اس لحاظ سے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صفاتِ الٰہی کے مظہر اتم و اکمل و اعلیٰ ہیں۔ والحمدللہ علیٰ ذالک۔

چونکہ مضمون خلافِ توقع طویل ہو رہا ہے اس لئے اب اتمامِ حجت کے لئے منکرین وہابیہ کے معتمد علیہ علماء کے اقوال ان کی معتبر کتابوں سے نقل کرتا ہوں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے عقائد کا نمونہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ خلقت کی طرف متوجہ ہیں اور فریاد رسی کرتے ہیں

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی "فیوض الحرمین" میں فرماتے ہیں:۔

"وہ چیز جو مفید ہو ہر وقت پیش آنے حادثہ کے۔ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متوجہ ہیں خلقت کی طرف اسی واسطے سب نبیوں سے حقدار زیادہ ہیں لوجہ پائے جانے اس حقیقت مثالیہ کے آپ میں اور متحد ہونا اس کا آپ کے ساتھ اس حقیقت سے کہ ظاہر اور مظہر میں تمیز نہیں۔ گویا کہ وہ بعینہ وہ ہے حقیقت میں جدا ہی نہیں اور یہ بھی ایک معنیٰ ہیں اس بیت مشہورہ کے کہ

افلت شموس الاولین وشمسنا ؛ ابدا علیٰ افق العلیٰ لا تغرب

پہلوں کے آفتاب چھپ گئے اور ہمارا آفتاب ہمیشہ بلندیٔ آسمان پر تاباں رہے گا۔ اس حقیقت سے آپ کے متحد ہونے کو میں نے اپنی روح کی آنکھ سے دیکھا، اور اتحاد کا سبب میں نے معلوم کیا اور دیکھا میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قائم اسی حالت واحدہ پر کہ وہاں سے آپ کو نہ تو کوئی ارادہ متجددہ ہٹا سکتا ہے اور نہ کوئی داعیہ۔ ہاں جس وقت آپ متوجہ ہوتے ہیں خلق کی طرف تو نہایت قریب ہوتے ہیں کہ انسان اپنی کوشش ہمت سے عرض کرے اور آپ فریاد رسی کریں اس کی مصیبت میں یا اس پر ایسی برکتیں اضافہ کریں کہ وہ خیال کرے کہ آپ صاحب ارادات متجددہ ہیں جیسے کوئی شخص مظلوموں، محتاجوں کی فریاد رسی میں مصروف ہو۔"

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوال کو سنتے قبول فرماتے اور امداد فرماتے ہیں

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

"جب تیسرا روز ہوا، میں نے آپ پر سلام پڑھا اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر۔ پھر عرض کیا کہ یا رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) عنایت ہو ہم کو کچھ اس میں سے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے ہم آپ کی عطاء کے شوقین آئے ہیں اور آپ رحمۃ اللعالمین ہیں تو آپ نے میری طرف کمال التفات کیا۔ یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ آپ کی عنایت کی اس چادر نے لپیٹ لیا اور ڈھانک لیا خوب اچھی طرح چھپا لیا اور ظاہر کئے مجھ پر اسرار پہچنوائے مجھ سے خود اور ایک بڑی اجمالی میری امداد فرمائی اور بتایا مجھ کو کس طرح آپ سے اپنی حاجتوں میں مدد چاہوں اور کس طرح آپ جواب دیتے ہیں۔ جب آپ پر کوئی

درود پڑھے اور کیسے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی مدح میں کوشش کرے یا آپ سے الحاح (فریاد و زاری) کرے"۔

(فیوض الحرمین)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں سیر فرماتے

اور لوگوں کے اعمال و احوال کو ملاحظہ فرماتے ہیں

شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی "درثمین فی مبشرات النبی الامین" میں فرماتے ہیں:۔

"مجھے میرے سردار والد صاحب نے خبر دی۔ انہوں نے کہا کہ مجھے میرے شیخ قاری عبداللہ نے خبر دی۔ انہوں نے فرمایا میں نے قرآن کریم قاری زاہد سے حفظ کیا۔ وہ بیابان میں رہتے تھے۔ اس اثناء میں کہ ہم قرآن مجید کا دَور کر رہے تھے، ایک عرب کی جماعت آئی اور ان کا سردار ان کے آگے تھا۔ انہوں نے قاری صاحب کی قرأت سُنی اور اس سردار نے فرمایا: اللہ تجھے برکت دے، تُو نے قرآن کا حق ادا کر دیا۔ پھر وہ تشریف لے گئے اور ایک اور شخص اسی شان میں آیا تو اس نے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں گذشتہ شب خبر دی تھی کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فلاں بیاباں میں قاری صاحب کی قرأت سُننے تشریف لے جائیں گے تو ہم نے جان لیا کہ جو سردار جماعت کے آگے تھا وہ نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تھے۔ شیخ سیّد عبداللہ قاری نے کہا کہ میں نے ان کو اپنی ان دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دافع البلاء، مشکل کشا،

حاجت روا، حامی، مددگار، فریاد رس اور بخشش

کے خزانوں کی کُنجی ہیں

ملاحظہ ہو شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی کا قصیدہ:۔

"اطیب النّغم فی مدح سیّد العرب والعجم"

ومعتصم المکروب فی کلّ غمرۃ

ومنتجع الغفران من کل تائب

آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بغیر مجھے اور کوئی نظر نہیں آتا۔ جہاں کہ مصیبت زدہ امداد کے لئے ہاتھ مارے ہر سختی کے وقت اور جہاں سے کہ ہر توبہ کرنے والا طلب مغفرت کر سکے ؎

واَحسن خلق اللہِ خُلقًا وخِلقتًا

وانفعھم للنّاس عند النوائب

خدا کی مخلوق میں سب سے بہترین ہیں از روئے خلق کے اور از روئے خُلق کے اور از روئے پیدائش کے اور مصیبتوں اور حاجتوں کے لئے سب سے زیادہ نفع پہنچانے والے ہیں ؎

واَجوَدُ خلق اللہ صَدرًا ونائلا

واَبسَطھُم کفاً علیٰ کل طالب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مخلوق میں سب سے زیادہ سخی ہیں باعتبار سینہ کھولنے اور باعتبار عطا فرمانے کے اور ہر سوالی کے لئے سب سے زیادہ سخاوت فرمانے والے ہیں ۔

وصلی اللہ علیک یا خیر خلقہٖ

ویا خیر مامول ویا خیر واھبٖ

تم پر درود کبریا اے بہترین کائنات ۔ اے بہترین امید گاہ اے بہترین صاحب عطا ۔

ویا خیر من یُرجٰی لکشف رَزِیَّۃٍ

وَمَن جُودُہٗ فاق جُودَ السحائبٖ

اے بہترین ان سے ہے جن سے دفع مصیبت کی امید فائق ہے جود ابر سے سرکار کی جود وسخا !۔

فَاَشْھَدُ اَنَّ اللہَ رَاحِمُ خَلْقِہٖ

وانک مفتاح لکنز المواھبٖ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالٰے اپنی مخلوق پر رحم فرمانے والا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم بخشش کے خزانوں کی کنجی ہیں یعنی آپ کے وسیلہ کے بغیر کسی کو کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

وانت مجیری من ھجوم ملمۃ

واذا انشبت فی القلب شر المخالبٖ

سختی کے حملوں سے مجھے آپ ہی پناہ دینے والے ہیں جب دل میں پنجے ڈال دے بدتر مصیبت بلا کی ۔

فما انا اخشی ازمۃ مدلھمۃ

ولا انا من ریب الزمان براھبٖ

(پس چونکہ آپ میرے حامی ہیں اس لئے) میں سختیوں کی تاریکیوں سے نہیں

ڈرتا اور نہ ہی مجھے گردشِ زمانہ کا کچھ خوف ہے ۔

فانی منکم فی قلاع حصینۃٍ

وحدید من سیوف المحاربٖ

پس میں (آپ کی پناہ کے) مضبوط قلعوں میں محفوظ ہوں ۔ آپ نے میری حفاظت کے لئے جنگجو پہریدار مقرر فرما رکھے ہیں جو اپنے ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے میرے گرد گھیرا کئے ہوئے ہیں اور وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ میرے گرد آہنی دیوار بن گئی ہے ۔

بانی مدرسہ دیوبند مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی

بارگاہِ رسالت میں فریاد کرتے ہیں!

ترے بھروسہ پہ رکھتا ہے غرۂ طاعت ۔۔۔ گناہِ قاسم برگشتہ بخت بد اطوار

جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا ۔۔۔ بنے گا کون ہمارا ترے سوا غمخوار

برا ہوں بد ہوں گنہگار ہوں پہ تیرا ہوں ۔۔۔ ترا کہیں ہیں مجھے گو کہ ہوں میں ناہنجار

یہ ہے اجابت حق کو تری دعا کا لحاظ ۔۔۔ قضائے مبرم و مشروط کی سنیں نہ پکار

خدا ترا تو جہاں کا ہے واجب الطاعت ۔۔۔ جہاں کو تجھ سے تجھے اپنے رب سے ہے سرکار

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت ۔۔۔ کسی نے تجھ کو نہ جانا بجز ربِ ستار

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا

نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

(قصائد قاسمی)

مولوی اشرف علی تھانوی بارگاہ رسالت میں

استغاثہ و فریاد کرتے ہیں

یا شفیع العباد خذ بیدی

انت فی الاضطرار معتمدی

اے بندوں کی شفاعت فرمانے والے! دستگیری کیجئے میرے نبی کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی (مددگار)

لیس لی ملجاء سواک اغث

مسنی الضر سیدی سندی

میرے لئے آپ کے سوا اور کوئی جائے پناہ نہیں۔ آپ میری فریاد سن کر میری مدد کو پہنچیں۔ اے میرے سردار اور اے میری سند! میں مصیبت میں مبتلا ہوں۔

غشنی الدھر یا ابن عبد اللہ

کن مغیثا فانت لی مددی

اے ابن عبد اللہ زمانہ میرے خلاف ہو گیا ہے۔ آپ میری فریاد رسی فرمائیں کہ آپ ہی میرے مددگار ہیں۔

یا رسول الالہ بابک لی

من غمام الغموم ملتحدی

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لئے صرف آپ کا ہی دروازہ ایسا ہے جہاں سے مجھے ہجوم غم سے پناہ ملتی ہے۔

مدرسہ دیوبند کی تعمیر کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے عصائے مبارک سے زمین پر نشانات لگائے

۱۲۹۲ھ ہجری ۱۸۷۶ء میں جب دار العلوم دیوبند کی موجودہ عمارتوں میں سب سے پہلی عمارت نودرہ کی بنیاد کھدوائی گئی تو اس وقت کے مہتمم مدرسہ مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجوزہ مقام پر تشریف رکھتے ہیں اور ان سے خطاب فرماتے ہیں کہ "یہ احاطہ تو بہت مختصر ہے۔" یہ فرما کر خود عصائے مبارک سے احاطہ و عمارت کا نقشہ کھینچ کر بتلایا کہ "ان نشانات پر تعمیر کی جائے۔"

مولانا نے صبح اٹھ کر دیکھا تو نشانات موجود تھے۔ چنانچہ انہی نشانات پر بنیادیں کھدوا کر تعمیر شروع کرائی گئی۔ (تاریخ دیوبند صفحہ ۱۶۲) اس کے ساتھ ہی ایک دوسری حکایت ملاحظہ ہو:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا "تم نے کس قدر

چندہ وصول کیا ہے؟

"دار الحدیث کی تعمیر کے لئے سید یوسف علی مرحوم اپنے وطن ٹونک میں چندہ جمع کر رہے تھے کہ انہیں خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ہنس کر فرمایا" تم نے کس قدر چندہ وصول کیا ہے؟" انہوں نے عرض کیا "باسٹھ روپے"۔ (تاریخ دیوبند صفحہ ۸۶-۸۷)

تعجّب کا مقام ہے کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب اور قوّتِ تصرّف کے منکر ہیں، انہیں بھی اپنے مدرسۂ دیوبند کی فضیلت و برتری ثابت کرنے کے لئے مشرکانہ عقیدوں کا سہارا لینا پڑا۔ اگر ان واقعات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کوئی بھی شخص ان سے سوال کر سکتا ہے کہ مدینہ منوّرہ سے ہزاروں کوس دُور ہندوستان کے شہر دیوبند میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تشریف آوری، مہتمم مدرسہ سے ہمکلام ہونا، مجوّزہ احاطہ کو مختصر فرمانا اور پھر خود عصائے مُبارک سے احاطہ وعمارت کا نقشہ کھینچ کر بتلانا کہ "ان نشانات پر تعمیر کی جائے"۔ نیز سیّد یوسف علی کے پاس حضورِ انور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ٹونک پہنچ کر دریافت فرمانا کہ "تم نے کس قدر چندہ وصول کیا ہے؟"۔ کیا غیب دانی اور اختیار و تصرّف کی اس قوّت کو ثابت نہیں کرتا جسے کسی مخلوق میں بعطائے الٰہی تسلیم کرنے کو بھی اسماعیل دہلوی اور دیگر دیوبندی وہابیہ شرک قرار دیتے ہیں؟

پس اگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو علمِ غیب نہیں تھا تو انہیں کیونکر معلوم ہوا کہ ہندوستان کے ایک شہر میں مدرسۂ دیوبند کی بنیاد رکھی جانے والی ہے اور یہ بھی کہ آئندہ چل کر یہ مدرسہ بڑی ترقی کرے گا۔ طلباء کا ہجوم اس قدر ہو گا کہ مجوّزہ احاطہ میں نہیں سمائے گا۔ نیز یہ کہ اس مدرسہ کا مہتمم کون ہے ——— کہاں سو رہا ہے۔ پھر اگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو قدرتِ تصرّف نہیں تھی تو اپنے حریم اقدس سے زندوں کی طرح کیونکر باہر تشریف لائے اور اس پیکر میں ظہور فرمایا کہ دیکھنے والے نے ماتھے کی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور پہچان لیا اور پھر یہ بھی نہیں کہ یہ سارا واقعہ صرف خواب تک ہی محدود رہا ہو کہ اسے کوئی واہمہ قرار دے سکے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنے عصائے مبارک سے احاطہ وعمارت کا تمام نقشہ

کھینچ کر فرمایا کہ "ان نشانات پر تعمیر کی جائے"۔ تو وہ نشانات موجود پائے گئے۔ ان نشانات کو عالمِ واقعہ میں موجود پا کر انہی نشانات پر مدرسۂ دیوبند کی بنیادیں قائم کی گئیں اور انہی بنیادوں پر تعمیر شدہ مدرسہ تا حال موجود ہے۔

ناظرین! یہ سارے اختیارات و تصرفات وہ ہیں کہ بعطائے الٰہی بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی جانب ان کی نسبت کی جائے تب بھی دیوبندی مذہب میں یہ شرک صریح ہے لیکن یہ سارا شرک صرف اس جذبے میں گوارا کر لیا گیا ہے کہ ان کے اپنے مدرسہ کی شان کسی طرح ثابت ہو جائے۔ بہ نفسِ نفیس سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس مدرسہ کی بنیادوں کے نشانات لگائیں۔ مہتمم مدرسہ کو شرف ملاقات بخشیں۔ ان سے ہمکلام ہوں اور مدرسہ کے لئے چندہ فراہم کرنے والوں سے بھی مل کر اُن کے حالات و کوائف دریافت فرمائیں۔ اس مدرسہ کی شان و برتری کا کیا عالم ہو گا"۔

"شُفْ" ہٰذا رسُولُ اللہِ صَلّی اللہُ عَلَیہِ وسلّم

حضرت حاجی امداد اللہ نے فرمایا: "مولوی قلندر صاحب کو ہر روز زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی تھی۔ ایک دن کسی حمّال (بوجھ ڈھونے والے مزدور) کے لڑکے کو کہ "سیّد تھا" طمانچہ مارا۔ اُس دن سے زیارت منقطع ہو گئی۔ مدینہ منوّرہ کے مشائخ سے رجوع کیا۔ انہوں نے ایک زنِ ولیہ مجذوبہ کا حوالہ فرمایا۔ جب وہ عورت مسجدِ نبوی میں آئی، مولانا نے عرض کیا۔ سُنتے ہی جوش میں آئی اور مولانا کا ہاتھ پکڑ کر کہا "شُف، ھٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (چُپ رہ۔ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

پس (مولانا نے) بیداری میں چشمِ ظاہر سے زیارت کی۔ اس سے پہلے اُس لڑکے سے خطا بھی معاف کرائی تھی مگر کچھ مفید نہ ہوا تھا (امداد المشتاق صفحہ ۱۰۰)۔ اس واقعہ

سے ثابت ہوتا ہے کہ :-

"رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم دنیا کے تمام واقعات اور لوگوں کے احوال سے باخبر ہیں اور سب کو جانتے پہچانتے بھی ہیں کہ مولوی قلندر صاحب نے سیّد صاحب کو طمانچہ مارا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مولوی صاحب سے ناخوش ہو گئے اور روزانہ کی زیارت منقطع فرما دی۔ نیز یہ کہ اولیاء اللہ کے وسیلہ اور توسط سے خطائیں معاف ہوتیں اور مشکلات حل ہوتی ہیں کہ "ولیہ مجذوبہ" کے وسیلہ سے مولوی قلندر صاحب کو حضور انور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت بیداری میں بچشمِ ظاہر سے نصیب ہو گئی۔ نیز یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ مطہرہ سے باہر تشریف لاتے۔ خوش نصیبوں کو شرفِ زیارت سے نوازتے اور بعالم خواب اور عالم بیداری میں جس سے چاہیں، جب چاہیں، جہاں چاہیں ملاقات فرماتے ہیں اور یہ وہ امور ہیں جو دیوبندی مذہب میں سراسر شرک و کفر میں داخل ہیں۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست:-

میں نے کیا کیا کہ تو نے میری سُنت ترک کر دی؟

مولانا اشرف علی صاحب نے ایک حکایت بیان کی کہ حضرت فریدالدین عطّار علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ایک مُرید نے اپنے مُرشد سے شکایت عدم رویت حق تعالےٰ کی کی۔ جواب دیا کہ "اس وقت عشاء کی نماز نہ پڑھو مقصد حاصل ہو جائے گا"۔

اس کو تعجب ہوا اور فرض کا ترک کرنا گوارا نہ ہوا صرف سُنّت نہیں پڑھی۔ رات کو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو دیکھا (خواب میں) کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "میں نے کیا کیا کہ تو نے میری سُنت ترک کر دی"؟

صبح کو اُس (مُرید) نے مُرشد سے کیفیت بیان کی۔ انہوں نے کہا: "اگر فرض

(نماز) ترک کرتے خدا کا دیدار ہوتا"۔ (امداد المشتاق صفحہ ۸۲)

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا

اُنصُرنِی اَنصُرکَ

دیوبندیوں کے پیر و مُرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی نے فرمایا: "ایک شامی جن کا نام غالباً سیّد احمد تھا۔ یہاں مکّہ مکرمہ میں بہ انتظار امام مہدی آخر الزماں کہ ان کے مرشد نے ان کو قرب زمانۂ امام مہدی کی خبر دی تھی مقیم تھے۔ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم آپ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: "اُنصُرنِی اَنصُرکَ" (تو میری مدد کر، میں تمہاری مدد کروں گا) اور مجھ سے ارشاد کرتے ہیں کہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر ہندی کے پاس ایک تلوار ہندی ہے۔ تم ان سے تلوار لے کر امام مہدی علیہ السّلام کے مُعین و ناصر بنو"۔ (امداد المشتاق صفحہ ۱۴۲)

مدینہ کا دہی کھٹّا ہے تو تم یہاں سے چلے جاؤ

مولوی حسین احمد مدنی نے ایک مرتبہ درس بخاری میں ارشاد فرمایا: "ایک حاجی صاحب مدینہ منوّرہ پہنچے اور یہ کہہ دیا کہ: "مدینہ منوّرہ کا دہی کھٹّا ہوتا ہے"۔ رات کو جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ: "جب مدینہ کا دہی کھٹّا ہے تو آپ یہاں کیوں تشریف لائے، یہاں سے چلے جاؤ"۔ یہ صاحب جب بیدار ہوئے تو بہت گھبرائے۔ لوگوں سے پوچھتے پھرتے تھے کہ اب کیا کروں۔ کسی صاحب نے فرمایا کہ حضرت حمزہ

کے مزار پر جا کر دعا کرو۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ تمہارے حال پر رحم فرمائے۔ چنانچہ یہ صاحب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مزار پر گئے اور رو رو کر اللہ تعالےٰ سے دعائیں کیں۔ رات کو حضرت حمزہ خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: "مدینہ منورہ سے چلے جاؤ ورنہ ایمان کا خطرہ ہے"۔

(انفاس قدسیہ صفحہ ۲۵۹)

ان تینوں حکایات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی باتیں جاننا، دنیا کے تمام واقعات سے باخبر ہونا اور لوگوں کو پہچاننا، ان کی باتوں کو سننا، گفتگو کرنا وغیرہ۔ سب باتیں خود دیوبندیوں کے پیشواؤں کے ارشادات سے ثابت ہوتی ہیں۔ نیز مزاراتِ اولیاء اللہ پر حل المشکلات کے لئے حاضری دینا بھی ثابت ہوا۔ اور یہ بھی کہ صاحبِ مزارات زیارت کے لئے آنے والوں کے کلام کو سنتے۔ ان کی مشکل حل ہونے یا نہ ہونے کو جانتے ہیں اور ہدایات بھی دیتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف انہی دیوبندیوں کے فتاویٰ کے بموجب یہ تمام امور شرک و کفر میں داخل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مولوی نانوتوی کو اپنی

چادر میں ڈھانپ کر کبھی اندر لاتے ہیں اور کبھی

باہر لے جاتے ہیں!

مدرسہ دیوبند کے مولویوں کے خلاف کسی نے حکومت برطانیہ کی مخالفت کا

الزام لگایا۔ حکومت نے تفتیش کے لئے بعض حکام کو مقرر کیا۔ نانوتہ پہنچ کر ایک حاکم نے مولوی محمد قاسم نانوتوی سے ملنے کے لئے مسجد میں آنے کی اجازت چاہی۔ اجازت ملنے پر حاکم آیا اور بیٹھا نہیں۔ چپ چاپ مولوی نانوتوی کے سامنے کھڑا رہا۔ واپس جا کر اس نے حکومتِ ہند کو رپورٹ کی کہ جو لوگ ایسی مقدس صورتوں پر نقصِ امن اور غدر و فساد کا الزام لگاتے ہیں وہ خود مفسد ہیں اور یہ محض چند مفسدوں کی شرارت ہے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت نانوتوی نے فرمایا کہ:۔

"میں اکثر دیکھتا ہوں کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور اپنی رداء مبارک میں مجھے ڈھانپ کر کبھی اندر لاتے ہیں کبھی باہر لے جاتے ہیں، سوتے اور جاگتے اکثر اوقات یہی منظر آنکھوں کے سامنے رہتا ہے کہ حضور رداء مبارک میں لئے رہتے ہیں اور الگ کرنا نہیں چاہتے"۔

یہ تو تھی روایت۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس افسانے کو سن کر کسی دیوبندی مفتی یا مولوی کی رگِ وہابیت پھڑکی؟ کسی نے بھی اس کو شرکِ صریح قرار دے کر اس کی تردید کی؟ یا اپنے مذہب سے کھلے انحراف پر کسی نے ناک بھوں چڑھائی؟ نہیں۔! چونکہ یہ معاملہ اپنے گھر کا تھا اس لئے اپنے عقیدۂ توحید سے تصادم، اپنے مذہب سے انحراف اور منہ بولے شرک کو بڑی وسعت قلبی سے اپنے حق میں اسلام و ایمان مان لیا۔ اس پر حاشیہ آرائیاں کیں۔ اس وہابیت سوز کہانی سے اپنے "حضرت" کی تقدس آبی کا ڈھنڈورا پیٹا۔ اور مولوی نانوتوی کو مقبولِ بارگاہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ "راوی" کا بیان ہے کہ: "سب حضرات نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ ان مفسدوں کی مفسدہ پردازی اور شر سے تحفظ منظور ہے"۔ لیکن حضرت (رشید احمد) گنگوہی نے فرمایا کہ: "نہیں۔ بلکہ مولانا کی عمر ختم ہو چکی ہے اور حضور کو یہ دکھلانا منظور ہے کہ جب لوگ اپنے ہو کر ایسے مفسد ہو گئے کہ خدا کے ایسے مقدس بندوں پر الزام لگانے سے نہیں شرماتے تو ہم بھی ایسی ہستی کو اب ایسے لوگوں میں رکھنا نہیں چاہتے کہ یہ لوگ اس قابل

نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت (نانوتوی) زیادہ دیر زندہ نہیں رہے۔ قریب ہی زمانہ میں وفات ہوگئی۔"

اس حکایت پر حاشیہ میں مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے: "قولہ سوتے جاگتے الخ۔ یہ ایک کشف صحیح ہے جس میں کچھ استبعاد نہیں اور اس کی جو تعبیر حضرت گنگوہی نے سمجھی۔ شاید ڈھانپنے سے ماخوذ ہو مگر صرف احتمال کافی نہیں۔ اصل مبنی وجدان ہے۔"

(ارواح ثلاثہ صفحہ نمبر ۲۳۳-۲۳۴)

اس حکایت کی رُو سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کا اثبات ہوتا ہے کہ حضورِ انور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ جان کر کہ ہندوستان کے قصبہ "نانوتہ" میں مولوی محمد قاسم نانوتوی اس وقت فلاں پریشانی میں مبتلا ہے۔ نانوتہ میں تشریف فرما ہوئے۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مقدرت تصرّف ثابت ہوتی ہے کہ حضورِ انور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ سے نانوتہ میں جلوہ گر ہوئے۔ مولوی نانوتوی کو اپنی چادر مُبارک میں ڈھانپ کر کبھی اندر لاتے اور کبھی باہر لے جاتے رہے اور مولوی نانوتوی کو نہ صرف خواب میں بلکہ عالم بیداری میں بھی اس کے پاس موجود رہے اور اس پر شفقت فرماتے رہے۔ نیز یہ کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ و السّلام مصیبت زدوں کی مدد فرماتے اور مفسدوں کی مفسدہ پردازی سے تحفظ فرماتے ہیں۔

نیز یہ کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو یہ اختیار حاصل ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام جس کو جب تک چاہیں دنیا میں رہنے دیں اور جس کو جب چاہیں نہ رہنے دیں اور اس شخص کی موت واقع ہوجائے۔ نیز یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام تمام انسانوں کی قابلیتوں کو بھی جانتے ہیں۔

حالانکہ یہ وہ امور ہیں جنہیں تمام دیوبندی مولوی ومفتی شرک و کفر قرار دیتے ہیں۔ مسلمانان اہل سنت وجماعت کو بات بات پر مشرک و بدعتی ٹھہرانے والوں

سے پوچھا جائے کہ کیا۔ تقویۃ الایمان۔ فتاویٰ رشیدیہ۔ براہین قاطعہ اور بہشتی زیور وغیرہ کتب تعزیرات وہابیہ۔ صرف دوسرے مسلمانوں کو بدعتی ومشرک بنانے کے لئے ہیں اور یہ خود ہر قانون سے بالاتر ہیں؟

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے سیّد احمد بریلوی کو نیند سے جگایا

تبلیغی جماعت کے سربراہ مولوی ابوالحسن علی صاحب ندوی نے سیّد احمد صاحب بریلوی کے متعلق اپنی کتاب "سیرت سیّد احمد شہید" میں ان کا ایک عجیب قصّہ نقل کیا ہے۔ لکھا ہے کہ:

"ستائیسویں شب کو آپ نے چاہا کہ ساری رات جاگوں اور عبادت کروں مگر عشاء کی نماز کے بعد کچھ ایسا نیند کا غلبہ ہوا کہ آپ سو گئے۔ تہائی رات کے قریب دو شخصوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر جگایا۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کی داہنی طرف رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور بائیں طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیٹھے ہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ: "سیّد احمد جلد اٹھ اور غسل کر۔"

سیّد صاحب ان دونوں حضرات کو دیکھ کر دوڑ کر مسجد کے حوض کی طرف گئے اور باوجودیکہ سردی سے حوض کا پانی یخ ہو رہا تھا۔ آپ نے اس سے غسل کیا اور فارغ ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت (صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) نے فرمایا: "فرزند! آج شب قدر ہے۔ یادِ الٰہی میں مشغول ہو اور دعاء ومناجات کرو۔" اس کے بعد دونوں حضرات تشریف لے گئے۔ (سیرت سیّد احمد شہید صفحہ ۸۴)

حد ہو گئی اکابر پرستی کی کہ مولوی ابوالحسن علی ندوی جیسا ترقی پسند مصنّف، جس نے ساری زندگی قدامت پسند مسلمانوں کے عقائد و روایات کا مذاق اڑایا ہے، اسے بھی اپنے مورثِ اعلیٰ کی فضیلت و برتری ثابت کرنے کے لئے مشرکانہ عقیدوں کا سہارا لینا پڑا۔

وہابیوں کی اس کہانی سے علم غیب۔ قوّتِ تصرّف۔ وفات کے بعد دنیا میں چلنا پھرنا۔ ملاقاتیں کرنا۔ گفتگو کرنا۔ جناب حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے علاوہ، اولیاء اللہ کے لئے بھی ثابت ہوتا ہے یہ سارا واقعہ چشمِ زدن میں ختم نہیں ہو گیا کہ اسے واہمہ کا کرشمہ قرار دیا جا سکے، بلکہ حضورِ انور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اتنی دیر تک وہاں تشریف فرما رہے کہ سیّد احمد صاحب غسل سے فارغ ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سیّد احمد کی بیداری میں اس سے کلام فرمایا کہ: "فرزند! آج شب قدر ہے۔ یادِ الٰہی میں مشغول ہو اور دعاؤ مناجات کر۔"

اور پھر سیّد احمد نے عالم بیداری میں ان ہر دو حضرات کو جاتے ہوئے دیکھا بھی۔

یہ سارے اختیارات و تصرّفات وہ ہیں کہ بعطائے الٰہی بھی جناب حضورِ اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی جانب ان کی نسبت کی جائے جب بھی دیوبندی مذہب میں یہ شرک صریح ہے۔ لیکن یہ سارا شرک صرف اس جذبے میں گوارا کر لیا گیا ہے کہ "قبیلے" کے "دو شیخ" کی بڑائی کسی طرح ثابت ہو جائے۔ بہ نفسِ نفیس خود حضورِ انور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جس کا ہاتھ پکڑ کر نیند سے اٹھائیں، اندازہ لگائیے کہ اس کے منصب کی برتری کا کیا عالم ہو گا؟

(منقول از "زلزلہ")

مولوی حسین احمد مدنی نے بعالمِ بیداری حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت کی

مولوی حسین مدنی جن دنوں مدینہ منوّرہ میں مقیم تھے۔ ایک دن آپ اردو شعروں کی کتاب پڑھ رہے تھے کہ آپ کے سامنے یہ مصرعہ آیا "ہاں لے حبیب رُخ سے ہٹا دو نقاب کو"، یہ آپ کو بہت بھلا معلوم ہوا۔ روضۂ اطہر کے قریب پہنچ کر صلوٰۃ و سلام کے بعد نہایت بیقراری کے عالم میں یہ مصرعہ پڑھنا اور شوقِ دیدار میں رونا شروع کر دیا۔

"کچھ دیر بعد آپ کو اسی بیداری میں نظر آیا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سامنے ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کا چہرۂ مبارک سامنے ہے اور بہت چمک رہا ہے۔"

(ملخصاً۔ نقش حیات جلد ۱ صفحہ ۱۲)

معلوم ہوا کہ حضور سرکارِ دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فریادوں کو سنتے اور حل مشکلات فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مولوی حسین احمد کی بیقراری کو محسوس فرمایا۔ ان کی فریاد سنی اور حسین احمد کو بیداری کے عالم میں اپنے رُخِ انور سے حجاب اٹھا کر اس کی مشکل کو حل فرما دیا۔

روضۂ اطہر سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا

"وعلیکم السّلام یا ولدی"

مشہور عالم اور بزرگ مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی مرحوم نے بیان فرمایا کہ ایک بار زیارتِ بیت اللہ سے فراغت کے بعد دربارِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضری

ہوئی تو مدینہ منورہ کے دوران قیام مشائخ وقت سے یہ تذکرہ سُنا کہ امسال روضۂ اطہر سے عجیب کرامت کا ظہور ہوا ہے۔ ایک ہندی نوجوان نے جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھا تو دربارِ رسالت سے "وعلیکم السّلام یا ولدی" کے پیارے الفاظ سے اس کو جواب ملا۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ وہ ہندی نوجوان سیّد حبیب اللہ مہاجر مدنی کا فرزند ارجمند ہے۔ گھر پہنچا ملاقات کی۔ تنہائی پا کر اپنی طلب و جستجو کا راز بتایا۔ ابتداءً خاموشی اختیار کی۔ لیکن اصرار کے بعد کہا کہ: "بیشک جو آپ نے سُنا وہ صحیح ہے"۔ یہ نوجوان تھے مولانا حسین احمد مدنی۔"

(الجمعیتہ شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۴۹)

دیوبندی وہابیہ کے دو رُخ ہیں۔ ایک رخ تو وہ ہے جس سے وہ ان امور کے تحت مسلمانانِ اہلِ سنت کو بدعتی، مشرک اور کافر ٹھہراتے ہیں اور دوسرا رُخ یہ ہے جو انہی کے اقوال و احوال سے دیکھ رہے ہیں کہ انہی امور کے قائل و مرتکب ہونے کے باوجود نہ بدعتی بنتے ہیں اور نہ مشرک و کافر۔ بلکہ اسلام کے ٹھیکیدار اور خدائی فوجدار بنے پھرتے ہیں ؎

چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد۔!

واضح رہے کہ اس سلسلہ میں اور بھی بہت کچھ پیش کیا جا سکتا ہے مگر اظہارِ حق اور اتمامِ حجت کے لئے یہ بھی بہت ہے منصف مزاج حق و باطل میں تمیز کر سکتے ہیں معلوم ہوا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی، مولوی محمّد قاسم نانوتوی اور مولوی اشرف علی تھانوی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر، مخلوق کی طرف متوجہ، نگہبان، حامی و شفیع، فریاد رس، مشکل کشا، حاجت روا، دافع البلاء، جائے پناہ، صاحب جود و عطاء، خالق و مخلوق کے درمیان واحد وسیلہ اور کائنات میں متصرّف اور مختارِ کل جانتے ہیں اور دوسری طرف اسماعیل دہلوی کا فتویٰ ہے کہ:-

"اور قدرت تصرّف کی ثابت کرنی سو ان باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے گو کہ

پھر اللہ سے چھوٹا ہی سمجھے اور اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ اور اس بات میں اولیاء و انبیاء میں اور جنّ و شیطان میں اور بھوت و پری میں کچھ فرق نہیں۔"

(تقویتہ الایمان صفحہ ۷)

نیز لکھا ہے کہ: "اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرّف کرنے کی قدرت نہیں دی اور کوئی کسی کی حمایت نہیں کر سکتا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا (علیہ الصّلوٰۃ و السّلام) کے وقت میں بھی کافر اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے۔ اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے۔ مگر یہی پکارنا اور منّتیں ماننا اور نذر و نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا بھی ان کا کفر و شرک تھا۔ سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے سو ابو جہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔"

(تقویتہ الایمان صفحہ ۱۸)

ماہر صاحب فاران توحید نمبر کے صفحہ ۲۵ پر رقمطراز ہیں: "اب اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی اس انداز میں تعریف کرتا ہے کہ ساری مخلوقات آپ کے در سے پل رہی ہے۔ آپ کائنات کے مالک و مختار ہیں۔ آپ حاضر و ناظر ہیں۔ آپ ہر اُمّتی کے حال پر نگاہ رکھتے ہیں۔ آپ پریشان حالوں کی فریاد سنتے ہیں اور ان کی مشکلوں کو کھولتے ہیں تو وہ آپ کو حد سے بڑھاتا ہے"۔ پھر صفحہ ۲۶ پر لکھا: "عیسائی۔ ہندو اور بدھ جتنے مشرکین اور کفار زمین کے پردے پر پائے جاتے ہیں۔ ان کا فساد عقائد اس باب میں مشترک ہے۔"

تو اب دیوبندی صاحبان بتائیں کہ اگر تقویتہ الایمان میں اسماعیل دہلوی کے فتوے صحیح اور ماہر صاحب کا مندرجہ بالا فتویٰ درست ہے تو خود ان کے پیشوا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی، مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی، شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی بھی ابو جہل کے برابر اور عیسائی، ہندو اور بدھ وغیرہم تمام کفّار کے زمرہ میں آتے ہیں یا نہیں؟

انصاف شرط ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ اسماعیل دہلوی اور ماہر صاحب اور ان کی طرح کے دوسرے حملہ وہابیہ کے ایسے تمام فتاوی سراسر غلط، باطل اور بیہودہ ہیں۔ ان کے عقائد جمہور علمائے اُمّت کے عقائد سے مختلف ہیں۔ ان کے تحریر و بیان سے واضح ہوتا ہے کہ :-

وہابیہ توحید اور شرک کے مفہوم سے نا آشنا ہیں

اور یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ بات بات پر مسلمانوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں اور انبیاء و اولیاء کو بتوں پر قیاس کرتے ہیں۔ یہ لوگ صفاتِ ذاتی اور صفاتِ عطائی کے فرق کو نہیں سمجھتے۔ نسبتِ حقیقی اور نسبتِ مجازی میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ وہابیہ کے مذہب میں کسی کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا بھی کفر و شرک میں داخل ہے کہ یہ صفت یہ شان یہ کمال اسے اللہ تعالیٰ کی عطا سے حاصل ہے۔ چنانچہ ماہر صاحب نے فاران توحید نمبر کے صفحہ ۲۵ - ۲۶ پر لکھا ہے: "یہ ذاتی اور عطائی کی بحث و تفریق جس کی طرف چند صفحے پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے بڑی دھوکے میں ڈالنے والی چیز ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے انبیاء و اولیاء اور شہید کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ وہ کائنات میں جس طرح چاہیں تصرّف کریں۔ قبر و برزخ میں ہزاروں میل سے لوگوں کی فریاد سن کر ان کی مصیبتوں کو ٹال دیں، کون و مکان کا کوئی ذرّہ ان سے پوشیدہ نہ ہو۔ رزق، اولاد، جاہ و منصب کے وہ بانٹنے اور عطا کرنے والے ہوں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ذاتی خدا ہے بہت سے عطائی خدا بنا دیئے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی غیرت تفرید و توحید اس شرک کو کسی عنوان گوارا نہیں کر سکتی"۔

امام الوہابیہ نے تقویۃ الایمان صفحہ ۲۱ میں لکھا: "اللہ کا سا تصرف ثابت کرنا

محض شرک ہے۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی طاقت بخشی ہے۔ ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے"۔

صفاتِ ذاتی اور صفاتِ عطائی کا فرق بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توحید و شرک کی تعریف و حقیقت بیان کر دی جائے تاکہ یہ مسئلہ سمجھنے میں مزید آسانی ہو جائے۔

توحید کی تعریف

کلمہ طیّبہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہ میں توحید کا مکمل بیان ہے یعنی اس بات کا زبان سے اقرار اور دل سے یقین کرنا کہ سچا معبود اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ لا الٰـہ الّا اللّٰہ کی تشریح میں حضرت العلامہ علی قاری علیہ الرحمتہ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں :-

(لا الٰـہ) لا - ھی النافیۃ للجنس علی تنصیص علی نفی کلّ فرد من افرادہٖ (اِلّا اللّٰہ) قیل خبر - لا - والحقّ انّہ محذوف والاحسنُ فیہ لا اِلٰـہ معبودٌ بالحقّ فی الوجود - الّا اللّٰہ - ولکون الجلالۃ اسمًا للذات المُستجمع لکمال الصفات وعلمًا للمعبود بالحقّ قیل لو بدّل بالرحمان لا یصحّ بہ التوحیدُ المُطلَقُ ثمّ قیل التوحید ھو الحکم بوحدانیّتہ منعوتا بالتنزّہِ عمّا یُشابہُ اعتمادًا فقولا وعملا فیقینا وعرفانا فمشاھدۃ و عیانا فثبوتا ودواما:

ترجمہ :- لا الٰہ میں لا نفی جنس کا ہے جو ہر فرد اِلٰـہ کی نفی پر نص ہے اور الّا اللّٰہ کی نسبت کہا گیا ہے کہ "لا" کی خبر ہے اور حق یہ ہے کہ خبر محذوف ہے اور احسن یہ ہے کہ ہستی میں کوئی "اِلٰـہ" معبود برحق نہیں سوائے اللہ کے

کیونکہ اسم اللہ ذات مستجمع صفات کمال کا اسم اور معبود برحق کا عَلَم ہے۔ کہا گیا ہے کہ اگر اس کی جگہ الرحمان لایا جائے تو توحید مطلق اس سے صحیح نہ ہو۔ پھر کہا گیا ہے کہ توحید کسی شے کی وحدانیت کا حکم کرنا اور اس کو جاننا ہے اور اصطلاح میں توحید اللہ تعالٰے کی ذات کو اس کی وحدانیت کے ساتھ مشابہ سے منزّہ ثابت کرنا اعتقاداً پھر قولاً و عملاً پھر یقیناً و عرفاناً پھر مشاہدۃً و عیاناً پھر ثبوتاً و دواماً۔"

شرک کی تعریف

شرک وہی ہے جس کو لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ نے باطل کیا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود ٹھہرانا۔ تفسیر خازن میں ہے "مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ یعنی یجعل معهٗ شریکاً غیرہٗ"۔ شرک کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ اس کے غیر کو شریک ٹھہرایا جائے"۔

شرح عقائد میں ہے "اَلْاِشْرَاكُ هُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِيْكِ فِی الْاُلُوْهِيَّةِ یعنی وجوب الوجود کما للمجوس او بمعنی استحقاق العبادۃ کما لِعَبَدَۃِ الاصنام یعنی شرک کرنا یہ ہے کہ شریک کا ثابت کرنا ہے۔ الوھیۃ میں یعنی وجوب وجود میں جیسے کہ مجوسی کرتے ہیں یا بمعنی استحقاق عبادت میں جیسے کہ بُت پرست کرتے ہیں۔ کذا فی شرح الفقہ الاکبر"۔

حضرت شیخ المحققین عبد الحق محدّث دہلوی قدسنا اللہ باسرارہٖ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں "بالجملہ شرک سہ قسم است در وجود و در خالقیت و در عبادت"۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ شرک تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالٰے کے سوا کسی دوسرے کو واجب الوجود ٹھہرائے۔ دوسرے یہ کہ کسی دوسرے کو اللہ تعالٰے کے سوا حقیقۃً خالق جانے۔ تیسرے یہ کہ

غیر اللہ کی عبادت کرے یا اللہ کے سوا کسی کو مستحق عبادت سمجھے۔

معلوم ہوا کہ واجب الوجود یعنی اپنی ذات و صفات میں دوسرے سے بے نیاز اور غنی بالذات فقط اللہ تعالٰے ہے اور فقط وہی عبادت کے لائق ہے اور حقیقۃً وہی خالق ہے۔ پس اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو ذات و صفات میں دوسرے سے بے نیاز اور غنی بالذات جانے یا اسے حقیقتاً خالق جانے یا مستحق عبادت سمجھے تو وہ مشرک ہے مثلاً آریہ جو اللہ کے سوائے روح اور مادہ کو بھی قدیم اور واجب الوجود مانتے ہیں اور خالق سے بے نیاز جانتے ہیں مشرک ہیں۔ اور مثلاً ستارہ پرست کہ تغیّراتِ عالم کو تاثیر کواکب سے جانتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ستارے اپنی تاثیرات میں غنی بالذات ہیں، کسی کے محتاج نہیں، پس یہ بھی مشرک ہیں۔ یا بُت پرست جو بُتوں کو مستحق عبادت جانتے اور ان کی عبادت کرتے ہیں یہ بھی مشرک ہیں۔ لیکن جو لوگ اشیاء کو اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے موجود مانتے اور ان کی تاثیرات و صفات کو اللہ تعالٰے کی عطاء سے جانتے ہیں وہ کسی طرح مشرک نہیں ٹھہرتے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالٰے اپنی ذات و صفات میں۔ واجب الوجود۔ ازلی۔ ابدی۔ مستقل۔ غیر متغیّر۔ قائم بالذات۔ خالق و مالک حقیقی۔ غنی عن الغیر۔ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ پس اللہ کی سی صفات اوروں کے لئے تسلیم کرنے یا اللہ کی سی صفات کسی دوسرے کے لئے ثابت کرنے کا یہ مطلب ہوا کہ غیر اللہ کے لئے صفاتِ ذاتی۔ قدیم۔ مستقل۔ غیر متغیّر کا اعتقاد رکھا جائے اور اسے عطائے الٰہی کے بغیر کسی صفت سے متّصف تسلیم کیا جائے جو کہ یقیناً شرک ہے۔ پس اہل سنت وجماعت کے عقیدہ کی رُو سے اللہ تعالٰے کے سوا کسی دوسرے کے لئے ذرّہ بھر قدرت یا اختیار یا علم ثابت کرنا اور تسلیم کرنا یا کسی بھی صفت کو ماننا اگر بالذّات ہو تو شرک ہے۔ لیکن غیر اللہ کے لئے کسی صفت کا ثبات بہ عطاء الٰہی ہرگز شرک نہیں جبکہ وہ صفت از روئے قرآن و حدیث اس کے لئے ثابت،

ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ کفار و مشرکین آثار کو اسباب کی طرف حقیقتاً منسوب کرتے ہیں اور انہیں مستقلاً "بالذات مؤثر جانتے ہیں۔ مگر مسلمان اسباب کو وسائل جانتے ہیں اور ان وسائل کے حجابات میں قادرِ مطلق کے دستِ قدرت کو دیکھتے ہیں، اختیار بالذات اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہیں اور افعال و صفات اور تاثیرات کو اسباب و وسائل کی طرف مجازاً منسوب کرتے ہیں نہ کہ حقیقتاً"۔ پھر اگر اس فرق و امتیاز کو تسلیم نہ کیا جائے تو انسان ہر بات میں مشرک ہو جائے اور ایمان کی کوئی راہ ہی نہ رہے۔ پس مخلوق میں سے کسی کے لئے صفات و کمالات کو بعطائے الٰہی جاننا ہی "اللہ کی سی صفات اوروں کے لئے تسلیم یا ثابت کرنے" کے حکم سے خارج ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات بالذات ہیں نہ کہ بالعطاء یعنی اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت یا کمال غیر سے حاصل شدہ نہیں۔ اس کا ہر کمال ذاتی اور غیر مکتسب ہے تو ثابت ہوا کہ کسی اور کے لئے صفات و کمالات بعطائے الٰہی تسلیم یا ثابت کرنا شرک نہیں وھو المراد۔

پس معلوم ہوا کہ سفہاء الاحلام وہابی اب تک ذات و صفات الٰہی سے بے خبر اور جاہل ہیں کہ یہ مسئلہ ان کی سمجھ میں نہیں آسکا ہے۔ اسی لئے یہ لوگ، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کے لئے کوئی صفت، و کمال بعطائے الٰہی تسلیم کرنے کو بھی اللہ کی سی صفت تسلیم کرنا قرار دے کر خواہ مخواہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ ہنوز وہ خود توحید و شرک کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ قصور تو ہے خود ان کے فہم و علم کا مگر مجرم ٹھہراتے ہیں دوسرے بے گناہوں کو۔ ان کے اس مسئلہ کو نہ سمجھنے کا یہ ناقابلِ تردید ثبوت ہے جو کہ یہ مخلوق میں سے کسی کے لئے بھی کوئی صفت، بعطائے الٰہی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ پھر بھلا اگر کوئی ان سے پوچھے کہ اگر تم کسی کے لئے کوئی صفت بعطائے الٰہی تسلیم کرنے کو شرک ہی ٹھہراتے ہو تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی صفت، حَیٌّ ہے یا نہیں۔ پھر کیا شرک سے بچنے کی خاطر تم اپنے آپ کو مردہ کہو گے؟ کیا

تمہارے بڑے بھی کسی زمانہ میں صفتِ حیات متصف نہیں رہے ہیں اور کیا اب تم بھی اس دنیاوی زندگی میں صفت حَیٌّ سے متصف ہو یا نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت عَالِمٌ ہے تو کیا تم خود کو یا اپنے پیشواؤں کو عالم نہیں سمجھتے، علیٰ ھٰذا القیاس، سَمِیْعٌ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور بَصِیْرٌ بھی تو کیا تم سمیع اور بصیر نہیں ہو۔ پھر کلام کرنا بھی اللہ کی صفت ہے اور ارادہ و قدرت بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ پھر شرک سے بچنے کے لئے تم کیا کرو گے؟ کیا یوں کہتے ہو کہ ہم میں اللہ کی صفات میں سے کوئی صفت نہیں۔ ہم سب مُردے ہیں، جاہلِ مطلق ہیں، بہرے ہیں، اندھے ہیں، گونگے ہیں اور ہم میں نہ ارادہ ہے نہ قدرت تو کیا پھر تم خاک ہو یا پتھر اور پھر اگر تمہاری یہ بات بھی بالفرض تسلیم کر لی جائے کہ تم سب کے سب اجساد جامد ہو تو بھی تمہارا پیچھا شرک سے نہیں چھوٹتا کہ جسم جامد ہونے کی صورت میں بھی "موجود ہونا" پایا جائے گا اور موجود ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو پھر شرک سے بچنے کے لئے اپنے وجود کا بھی انکار کر دو گے؟ یعنی کہ دنیا میں تمہارا وجود ہی نہیں ہے۔ پھر اگر تمہاری یہ باتیں صحیح ہیں تو بتاؤ کہ تم کیا ہو؟ تم کس حیثیت سے موجود ہو؟ دنیا میں کیونکر چلتے، پھرتے، دیکھتے، سنتے، دنیاوی کاروبار کرتے اور یہ شرک و کفر کی گردانیں رٹتے اور اوٹ پٹانگ تحریریں لکھتے اور لمبی چوڑی تقریریں جھاڑتے پھرتے ہو۔ تم میں یہ صفات کہاں سے آگئیں؟ کیا تم میں یہ صفات بالذات یعنی خود بخود ہیں یا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ؟

تو اب لامحالہ انہیں تسلیم کرنا پڑے گا اور کہنا پڑے گا کہ ہمیں یہ صفات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔ مگر اس قدر خرابیٔ بسیار کے بعد بھی اپنے خانہ ساز اصول کی بنا پر شرک سے نہ بچ سکے بلکہ مشرک ہی ٹھہرے۔ کیونکہ ان کا اصول یہ ہے کہ "پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے۔ خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی طاقت بخشی ہے۔ ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے"۔ تو ان کو

چاہیئے کہ کوئی تیسری صورت نکالیں اور شرک سے بچنے کی تدبیر کریں ۔ ؎

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

اور پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ نے مخلوق میں سے کسی کو کوئی صفت عطا نہیں فرمائی تو پھر افراد و اشیاء مخلوقات میں ہزارہا لکھو کھا بلکہ لاتعداد اقسام صفات کیونکر پائی جاتی ہیں ۔ مثلاً مختلف اقسام کی ادویہ اور جڑی بوٹیاں کہ نفع بھی پہنچاتی ہیں اور نقصان بھی ۔ اور چاقو ، چھُری ، تیر و تفنگ ، ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم وغیرہ ہتھیاروں میں یہ قوت کہاں سے ہے کہ جانداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیں اور پہاڑوں کو اڑا دیں اور علاقوں کے علاقے چشم زدن میں تباہ و برباد کر کے رکھ دیں ۔ نیز ٹیلیفون ، وائرلیس ، ریڈیو اور ٹیلیویژن وغیرہ میں یہ صفات کہاں سے آگئیں کہ سینکڑوں ، ہزاروں میل دور ہلکی سے ہلکی آوازوں اور تصویروں کو بھی آنِ واحد میں پہنچا دیں اور یہ بات تو صاف ہے کہ ان اشیاء میں صفات و تاثیرات ذاتی نہیں ہیں تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان اشیاء میں یہ صفات و تاثیرات بعطائے الٰہی ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی صفات و قدرتوں کا ظہور ان کے ذریعہ ہوتا ہے ۔

تو پھر جبکہ ایسی ادنیٰ اور بے جان اشیاء کے لئے بھی صفات و تاثیرات بعطائے الٰہی تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں تو حضرت انسان کے لئے (جو کہ اشرف المخلوقات ہے) صفات بعطائے الٰہی تسلیم کرنے میں کیونکر تامل ہو سکتا ہے ۔ پس وہابیہ کے انکار سے واضح ہے کہ یہ بیچارے عام انسان کے مقام و منصب سے بھی واقف نہیں چہ جائیکہ اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ بندوں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء اللہ قدسنا اللہ باسرارہم کے مقامات و مناصب کو جان سکیں ۔

پس آئیے اور دیکھئے کہ حضرت قبلہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس

سرہٗ العزیز اس سلسلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں ملاحظہ ہو : " تفسیر فتح العزیز پارہ اول زیرِ آیۃ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ۔

خلیفۃ اللہ کو زمین کی چیزوں اور ساکنانِ آسمان و مؤکلانِ کواکب پر حکمرانی حاصل ہے

بر تحقیق من گردانندہ ام در زمین خلیفہ را کہ خلافت من نماید در اشیاء زمین تصرف کند وچوں تصرف در اشیائے زمین بدوں تصرف در اسباب آں اشیاء کہ مربوط بآسمان است متصور نیست پس ہر چند آں خلیفہ از عناصر زمین پیدا شود و در محل کون و فساد ساکن و مستقر گردد اما در وے روحے آسمانی نیز خواہم دمید کہ بسبب آں روح بر سکان ، آسمان و مؤکلان کواکب نیز حکمرانی نماید و آنہا را بکار خود مصروف سازد چنانچہ گوئندہ گفت ؎

گدائے مصطبہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

ترجمہ :- اللہ تعالےٰ نے فرمایا " میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں " جو میری خلافت کرے اور زمین کی چیزوں میں تصرف کرے ۔ اور چونکہ اشیائے زمین میں تصرف کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس کے اسباب میں کہ جو اشیاء مربوط بآسمان ہیں تصرف حاصل نہ ہو ۔ اس لئے اگرچہ وہ خلیفہ زمین کے عناصر سے پیدا ہوگا اور محل کون و فساد میں سکونت اختیار کرے گا ۔ لیکن میں اس میں آسمانی روح پھونکوں گا ۔ جس کے سبب وہ ساکنانِ

آسمان اور مؤکلان کواکب پر بھی حکمرانی کرے گا، اور انہیں اپنے کام میں مصروف کرے گا"۔

اور اس کے بعد شاہ صاحب موصوف فرماتے ہیں :-

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفہ کو ایسی قدرت عطا فرمائی جو اس کی اپنی قدرت کا نمونہ ہے!

"او را قدرتے داد کہ نمونہ قدرت خود است بہ آں معنے کہ چنانچہ قدرتِ کاملہ الٰہی سبب وجود حقائق متأصلہ ثابتۃ الآثار است ہمچناں قدرت ایں خلیفہ بجمع و تفریق و تحلیل و ترکیب و حکایت و تصویر سبب مصنوعات بیشمار گردید۔ پس در جمیع صفات و آثار آنہا حکایت و انموذج صفات علیائے الٰہی گشت و معنئ خلافت متحقق شد"۔

ترجمہ :- پھر اللہ تعالےٰ نے اپنے خلیفہ کو ایسی قدرت عطا فرمائی جو اس کی اپنی قدرت کا نمونہ ہے۔ بہ ایں معنیٰ کہ جیسے اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ حقائق متاصلہ کے وجود کا سبب ہے۔ ایسے ہی خلیفہ کی قدرت جمع و تفریق، تحلیل و ترکیب اور حکایت و تصویر میں بیشمار مصنوعات کا سبب ہے۔ پس تمام صفات اور ان کے آثار میں اللہ تعالےٰ کی صفات علیاء کا نمونہ ہوگیا اور خلافت کے معنے ثابت ہوگئے"۔

فافہم و تدبّر ولا تکن من الوھابیین

اسماعیل دہلوی اور اس کے متبعین وہابیہ نے یہ اصول ٹھہرا رکھا ہے کہ مسلمانوں کو بہر نوع مشرک ثابت کرنے کے لئے جائز و ناجائز باتوں کو خلط ملط

کرکے ناجائز امور کی آڑ میں جائز امور پر بھی ناجائز ہونے کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں، مثلاً اسی عبارت کو لیجئے "؛ اللہ کا سا تصرّف ثابت کرنا محض شرک ہے"۔ یہ بات صحیح ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ جو کوئی کسی کے لئے اللہ کا سا تصرّف ثابت کرے یا تسلیم کرے یعنی غیر اللہ کے لئے قدرتِ تصرّف ذاتی، مستقل، ازلی، ابدی، جانے اور مانے تو یقیناً مشرک ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی صحیح العقیدہ مسلمان انبیاء و رسل علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ قدسنا اللہ باسرارِھم میں سے کسی کے لئے تصرّف و علم وغیرہ کوئی صفت ذاتی، مستقل، ازلی، ابدی نہ جانتا ہے اور نہ مانتا ہے مگر وہابیہ کا مسلمانانِ اہل سنت و الجماعت پر یہ الزام رکھنا کہ وہ انبیاء و اولیاء کے لئے صفاتِ ذاتی جانتے اور مانتے ہیں سراسر ظلم عظیم اور بہتان و افتراء ہے۔ پس "؛ اللہ کا سا تصرّف ثابت کرنا محض شرک ہے"۔ لکھ کر اس صحیح بات کے ساتھ اس غلط بات کو جوڑ دیا کہ "؛ پھر خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے۔ ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے"۔ اور پھر دونوں باتوں پر یکساں طور پر شرک ہونے کا فتویٰ ٹھونک دیا۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔

نعوذ باللہ من شرور الوھابیہ

مخلوق کے لئے تصرّف بہ عطائے الٰہی قرآن و حدیث سے ثابت ہے چنانچہ آپ ملاحظہ کرچکے ہیں اور مزید یہ کہ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں اپنے برگزیدہ بندے حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے خطاب فرماتا ہے :-

• واذ تخلق من الطين كهيئة الطير باذني فتنفخ فيها فتكون طيرا باذني وتبرئ الاكمه والابرص باذني واذ تخرج الموتى باذني۔ الآیتہ (پ سورۃ المائدہ ع ۱۵)

ترجمہ :- اور جب مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی اور تو مادرزاد اندھے

اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا۔ اور جب تو مُردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا۱؎"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں:۔

اِنّی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطّیر فانفخ فیہ فیکون طیرًا باذن اللہ وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتیٰ باذن اللہ وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم۔ الآیۃ (سورۃ آل عمران رکوع ۵)

ترجمہ:۔ میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے۔ اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرمایا۔ میں نے قوت اور قدرت تصرف عطا فرمائی کہ تم مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ زندگی

۱؎ اس آیۃ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نبی بحکم الٰہی دافع البلاء اور مشکل کشا ہوتے ہیں۔ کیونکہ اندھا یا کوڑھی ہونا بلاء ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دم سے دفع ہوتی تھی اور آپ قبر میں دفن شدہ مردوں کو زندگی بخشتے تھے۔ چنانچہ آپ نے صدہا سال پیشتر فوت شدہ حضرت سام بن نوح علیہ السلام کی قبر پر جا کر انہیں زندہ فرمایا۔ لہٰذا اگر حضور غوث پاک نے بارہ برس کی ڈوبی کشتی کو صحیح سلامت نکالا ہو تو کیا بعید ہے۔ اس برات کے دولہا کا نام کبیر الدین ہے۔ لقب دریائی دولہا۔ اب انہیں شاہ دولہ کہا جاتا ہے ان کی قبر شریف گجرات (پاکستان) میں ہے۔

(نور العرفان فی حاشیۃ القرآن ص۲۰۰)

پا کر اڑنے لگتا اور تو مادرزاد اندھے اور برص والے کو شفاء دیتا اور تو مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "میں مٹی سے پرندہ کی صورت بنا کر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ زندگی پا کر اڑنے لگتی ہے۔ ناقابلِ علاج امراض والوں، مادرزاد نابینا ہونے اور برص والے کو شفاء بخشتا ہوں۔ میں مُردے زندہ کرتا ہوں اور جو کچھ تم کھاتے اور جو کچھ گھروں میں رکھتے ہو سب کچھ بتا دیتا ہوں اور یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سب امور اللہ تعالیٰ کی خاص صفات سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان صفات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب فرمایا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ان صفات خاص کو اپنی طرف نسبت دی ہے اور یہ اس لئے کفر و شرک میں داخل نہیں کہ ان افعال و صفات کی نسبت باذن اللہ یعنی بہ عطائے الٰہی ہے نہ کہ بالذات۔ پھر اگر وہابیہ کے اصول کو تسلیم کیا جائے تو نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام مشرک ثابت ہوتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھی شرک ثابت ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ من ھفوات الوھابیہ۔

چنانچہ وہابیہ کا اصول۔ کہ: "پھر خواہ یوں سمجھیے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے یا یوں سمجھیے کہ اللہ نے ان کو ایسی طاقت بخشی ہے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔" (تقویۃ الایمان)

اور حضرت ماہر صاحب فرماتے ہیں کہ: "یہ عطائی اور ذاتی کی بحث و تفریق بڑی دھوکہ میں ڈالنے والی چیز ہے۔" (فاران توحید نمبر) صحیح و درست قرار دیا جائے تو پھر ان آیات قرآنی اور روایات حدیث کے متعلق کیا کہا جائے گا، جن میں اللہ تعالیٰ کی عطا کا بیان بالوضاحت مذکور ہے۔ کیا یہ وہابی صاحبان ایسے فرمان الٰہی اور فرمان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) بڑی دھوکہ میں ڈالنے والی چیز کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے عطا فرمایا

اور رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے اللہ تعالےٰ نے یہ کچھ عطا فرمایا ہے": دیکھئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: "انّا اعطینٰك الکوثر - ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرما دیا"۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا: "اُعْطِیْتُ مَالَمْ یُعْطَ اَحَدٌ مِّنَ الْاَنْبِیَآءِ قَبْلِیْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحُ الْاَرْضِ" - (رواہ احمد و ابوبکر بن ابی شیبۃ عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم)

ترجمہ :- مجھے وہ عطا ہوا جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملا۔ رُعب سے میری مدد فرمائی گئی اور مجھے ساری زمین کی کنجیاں عطا ہوئیں"۔

اس مضمون کی حدیثیں گذشتہ صفحات میں مذکور ہو چکی ہیں۔ نیز قرآن مجید میں ایسی آیات بکثرت ہیں جن میں عطاءِ الٰہی کا بیان ہے۔

قولہٗ تعالےٰ: "وَ آتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا - ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو زبور عطا فرمائی"۔

وقولہٗ تعالےٰ: "فقد اٰتینا آل ابراھیمَ الکتٰبَ والحکمۃ وآتینٰھم مُلکًا عظِیمًا - الآیۃ - ہم نے ابراہیم (علیہ السّلام) کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بڑا ملک دیا"۔

یہودی کہتے ہیں کہ ہم بنی اسرائیل ہیں، نبوّت اور حکومت کے ہم مستحق ہیں تو پھر ہم حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عرب کی اطاعت کیسے کریں۔ یہود کے جواب میں یہ آیۂ مبارکہ نازل ہوئی: "ام یحسدون الناس علیٰ ما اٰتٰھُمُ اللہ مِن فضلِہٖ فقد اٰتینا آل ابراھیمَ الکتٰبَ والحکمۃ وآتینٰھم مُلکًا عظِیمًا - (پ ۵ سورۃ النساء ع ۸) یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں، اُس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو ہم نے تو ابراہیم (علیہ السّلام) کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بڑا ملک دیا"۔ یعنی نبوّت اور علم کے ساتھ دنیاوی سلطنت جیسے حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت سلیمان

علیہم السّلام کہ اللہ نے انہیں نبوّت اور سلطنت دونوں بخشیں۔ ایسے ہی اگر ہم نے اپنے محبوب محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوّت اور سلطنت بخشی تو تم کو کیوں بُرا لگا۔ (نور العرفان)

وقولہٗ تعالےٰ: "اِنّا مکّنّا لہٗ فی الارض وآتینٰہُ مِن کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا - (پ ۱۶ سورۃ الکہف ع ۱۱) بیشک ہم نے اسے زمین میں قابو دیا اور ہر چیز کا ایک سامان عطا فرمایا"۔

تفسیر جمل میں ہے: "مکّنّا لہٗ امرہٗ من التصرف فیھا کیف یشاء" یعنی ہم نے ذی القرنین کو زمین میں تصرّف کرنے کی قدرت عطا فرمائی۔ جس طرح چاہے تصرّف کرے"۔

نیز معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیائے عظّام قدس اللہ باسرارھم کے متعلق ان صفات اور فضائل کو جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں تسلیم کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں (معاذ اللہ) عطائی خدا مان لیا گیا ہے۔ یہ محض ماہر صاحب کی شاعرانہ جدت طرازی اور نکتہ نوازی کا کرشمہ ہے جس کی کچھ حقیقت نہیں۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالےٰ نے ان اوصاف اور قدرتوں کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف فرمائی جو خاص اوصافِ الٰہی ہیں۔ مگر ساتھ ہی باذن اللہ فرما کر واضح فرما دیا کہ میرے برگزیدہ بندے عیسیٰ (علیہ السلام) میں یہ صفات میرے اذن اور میری عطا سے ہیں۔ پس اللہ تعالےٰ کے ارشاد سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ اپنے مقبول اور برگزیدہ بندوں کو ایسی صفات سے متصف فرماتا ہے جس سے دوسرے عام انسان بہرہ ور نہیں ہوتے اور ان مقبول برگزیدہ نفوس قدسیہ کے متعلق ان صفات کو تسلیم کرنا قرآن و حدیث پر ایمان لانا ہے نہ کہ کفر و شرک۔

پس یہ کہنا کہ: "ذاتی اور عطائی کی بحث و تفریق بڑی دھوکے میں ڈالنے والی چیز ہے"۔ بجائے خود دھوکہ میں ڈالنا ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ مسئلہ توسل و استمداد، قرآن و حدیث اور ارشادات بزرگانِ دین سے احسن و اکمل طور پر اظہر من الشمس ہوا۔ نیز اکابرین وہابیہ کے اقوال سے اتمام حجت ہو چکی اور ضمناً منکرین کے خیالاتِ فاسدہ و عقائدِ باطلہ کی مکمل تردید بھی ہو گئی اور مضمون پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

رسالہ تنویر الایمان جلد اوّل کے تتمہ میں تبرکاً و تیمناً

مسئلہ توسّل و استمداد پر شیخ محقق شاہ عبدالحق

محدّث دہلوی کا محققانہ محاکمہ

تحریر کرتا ہوں جو حرفِ آخر کا مقام رکھتا ہے۔ وھو ھذا۔ "یہ بات ٹھہری ہوئی ہے کہ ان چاروں مواطن[1] میں پہلا موطن اس جناب عالم و عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خاص ہے یعنی جیسا کہ توسّل کیا گیا آپ کی روحِ مبارک سے ساتھ قبل آپ کے خلعتِ جسمانی پہننے کے، اور کسی نبی یا ولی کی روح کے ساتھ وقوع میں نہیں آیا اور کوئی نبی یا ولی اس منقبت عظمیٰ میں آپ کے ساتھ شریک نہیں اور نہ وارد ہونا نص کا حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا اس باب میں کفایت کرتا ہے۔ مگر توسّل اس جناب کے ساتھ نشاۃ حیات دنیا میں ظاہر ہے کہ آپ کے خصائص سے نہیں ہے بلکہ آپ کے تابعین کو بھی جو آپ کے شرف اتباع اور شرفِ قرابت سے مشرف ہیں ثابت ہے اور ثبوت کرامات

---

[1] (۱) حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دنیا میں بہ ظاہر تشریف آوری سے قبل (۲) آپ کے حینِ حیاتِ ظاہری بر (۳) آپ کی رحلت کے بعد قیام بہ عالم برزخ کے زمانہ میں (۴) روزِ قیامت۔

اور تصرفات غیر متناہیہ ان حضرات کا مکوّنات میں اس مطلب کے اثبات میں کافی ہے اور توسّل عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قضیہ طلب باراں میں بھی ظاہر ہوتا ہے اور کسی عالم کا اس میں خلاف معمول متحقق نہیں[1] ہے اور اسی طرح توسّل اور طلب۔ مدد بہ وسیلہ شفاعت قیامت کے دن انبیاء اور اولیائے[2] امّت کو بھی جائز ہے، چنانچہ عقائد کی کتابوں میں موجود ہے۔ اب رہا تبرّک و توسّل عالم برزخ اور موطن قبر میں وہ بھی حضرات انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اولیاء و صلحائے امّت کے ساتھ جائز ہے۔ اس جہت سے کہ حالتِ حیات میں تو جواز توسّل عام ہے اور یہ ٹھہرا ہوا ہے کہ بعد موت کے روح میّت باقی رہتی ہے اور بہ سبب ایمان و عمل صالح و شرف اتباع حضرت سیّد الرّسل صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس کو شعور و ادراک و قرب و منزلت خدا تعالیٰ کے نزدیک حاصل ہے تو بعد مرنے کے بھی ان کے ساتھ توسّل کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ساتھ اس کے کہ حقیقت معنے توسّل و استمداد کے سوال و دعا ہے۔ جناب باری سے بہ واسطہ اس محبت و اکرام کے جو اس بندۂ خاص کے ساتھ رکھتا ہے یا اس بندہ کی روح سے طلب و التماس ہے اس بات کی کہ حضرت حق تعالیٰ و تقدس کی جناب میں بوسیلہ اپنے قرب و کرامت کے ہمارے واسطے یہ دعا کرے اور اس میں نص صریح کے وارد ہونے کی حاجت نہیں۔ کیونکہ جس کو وسیلہ ٹھہرایا ہے اس کی ذات باقی ہے۔ بخلاف پہلے موطن کے بلکہ نہ وارد ہونا نص کا اس کے

---

[1] حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے ارشاد سے واضح ہے کہ منکرین توسّل و استمداد وہابیہ جاہلِ مطلق ہیں۔ ان کا شمار علماء میں نہیں کیا جا سکتا۔

[2] اولیاء اللہ سے توسّل و استمداد کے ثبوت میں تنویر الایمان جلد دوم میں مکمل و مدلّل مضمون ملاحظہ کریں۔

منع پر کافی ہے۔ ہاں اگر کوئی دلیل قاطع قائم ہو اس بات پر کہ سوائے انبیائے کرام علیہم السّلام کے اور کسی کے ساتھ توسّل کرنا درست نہیں تو البتہ منع کرنا درست ہوگا اور ظاہر یہ ہے کہ کوئی دلیل نہیں" انتہی کلام الشریف (جذب القلوب)

شیخ المحققین شاہ عبد الحق محدّث دہلوی قدسنا اللہ باسرارہ کے محاکمہ سے معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء سے توسّل و استمداد کے جواز پر تمام علمائے امّت متفق ہیں اور حضور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور اولیاء کے مزاراتِ مقدّسہ پر حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرنا اور ان کی خدمت میں یوں عرض کرنا کہ ہماری حاجت روائی اللہ تعالٰی سے کروا دیں۔ ہماری مشکل کشائی کے لئے اللہ تعالٰی کی بارگاہِ عالیہ میں شفاعت فرمائیں۔ بلاخلاف جائز و مستحسن ہے اور اس کے ممنوع ہونے پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل ثابت نہیں۔

شاہ صاحب کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ تک منکرین گستاخ نجدی وہابیوں کا ظہور نہیں ہوا تھا جو کہ قرآن مجید کی ان تمام آیات اور حدیث کی روایات کو جو بتوں کی تردید اور بُت پرست کفار و مشرکین کی مذمت میں وارد ہیں نفوسِ قدسیہ، انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ قدسنا اللہ باسرارھم اور ان سے توسّل و استمداد کرنے والے مسلمانانِ اہلِ سُنّت والجماعت پر چسپاں کرتے ہیں اور آپ کے ارشاد سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ جن آیاتِ قرآن و روایاتِ حدیث کے سہارے سے منکرین وہابیہ توسّل و استمداد کو ناجائز و حرام اور کفر و شرک ثابت کرتے ہیں۔ ان آیات اور روایات سے توسّل و استمداد کے ناجائز و حرام یا کفر و شرک ہونے پر کوئی دلیل ثابت نہیں ہوتی۔

یہ محض نجدیہ وہابیہ کی تحریفِ قرآن و حدیث کا ہی کرشمہ ہے جو یحرّفون الکلم عن مواضعہٖ کے مصداق افتراء علی اللہ وعلی

الرّسول کر کے جرمِ عظیم کے مرتکب ہیں جو کہ عنقریب اپنے کئے کی جزا و سزا کو پہنچنے والے ہیں کہ روزِ قیامت دُور نہیں ہے تاہم ان کی یہ تمام اچھل کود بیکار ہے اور حق و صداقت اپنے مقام پر قائم و دائم ہے۔ والحمد للہ علٰی ذالک ؎

گر نہ بیند بروز شب پرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اعلٰحضرت مجدد دین و ملّت مولینا احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ؎

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالٰی مسلمانانِ اہلِ سنت و جماعت کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور ان سے اپنی پناہ میں رکھے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔ جنّ اور آدمی جو بہت گمراہ کن ہیں، ایسے انسان بہت خیر خواہ بن کر لوگوں کے پاس جاتے ہیں۔ اگر ان کی ایک بات مان لو تو آئندہ زیادہ منانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر پہلے ہی انہیں دُرکار دیا جائے تو ہٹ جاتے ہیں۔ ان سے غافل نہ رہنا چاہیئے کہ دولتِ ایمان کے ڈاکو بہت ہیں۔

اللّٰھم اعذنا منھم آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔
بجاہ نبیک حبیبک شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین
وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ و نور عرشہ سیّدنا و مولٰینا محمّد و علٰی آلہٖ و اصحابہٖ و اولیائہٖ و علمائے امّتہٖ

وسائر اہل السنّۃ والجماعۃ اجمعین۔

حرفِ آخر

مؤرخہ ۱۳ رجمادی الثانی ۱۳۷۷ھ بمطابق ۴ رجنوری ۱۹۵۸ء

الفقیر الی الرحمان ابوالحسان حکیم محمد رمضان علی قادری قریشی غفر لہٗ

خطیب جامع مسجد غوثیہ اہل سنت وجماعت۔ سنجھورو ضلع سانگھڑ

(سندھ)

استمدادِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

یا خاتم الرّسل المبارک ضنوّۃ صلّی علیک منزّل القرآن

اے ختم الرسل آپ برکت وسعادت کے چشموں کا منبع ہیں قرآن نازل کرنے والے نے آپ درود بھیجا ہے

حضرت عمر جنّ صحابی رضی اللہ عنہ

فصلوٰۃ الٰہ الخلق علیک وجاد فملّکت السّکب

خلقت کے معبود (اللہ تعالیٰ) کا درود آپ پر ہو اور آپکے روضۂ انور پر رحمت کی موسلادھار بارش ہو

غوث اعظم قدس سرہٗ

چو ذرّہ ذرہ شود ایں تنم بہ خاک لحد تو بشنوی صلوات از جمیع ذرّاتم

سلام گویم وصلوات بر تو ہر نفسے قبول کن بہ کرم ایں سلام وصلواتم

خاک لحد میں میرے جسم کا ریزہ ریزہ بھی ہو جائے تب بھی آپ میرے جسم کے تمام ذرات سے صلوٰۃ وسلام کی آواز سنیں گے میرا ہر سانس آپ پر درود وسلام پڑھتا ہے۔ آپ اپنے کرم سے میرے اس صلوٰۃ وسلام کو قبول فرمائیں۔

حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ

یا صاحب الجمال ویا سیّد البشر من وّجہک المنیر لقد نوّر القمر

لا یمکن الثّناء کما کان حقّہٗ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ابن خلدون ولی الدین عبدالرحمٰن

انّی دعوتک واثقاً باجابتی یا خیر مدعوّ وخیر مجیب

میں نے بڑے وثوق سے آپ کو پکارا ہے اب میری دعا ضرور قبول ہوگی اے پکارے جانے والوں اور جواب دینے والوں میں سب سے بہتر

حضرت عبدالرحمٰن جامی

یا شفیع المذنبیں بار گنہ آوردہ ام — بر درت ایں بار با پشتِ دوتاہ آوردہ ام
چشمِ رحمت بر کشا موئے سفیدِ من نگر — گرچہ از شرمندگی روئے سیہ آوردہ ام

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی

خرابم در غمِ ہجر جمالت یا رسول اللہ — جمالِ خود نما رحمے بہ جانِ زار شیدا کن
بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما — بہ لطفِ خود سر و سامانِ جمع بے سر و پا کن

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

صلی اللہ علیک یا خیر خلقہ — و یا خیر مامول و یا خیر واہب

آپ پر اللہ کا درود ہو اے بہترین کائنات اے بہترین امید گاہ اے بہترین صاحبِ عطا!

شاہ رفیع الدین ابن شاہ ولی اللہ

یا احمد المختار یا زین الورٰی — یا خاتماً للرسل ما اعلاک

اے احمد مختار اے مخلوق کو زینت بخشنے والے اے خاتم الرسل (خاتم النبیین) آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

دلش نالد، چرا نالد نداند
نگاہے یا رسول اللہ نگاہے

مولانا رومی قدس سرہٗ

نام احمد چوں چنیں یاری کند — تاکہ نورش چوں مددگاری کند
نام احمد چوں حصارے شد حصیں — تا چہ باشد ذاتِ آں روح الامیں

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین الرحمان الرحیم مالک یوم الدین والصلوٰۃ والسلام علےٰ شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین سید الاولین والاٰخرین وسیلتنا فی الدنیا وفی یوم الدین خاتم النبیین محمد رسول اللہ وعلےٰ آلہ الطیبین الطاہرین واصحابہ المکرمین المعظمین واولیاء اُمتہٖ واحبابہٖ وعلینا معھم اجمعین۔

برادرانِ اسلام۔ کتاب "تنویر الایمان" حصہ اول میں آیاتِ قرآن مجید، روایاتِ حدیث شریف، مفسرین، محدثین اور فقہاء وعلماء امت کے ارشادات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ دنیا کا سارا کارخانہ بمشیت ایزدی سرکار دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھوں پہ ہے۔ تمام جہان اور اسکا قیام انہی کے دم قدم سے ہے۔ عالم جس طرح ابتدائے آفرینش میں ان کا محتاج تھا کہ لولاک لما خلقت الدنیا۔ یونہی بقا میں بھی ان کا محتاج ہے۔ آج اگر ان کا قدم درمیان سے نکال لیں ابھی ابھی فنائے مطلق ہو جائے۔

وہ نہ تھے تو باغ میں کچھ نہ تھا وہ نہ ہوں تو باغ ہو سب فنا
وُہ ہیں جان جان سے ہے بقا وہی بُن ہیں بُن سے ہی بار ہے

الغرض بارگاہِ الٰہی کا سب لینا دینا، اخذ وعطا سب سرکارِ دوعالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھوں ان کے وسیلہ سے ہے کہ یہی "خلافتِ عظمیٰ" ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تبعیت ونیابت میں ان کے فرمان کے تحت مخلوق کا رزق پانا، مدد ملنا، بارش برسنا، بلائیں دور ہونا، دشمنوں پہ فتح پانا، عذاب کا ٹلنا یہاں تک کہ زمین کا قیام، زمین کی نگہبانی، خلق کی موت، خلق کی زندگانی، بندوں کی حاجت روائی، راحت رسانی سب اولیاء کے وسیلے۔ اولیاء کی برکت۔ اولیاء کے ہاتھوں اور اولیاء کی وساطت سے ہے۔

فقیر ابوالحسان قادری غفرلہٗ، تنویر الایمان حصّہ دوم میں یہ سب کچھ بعون اللہ تعالےٰ وبعون رسولہ الاعلیٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم، قرآن مجید، حدیث شریف، مفسّرین، محدّثین اور فقہاء وعلماءِ امّت کے ارشادات سے بخوبی واضح کرے گا۔

ونیز منکرین، پیشوایانِ وہابیہ کے اقوال وافعال سے بطورِ اتمامِ حجّت یہ ثابت کرے گا کہ ایک طرف تو یہ لوگ ان امور کو شرک وکفر قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف ان تمام امور کو تسلیم بھی کرتے ہیں۔ ایک طرف وہ حضورِ انور علیہ الصلوٰۃ والسّلام واولیاءِ کرام سے توسّل واستمداد کو خلاف قرآن وحدیث اور ناجائز وحرام بتاتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف وہ خود توسّل واستمداد پر عامل ہیں۔

پھر طُرفہ تماشہ یہ کہ لوگ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسّلام واولیاءِ عظّام قدسنا اللہ باسرارہم کے جن فضائل وبرکات کی تردید کرتے ہیں انہی فضائل وبرکات کو وہ اپنے گروہ کے پیشواؤں کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ المختصر۔ نجدیہ وہابیہ جن عقائد واعمال کی بنا پر مسلمانوں کو مشرک وکافر ٹھہراتے اور خدائی فوجدار بنتے ہیں۔ خود انہی عقائد کے حامل اور انہی اعمال پر عامل ہونے کے باوجود اسلام کے واحد ٹھیکیدار بھی بنتے ہیں۔ ناظرین ان کے گورکھ دھندے کو دیکھ کر خود پکار اٹھیں گے کہ ے

بسوخت عقلِ زحیرت کہ ایں بوالعجبی ست

تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَمّا بعد۔

برادرانِ اسلام۔ تنویر الایمان حصہ دوم کی تمہید بھی وہی ہے جو حصّہ اوّل میں لکھی گئی ہے۔ اس لئے حصّہ دوم کے مطالعہ سے قبل اُس کو پھر غور کے ساتھ پڑھ لیں۔ اسی پر مستزاد یہ کہ فقیر ضروری سمجھتا ہے کہ اولیاءُ اللہ سے توسّل اور استمداد کو ناجائز وحرام اور کفر وشرک قرار دینے والے وہابیہ کے گمراہ کن فتاویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی مزید وضاحت کر دی جائے تاکہ قارئین کے لئے کوئی الجھن باقی نہ رہ جائے۔

دراصل بات یہ ہے کہ گروہِ وہابیہ کا سلسلۂ نسب معنوی اس منافق ”حرقوص بن زہیر“ گستاخِ رسول سے ہے۔ جس نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کا بدترین مظاہرہ کیا تھا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم ”یمن“ سے آیا ہوا مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص آیا الجھی ہوئی گھنی داڑھی والا، بلند رخساروں دھنسی ہوئی آنکھوں والا، اُسترے سے سر منڈا ہوا، اس نے کہا ”اے محمد خدا سے ڈر“! (یعنی مالِ غنیمت تقسیم کرنے میں بے انصافی نہ کر) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اگر میں ہی اللہ کی نافرمانی کروں تو اور کون اللہ کی فرمانبرداری کرے گا؟ اللہ ، تو مجھے زمین والوں پر امین بناتا ہے، آیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے“۔ ؟ پھر جب وہ شخص پیٹھ پھیر کر مڑا (یعنی واپس جانے لگا) تو جماعت میں سے ایک آدمی غالباً خالد بن ولید نے حضور سے اس شخص کو قتل کر دینے کی اجازت طلب کی، حضورِ انور نے فرمایا ”اس کی اصل سے ایک ایسی قوم نکلنے والی ہے کہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا، وہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں سے تعرض نہیں کریں گے، وہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر نشانہ (شکار) سے پار نکل جاتا ہے۔“ اور ایک روایت میں ہے۔ اس (معترض) کو جانے دو۔

(یعنی اس کو قتل نہ کرو) پس یقیناً اس کے ایسے ساتھی پیدا ہونے ہیں جن کی نمازوں کے سامنے تم اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے اور ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں کو حقیر سمجھو گے، وہ قرآن کے قاری ہوں گے، لیکن قرآن انکی گردنوں سے نیچے نہیں اترے گا۔" (مسلم صفحہ ۳۴۰، ۳۴۱ ج اوّل) شارح مسلم حضرت امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ "محدّث قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے اس کے دو معنے بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ یہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے دل تعلیماتِ قرآن کو نہیں سمجھ سکیں گے۔ اور تلاوتِ قرآن سے کچھ نفع حاصل نہیں کریں گے، حلق، حنجرہ اور منہ سے ادائیگی حروفِ تقطیع و تلاوت کے سوائے قرآن سے ان کے لئے کچھ بھی حصّہ نہیں ہے۔ اور دوسرے یہ کہ ان کا کوئی عمل اور تلاوتِ قرآن بارگاہِ الٰہی میں نہ پہنچے گا۔ اور نہ قبول کیا جائے گا۔"

بخاری صفحہ ۶۲۳ ج ۲ پر اسی گستاخِ رسول کے مندرجہ بالا حلیہ کے ساتھ مشمّر الازار بھی وارد ہے یعنی اس معترض نے تہبند کھینچ کر باندھ رکھا تھا، نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے خوارج کی ایک علامت یہ بھی بیان فرمائی۔ سیماھم التحالق (مسلم صفحہ ۳۴۲ ج ۱) اُسترے سے سر منڈانا ان کی خاص علامت ہے۔"

شیخ محقق عبد الحق محدّث دہلی علیہ الرحمۃ، اشعۃ اللمعات صفحہ ۵۶۱ ج ۴ میں فرماتے ہیں۔ "ایں حلیہ دلالت دارد بر شرارت وجہالت وقساوت قلب وہمہ خوارج ہم چنیں بودند۔" یہ حلیہ شرارت وجہالت اور قساوتِ قلب پر دلالت کرتا ہے اور سارے خارجی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ان کی یہ علامت بھی بیان فرمائی ہے۔ "یتلون کتاب اللہ رطباً لایجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ۔" (بخاری) اور مسلم صفحہ ۳۴۱ ج ۱ میں ہے۔ "یتلون کتاب اللہ لیّناً رطباً۔ الحدیث۔" اس کے تحت امام نووی فرماتے ہیں۔ "ومعناہ سھلاً لکثرۃ حفظتھم وقیل لیّناً ای یلوون السنتھم بہ ای یحرّفون معانیہ وتاویلہ۔" یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن کو آسانی سے پڑھ لیں گے اور کثرت سے حافظِ قرآن ہوں گے۔ نیز یہ معنے بھی بیان کئے گئے ہیں کہ یہ لوگ قرآن مجید کے معنوں اور تاویل میں تحریف کریں گے۔" یعنی یہ لوگ قرآن کے معنوں میں گڑبڑ کریں گے اور غلط مطلب نکالیں گے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اُمّت کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا۔ "لَا یَزَالُوْنَ یَخْرُجُوْنَ حَتّٰی یَخْرُجَ آخِرُھُمْ مَعَ الدَّجَّالِ فَاِذَا لَقِیْتُمُوْھُمْ ھُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِیْقَۃِ۔ یہ نکلتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ ان کی آخری جماعت دجّال کے ساتھ ہوگی۔ اگر تم ان سے ملو تو جان لو کہ وہ تمام خلقت میں بدتر ہیں۔ اور حضورِ انور نے مسلمانوں کو تاکیداً فرمایا۔ اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ۔ ان لوگوں کو اپنے قریب نہ آنے دو اور نہ تم ان کے قریب جاؤ۔ انہیں خود سے دُور رکھنا اور خود بھی ان سے دُور رہنا۔ تاکہ تم ان کی گمراہیوں سے بچے رہو۔

تاریخ شاہد ہے کہ فتنۂ خوارج نے اسلام اور مسلمانوں کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے اتنا کفّار نے نہیں پہنچایا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خارجی ہر زمانہ میں مختلف شکلوں اور صورتوں میں موجود رہے ہیں اور مسلمانوں کو مشرک و کافر قرار دیتے اور انہیں قتل و غارت کرتے رہے ہیں۔ ان لوگوں نے کبھی بت پرست کافروں کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ارشاد کے مطابق کہ فرمایا۔ یقتلون اھل الاسلام ویدعون اھل الاوثان (مسلم و بخاری) ہمیشہ ملّتِ اسلامیہ ہی کے خلاف سرگرم عمل رہے ہیں۔ کبھی زیرِ زمین رہ کر اور کبھی علی الاعلان۔ حتیٰ کہ وہی خارجی مختلف زمانوں میں روپ بہروپ بدلتے ہوئے تیرہویں صدی ہجری میں موجودہ وہابیہ کی صورت میں نمودار ہوگئے۔ ان کے صحیح و مستند اور مفصّل حالات سے واقفیت کے لئے فقیر کی تالیف "مکمل تاریخِ وہابیہ" کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ تاکہ ان کے اصلی خدوخال پہچان کر ان کے مکروفریب سے بچے رہ سکیں۔ وہابیہ کی حقیقت سے بےخبر مسلمان ان کی مومنانہ صورتوں کو دیکھ کر دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کیا یہ لوگ مسلمان نہیں، کیا یہ نمازیں نہیں پڑھتے۔ روزے نہیں رکھتے، قرآن نہیں پڑھتے۔؟ آخر ان لوگوں میں کونسی برائی ہے کہ علماء اہلسنّت انہیں اچھا نہیں سمجھتے۔ حالانکہ علمائے اُمّت اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ مُخبر صادق محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ارشادات امت تک پہنچانے کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ یہ حضور انور ہی کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ بہترین نمازی ہوں گے، بہترین روزے رکھنے والے ہوں گے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود دینِ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے۔ جیسے تیر نشانہ سے پار نکل جاتا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جس طرح منافق حرقوص بن زہیر ابوالخوارج نے بظاہر کلمہ پڑھتے، نمازیں پڑھتے، روزے رکھنے اور حضور کی رسالت کا اقرار کرنے کے باوجود "اِتَّقِ اللہ یا محمّد" کہہ کر حضور کی شانِ اقدس میں گستاخی کی تھی۔ حضورِ انور کو عام انسانوں

پر قیاس کرتے ہوئے "اعدل، عدل و انصاف سے مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا وعظ سنا کر حضور رسالتماٰب کی توہین کا مرتکب ہوا تھا۔ اسی طرح یہ وہابی بھی کلمہ پڑھنے، نمازی، روزے دار اور قاری و حافظِ قرآن ہونے کے باوجود رسولِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں بیحد گستاخ ہیں۔ اپنی تحریروں اور تقریروں میں حضورِ انور کے فضائل کا انکار کرتے اور توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مطابق قرآن ان کی زبانوں پر ہے لیکن ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترتا۔ یہ لوگ قرآن مجید کے نُور اور فیوض و برکات سے محروم اور قرآن و حدیث کے صحیح مفہوم سے ناآشنا ہیں۔ یہ لوگ قرآن و حدیث کے معنوں میں تحریف کرتے اور غلط مطلب نکالتے ہیں۔ وہابی مولوی تحریف کے زور سے کفار کے معبودانِ باطل بتوں وغیرہ کی تہدید و مذمت میں نازل شدہ آیات کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام واولیاء اللہ پر اور کفار کے بارے میں نازل شدہ آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں یعنی بتوں کی جگہ انبیاء و اولیاء کو اور مشرکین کی جگہ مسلمانوں کو مراد لیتے ہیں اور ان کی یہ مذموم حرکت ان کے خارجی الاصل ہونے کی محکم دلیل ہے۔

"کان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین (بخاری ص۱۰۲۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما خارجیوں کو اللہ تعالی کی بدترین مخلوق جانتے تھے اور فرماتے تھے یہ لوگ ان آیاتِ قرآن کو جو کفار کے بارے میں نازل ہوئیں مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔"

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ تکون بعدی ائمۃ لا یھتدون بھدای ولا یستنون بسنتی وسیقوم فیھم رجال قلوبھم قلوب الشیاطین فی جثمان انس (مسلم ص۱۲۷ ج۲) میرے بعد ایسے پیشوا پیدا ہوں گے جو میری ہدایت سے ہدایت نہ پائیں گے اور نہ میرے طریقہ پر چلیں گے، ان میں ایسے لوگ کھڑے ہو جائیں گے جن کے دل شیاطین کے دل ہوں گے انسانی لباس میں۔"

نیز فرمایا "دعاۃ علی ابواب جھنم من اجابھم الیھا قذفوہ فیھا۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صفھم لنا۔ قال نعم۔ ھم قوم من جلدتنا ویتکلمون

بالسنتنا (مسلم ص۱۲۷ ج۲۔ بخاری ص۵۰۹ ج۱) دوزخ کے دروازوں پر بلانے والے، جو دوزخ کی طرف جانے والی ان کی باتیں مانے گا اسے دوزخ میں ڈال دیں گے (یعنی ایسے پیشوا جو لوگوں کو ہدایت کے لباس میں گمراہی دیں گے، خیر دکھا کر شر دکھائیں گے، توحید کی آڑ میں گستاخیِ رسول کی تعلیم دیں گے، شربت ظاہر کر کے زہر پلائیں گے، یہ لوگ دوزخ میں بھیجنے کا سبب ہوں گے) وہ ہمارے گروہ (مسلمانوں میں) سے ہوں گے اور ہماری زبان میں کلام کریں گے۔"

نیز فرمایا "یخرج فی آخر الزمان رجال یختلون الدنیا بالدین یلبسون للناس جلود الضأن السنتھم احلی من السکر وقلوبھم قلوب الذیاب۔ الحدیث۔ (ترمذی ص۶۳ ج۲) آخر زمانہ میں کچھ لوگ ظاہر ہوں گے جو دین کے بہانے دنیا کمائیں گے (دنیا کو دین کے ذریعے دھوکہ دیں گے) لوگوں کے سامنے بھیڑوں کی کھال پہنیں گے۔ (خود کو صلح پسند اور خوش اخلاق ظاہر کریں گے تاکہ لوگ انہیں پاکباز اور خدا رسیدہ سمجھیں) ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی (حالانکہ) ان کے دل بھیڑیوں کے سے (خونخوار) ہوں گے۔"

لیعنی دھوکہ سے جھپٹ کر لوگوں کے دین و ایمان کو لوٹنے والے ہوں گے۔ اور واقعات شاہد ہیں کہ یہ تمام باتیں سارے وہابیوں میں بتمام وکمال موجود ہیں۔ **الملخص**۔ مذہب وہابیہ کی تمام تر بنیاد تحریف قرآن و حدیث اور دھوکہ و فریب پر قائم ہے یہ لوگ قرآن و حدیث کا نام لے کر قرآن و حدیث کے خلاف راہ دکھاتے ہیں۔ اسلام کی دعوت دیکر گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ ان کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے مخالف ہے۔ جو امور قرآن و حدیث سے بالوضاحت ثابت ہیں، جن امور پر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین سے لے کر آج تک مفسرین، محدثین، علمائے حق اور اولیائے اُمت عمل پیرا ہیں۔ یہ وہابی ان امور کو شرک و کفر قرار دے کر ان سب کو مشرک و کافر ٹھہراتے ہیں۔ ان کے اس طرزِ عمل سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کے مسلّمہ راستہ سے ہٹ چکے ہیں اور ملّتِ مسلمہ سے کٹ چکے ہیں۔ وہابیوں کے تمام گروہوں پر قرآنِ کریم کا فیصلہ ناطق ہے۔

کہ اللہ عزوجل نے فرمایا۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر

سبیل المؤمنین نولہ ماتولّی ونصلہ جہنم وساءت مصیرًا (پ ۵ ع ۱۴) اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے۔ اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بُری جگہ پلٹنے کی۔" اس سے ثابت ہوا کہ طریقِ مسلمین ہی صراط مستقیم ہے۔ اس کی تائید حضورِ انور کی حدیث سے ہوتی ہے کہ فرمایا "اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعظم فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ" (مشکوٰۃ باب الاعتصام) سوادِ اعظم کی اتباع کرو۔ (امت کی بڑی جماعت کے ساتھ رہو) بلاشبہ جو سوادِ اعظم سے علیحدہ ہوا وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔" وما علینا الّا البلاغ۔

باب اوّل

تنویر الایمان حصہ دوم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للہ علی ما علم و ھدانا للدین الاقوم وسلک بنا السبیل الاسلم وصلّی ربّنا وبارک وسلم علی دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم۔ سیّدنا ومولانا ومالکنا ومأونا محمّد مالک الارض وقارب الامم وعلٰی آلہ وصحبہ اولی الفضل والفیض والعطاء والجود والکرم۔ آمین۔ امّا بعد۔ فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم ۵ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ۵ انّما ولیّکمُ اللہ ورسولہٗ والّذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون ۵ ومَنْ یّتولّ اللہ ورسولہٗ والّذین آمنوا فانّ حزب اللہ ھم الغالبون ۔

(المائدہ ع ۸)

اللہ عزّوجل فرماتا ہے۔ اے مسلمانو۔ تمہارے مددگار نہیں، مگر اللہ اور اس کا رسول اور وہ ایمان والے جو نماز قائم رکھتے اور زکوٰۃ دیتے اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ (اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں) اور جو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کو اپنا مددگار (دوست) بنائے تو بیشک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔"

اس آیہ مبارکہ میں اللہ ورسول اور نیک بندوں میں مدد کو منحصر فرما دیا کہ بس یہی مددگار ہیں تو ضرور یہ مدد خاص ہے جس پر نیک بندوں کے سوا اور لوگ قادر نہیں۔ ورنہ عام مددگاری کا علاقہ تو ہر مسلمان کو ہر مسلمان کے ساتھ ہے۔ کہ فرمایا ہے۔ والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض۔ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔"

جن آیاتِ قرآن کو منکرین وہابیہ پیش کرکے اولیاء اللہ سے توسّل واستمداد کو شرک ٹھہراتے ہیں۔ مثلاً وما لکم من دون اللہ مِنْ ولیٍّ ولا نصیر۔ اور تمہارا اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں۔ یا۔ آیہ مبارکہ۔ ومن اضلّ ممّن یدعوا من دون اللہ مَنْ لا یستجیب لہٗ اِلیٰ یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غافلون

اوراس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کے سوا ایسوں کو پوجے (یعنی بتوں کو) جو قیامت تک اس کی نہ سنیں اور انہیں ان کی پوجا کی خبر تک نہیں (کیونکہ وہ جماد ہیں بے جان ہیں) یا آیہ مبارکہ۔ انھم اتخذوا الشیاطین اولیاء من دون اللہ و یحسبون انھم مھتدون - انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو والی بنایا اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ راہ پر ہیں۔"

ایسی تمام آیات میں انبیاء و اولیاء کی نفی نہیں بلکہ من دون اللہ کی نفی ہے۔ جنہیں کفار نے از خود اپنے ناصر و مددگار بنا رکھا ہے جیسے بُت، شیاطین وغیرہ۔ ولی اللہ وہ جسے اللہ تعالےٰ نے ناصر و مددگار بنایا، جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام و اولیاء کرام قدسنا اللہ باسرارہم۔ گورنر وہ ہے جسے گورنمنٹ گورنر بنائے۔ اگر کوئی شخص کسی کو از خود گورنر مان لے تو وہ مجرم و باغی ہے۔

مِنْ دُوْنِ اللہ کی تشریح

"من دون اللہ" کی دو قسمیں ہیں۔ واقعی اور غیر واقعی۔

واقعی وہ ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے حقیقتاً منقطع ہے، معبودانِ باطل۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں مخلوق کے لئے شفیع و مددگار نہیں بنایا، انہیں کچھ اختیار نہیں۔ دون کے لغوی معنے "قصر" (مفردات راغب) یعنی علیحدگی کٹ جانا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَمُقَصِّرِیْنَ۔ لہٰذا من دون اللہ وہ ہے جو اللہ سے کٹا ہوا ہو متعلق نہ ہو۔ یہ سبب اولیاء اللہ نہیں بلکہ قطعاً اولیاء من دون اللہ ہیں۔ جیسے بُت اور کفار کے اوتار۔ رام، لچھمن، کرشن، مہادیو وغیرھم۔ جن کی تردید قرآن وحدیث نے فرمائی۔ غیر واقعی۔ وہ مقبول ہستیاں جنہیں کفار و مشرکین نے مستقل بالذات متصرف و صاحبِ قدرت مان لیا اور انہیں بھی معبود جان کر ان کی عبادت کرنے لگے یا انہیں خدا کی بیٹیاں اور بیٹے جان کر انہیں خدائی میں شریک ٹھہرالیا اور ان میں خدائی مان لی۔ جیسے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو نصاریٰ نے اور حضرتِ عزیر علیہ السلام کو یہود نے خدا یا خدا کا بیٹا مان کر معبود ٹھہرالیا۔ یا بعض مشرکین نے ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں بنا دیا۔ پس یہ نفوسِ قدسیہ از روئے عقیدہ کفار و مشرکین کے من دون اللہ ہیں۔ مگر حقیقتاً اولیاء اللہ ہیں۔ حقیقتہً من دونِ اللہ نہیں۔

اللہ عزوجل نے ان کی تردید فرمائی جو حقیقتہً من دون اللہ ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ اِلیٰ یوم القیامۃ وھم عن دُعَائِھِمْ غافلون o واِذا حُشِرَ الناسُ کانوا لھم اعداءً وّ کانوا بعبادتھم کافرین o (پ ۲۶ ع ۱)

اوراس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کے سوا ایسوں کو پوجے (یعنی بتوں کو) جو قیامت تک اس کی نہ سنیں اور انہیں ان کی پوجا کی خبر تک نہیں (کیونکہ وہ جماد بے جان ہیں) اور جب لوگوں کا حشر ہوگا وہ ان کے دشمن ہوں گے (یعنی بت اپنے پجاریوں کے) اور ان سے منکر ہو جائیں گے۔" اور کہیں گے کہ ہم نے انہیں اپنی عبادت کی دعوت نہیں دی درحقیقت یہ اپنی خواہشوں کے پرستار تھے۔ نیز ا۔

کفار کے معبودان باطل۔ بتوں کی تردید میں اللہ عزوجل نے فرمایا۔ والّذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیاءً وھم یُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غیر احیاء وما یشعرون ایّان یُبْعَثُون (پ ۱۴ ع ۸)

اور اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں (یعنی بتوں کو) وہ کچھ بھی نہیں بناتے اور (بنائیں کیا کہ) وہ خود بنائے ہوئے ہیں (اور اپنے وجود میں بنانے والے کے محتاج ہیں اور وہ) مُردے ہیں (بے جان) زندہ نہیں اور انہیں خبر تک نہیں لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔" ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالےٰ نے بتوں کے پجاری مشرکین کفار کو بڑے ظالم اور گمراہ ٹھہرا کر تردید فرمائی اور بتوں کی مذمت میں فرمایا کہ ان کی حقیقت یہ ہے کہ مطلقاً بے جان ہیں۔ اپنے بنانے والوں کے محتاج ہیں کہ مشرکین ان کو گھڑ کر تراش کر بناتے ہیں اپنے پجاریوں کی عبادت سے بے خبر ہیں۔ اپنے پجاریوں کی بات سن بھی نہیں سکتے، اور انہیں خبر تک نہیں کہ لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔ اور جب حشر ہوگا تو اپنے پجاریوں سے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہوئے ان کے دشمن ہوں گے۔

تفسیر جلالین میں ہے

والّذین یدعون۔ بالتاء والیاء تعبدون۔ مِنْ دون اللہ و ھو الاصنام۔ لا یخلقون شیاءً وھم یخلقون۔ یصوّرون من الحِجارۃ وغیرھا اموات۔ لا روح فیھم۔ خبر ثان۔ غیر احیاء۔ تاکید۔ وما یشعرون ای الاصنام۔ ایّان۔ وقت۔ یبعثون۔ ای الخلق فکیف یعبدون اذ لا یکون الھًا اِلّا الخالق الحیّ العالِمُ بالغیب۔" اور وہ لوگ جو عبادت کرتے ہیں۔ سوائے اللہ کے بتوں کی۔ یہ بت کسی چیز کے خالق نہیں۔ بلکہ مخلوق ہیں یعنی بتوں کو لوگ پتھر وغیرہ سے گھڑ کر بناتے ہیں، اموات ہیں ان میں مطلقاً

رُوح نہیں۔ غیر احیاءٍ تاکید کے لئے ہے۔ یہ بت نہیں جانتے کہ لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔ اور حاشیہ میں ہے۔ ای الخلق فالضمیر فی یشعرون لِلْاَصْنَامِ وفی یُبْعَثُوْنَ لِلْخَلْقِ وقیل الضمیران لِلْاَصْنَامِ۔ ای لا یعلمون وقت بعثھم ای اعادتھم فَاِنّھم تُعادون کما قال اللّٰہ تعالٰی انکم وما تعبدون من دون اللّٰہ حصب جھنّم۔" یعنی یشعرون میں ضمیر بتوں کے لئے ہے۔ اور یبعثون میں مخلوق کے لئے اور بعض علما نے فرمایا۔ دونوں ضمیریں بتوں کے لئے ہیں یعنی یہ بُت نہیں جانتے کہ انہیں دوبارہ کب اٹھایا جائے گا۔ کیونکہ یقیناً بتوں کو بھی حشر میں اٹھایا جائے گا۔ اور اس پر اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد شاہد ہے کہ۔ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حصب جھنّم۔ تم اور جن معبودانِ باطل کو تم اللہ کے سوائے پُوجتے ہو سب کے سب جہنم کا ایندھن ہیں۔" اور

تفسیر خازن میں ہے:-

والّذین تدعون من دون اللّٰہ۔ یعنی اَلْاَصْنَامُ الّتی تدعونھا آلِھَۃً من دونِ اللّٰہ اموات۔ ای جمادات میتۃ لا احیاءَ فیھا غیر احیاء کغیرھا والمعنیٰ لو کان ھٰذہ الاصنام آلھۃ کما تزعمون لکانت احیاء غیر جائز الی الموت لِاَنَّ الالٰہ الذی یستحق ان یعبد ھو الحی الذی لا یموت وھٰذہٖ اَمْوَاتٌ غیر احیاء فلا یستحق العبادۃ فمن عَبَدَھَا فقد وضع العبادۃ فی غیر مُوضعھا۔ مایشعرون یعنی ھٰذہ الاصنام ایّان یُبْعَثُوْن یعنی متٰی یبعثون وفیہ دلیلٌ علی اَنَّ الاصنام تجعل فیھا الحیواۃ وتبعث یوم القیامۃ حتّٰی تتبرّأ مِنْ عابدیھا۔" اور وہ لوگ جو عبادت کرتے ہیں، سوائے اللہ کے بتوں کی اِلٰہ قرار دے کر اموات بے جان جمادات ہیں۔ ان میں (مطلقاً) زندگی نہیں ہے۔ غیر احیاء اپنے علاوہ دوسروں کی طرح۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ اگر یہ بُت اِلٰہ (خدا) ہوں جس طرح کہ (بت پرست) گمان کرتے ہیں تو اِن (بتوں میں) وہ زندگی ہوتی جسکے لئے موت جائز نہیں، اس لئے کہ قابل پرستش وہ خدا ہے جو ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کو موت نہیں ہے۔ اور یہ (بُت) بے جان ہیں ان میں مطلقاً زندگی نہیں ہے۔ پس اس لئے یہ بت عبادت کے مستحق نہیں ہیں۔ پس جس نے ان کی پرستش کی تو اس نے بلاشبہ غیر موضع عبادت میں عبادت کی۔ یہ بت نہیں جانتے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا اور اس آیت مبارکہ میں اس امر پر دلیل ہے کہ بلاشبہ قیامت کے دن

بتوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ یہاں تک کہ بُت اپنے پجاریوں سے براٗت (بَری الذّمہ ہونے) کا اظہار کریں گے۔" نیز۔

تفسیر فتح البیان میں ہے:-

اِنَّ ھٰذہِ الاصنام اجسادھا جماد میتۃ لاحیات لھا اصلاً فزاد قولہٗ غیر احیاء لبیان انّھا الاجساد الّتی یمیتون لبعد ثبوت الحیات بھا بل لاحیات لھٰذہ الاصنام اصلاً۔" ان بے جان مورتیوں کے جسم بے جان پتھر کے جسم ہیں انہیں بالکل کوئی زندگی نہیں۔ پھر اللہ تعالٰی نے اَمْوَاتٌ کے آگے غَیْرُ اَحْیَاءٍ کا جو اضافہ فرمایا وہ اسی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ یہ مورتیاں ان بعض اجسام کی طرح نہیں ہیں جو ثبوت حیات کے بعد مُردہ ہو جاتے ہیں بلکہ یہ مورتیاں سرے سے کوئی حیات رکھتی ہی نہیں ہیں۔"

تفسیر عرائس البیان میں ہے:-

اموات غیر احیاء وما یشعرون ایّان یبعثون۔ فِمِثَالُھُمْ مثال الاصنام الّتی لا ارواح فیھا ولا استعداد لھا لقبول الحیواۃ (فکذالک اھل الجھل بہٖ لیس لھم استعداد لقبول الحیواۃ المعرفۃ وروح المحبۃ) لذالک اکّدَ فی حقّ الاصنام بعد قولہٖ اَمْوَاتٌ بقولہٖ غَیْرُ اَحْیَاءٍ قطع الحیواۃ الاصلیۃ عنھا وقطع عنھا ایضاً استعداد قبول الحیواۃ لِاَنّھا جَمَادَاتٌ۔ ترجمہ (جن کی نسبت یہ حکم وارد ہوا ہے) ان کی مثال بتوں کی مثال ہے کہ ان میں کوئی رُوح نہیں ہے اور نہ ہی حیات ہونے کی استعداد رکھتے ہیں (ان میں زندگی قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے) پس ایسی ہی مثال اہلِ جہالت کی ہے کہ ان میں بھی معرفت کی زندگی اور محبت کی روح قبول کرنے کی استعداد نہیں۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالٰی نے بتوں کے بارے میں اَمْوَاتٌ فرمانے کے بعد غَیْرُ اَحْیَاءٍ کے ارشاد سے تاکیداً بتوں کی حالت بیان فرمائی کہ ان بتوں سے حیاتِ اصلیہ قطع کر دی گئی ہوئی ہے۔ زندگی قبول کرنے کی استعداد بھی ان میں ودیعت نہیں فرمائی گئی۔ اور یہ اس لئے کہ جمادات ہیں۔" نیز

تفسیر بیضاوی میں ہے:-

"بتوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ قیامت کب ہوگی اور یہ کب اٹھائے جائیں گے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا۔ اللہ تعالٰے بتوں کو بھی حشر فرمائے گا جن کے ساتھ شیاطین ہوں گے۔ پس سب کو دوزخ میں ڈال دیئے جانے کا حکم فرمائے گا۔

انبیاء علیہم السّلام و اولیاء اللہ "مِنْ دُوْنِ اللّٰہ" نہیں ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفّار سے مناظرہ

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک روز کعبہ معظّمہ میں داخل ہوئے، اس وقت قریش کے سردار حطیم میں موجود تھے اور کعبہ شریف کے گرد تین سو ساٹھ بُت تھے۔ نضر بن حارث حضور کے سامنے آیا اور آپ سے کلام کرنے لگا۔ حضور نے اس کو جواب دے کر ساکت کر دیا۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ۔ یہ فرما کر حضور تشریف لے آئے۔ پھر عبداللہ بن زبعری سہمی آیا، اس کو ولید بن مغیرہ نے اس گفتگو کی خبر دی۔ کہنے لگا "خدا کی قسم میں ہوتا تو ان سے مباحثہ کرتا۔" اس پر لوگوں نے حضور کو بلایا، ابن زبعری یہ کہنے لگا "آپ نے یہ فرمایا ہے کہ تم اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہیں؟" حضور نے فرمایا ہاں۔ "کہنے لگا یہود تو عزیر کو پوجتے ہیں اور نصارٰی حضرت مسیح کو پوجتے ہیں اور بنی ملیح فرشتوں کو پوجتے ہیں؟" اس پر اللہ تعالٰے نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ (پ۱۷ ع۷) اور بیان فرما دیا کہ حضرت عزیر اور مسیح اور فرشتے وہ ہیں جن کے لئے بھلائی کا وعدہ ہو چکا اور وہ جہنم سے دُور رکھے گئے ہیں، اور حضور نے فرمایا درحقیقت یہود و نصارٰی وغیرہ شیطان کی پرستش کرتے ہیں۔" ان جوابات کے بعد اس کو مجالِ دم زدن نہ رہی۔ اور وہ ساکت رہ گیا۔ اور درحقیقت اس کا اعتراض کمال عناد سے تھا کیونکہ جس آیت پر اس نے اعتراض کیا اس میں مَا تَعْبُدُوْنَ ہے اور مَا زبان عربی میں غیر ذوی العقول کے لئے بولا جاتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے اس نے اندھا بن کر اعتراض کیا۔ یہ اعتراض تو اہلِ زبان کی نگاہوں میں کھلا ہوا باطل تھا۔ مگر مزید بیان کے لئے اس آیت میں توضیح فرما دی گئی۔ (تفسیر خزائن العرفان)

مشہور و متداول اور بلند پایہ تفاسیر قرآن اور حدیث سے واضح ہوا کہ "من دون اللہ" بُت پرست مشرکین و کفّار کے معبودانِ باطل بُت اور ان کی وہ مزعومہ ہستیاں ہیں جنہیں اللہ تعالٰے نے مخلوق کے لئے

وسیلہ مددگار نہیں بنایا۔ ان کا تعلق اللہ تعالٰے سے منقطع ہے۔ اور جن انبیاء علیہم السّلام یا فرشتوں کو کفّار نے اپنے زعم فاسد سے از خود معبود بنا لیا ہے وہ بھی حقیقۃً من دونِ اللہ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ مقبولانِ بارگاہ ربّ العزّت ہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد سے واضح ہوا کہ انبیاء و فرشتگان کو معبود ٹھہرا لینے والے درحقیقت شیطان کی پرستش کرتے ہیں۔

لیکن وہابی کس قدر ظالم ہیں کہ وہ قرآن و حدیث کے منشا کے خلاف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام، فرشتوں اور اولیاء اللہ کو "من دون اللہ" قرار دیتے ہیں۔ انہیں بتوں کے مقام میں شمار کر کے انبیاء و اولیاء سے توسّل و استمداد کرنے والے مسلمانوں کو مشرکین و کفّار کے زمرہ میں شامل کر دیتے ہیں۔

چنانچہ تمام وہابیوں کا پیشوا اسمٰعیل دہلوی "تقویۃ الایمان" میں۔ کفّار و مشرکین کی مذمت اور بتوں کی تردید میں وارد آیاتِ قرآن نقل کر کے لکھتا ہے۔ "جو کوئی کسی کو اپنا حمائیتی سمجھے گو کہ یہی جان کر کہ اس کے سبب سے خدا کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے سو وہ بھی مشرک ہے اور جھوٹا اور ناشکرا۔" مزید لکھتا ہے۔ "اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرّف کرنے کی قدرت نہیں دی۔ اور کوئی کسی کی حمایت نہیں کر سکتا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ پیغمبرِ خدا کے وقت میں بھی کافر اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے۔ اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے، مگر یہی پکارنا اور منتیں ماننا اور نذر نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا یہی ان کا کفر و شرک تھا۔ سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو اس کو اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے، سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔" مزید لکھتا ہے "اور اس بات میں اولیاء و انبیاء میں اور جنّ و شیطان میں اور بھوت و پری میں کچھ فرق نہیں یعنی جس سے کوئی یہ معاملہ کرے گا وہ مشرک ہو جائے گا خواہ انبیاء و اولیاء سے خواہ پیروں و شہیدوں سے خواہ بھوت و پری سے۔" (تقویۃ الایمان ص۱۸، ۱۹) نعوذ باللہ من ہفوات الوہابیہ۔ امام الوہابیہ اسمٰعیل دہلوی کے بعد ناظرین موجودہ دور کے خدائی فوجدار۔

مودودی صاحب کی تفہیم القرآن کے نام سے تحریف القرآن کا نمونہ

ملاحظہ فرمائیں۔ ابوالاعلٰی مودودی۔ پ۱۴ س النحل ع۲۔ میں آیہ مبارکہ۔ والّذین یدعون من دون اللّٰہ لا یخلقون شیئًا وھم یُخلقون اموات غیر احیاء و ما یشعرون ایّان یبعثون۔

کا ترجمہ یا ترجمانی یوں فرماتے ہیں "اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی خالق نہیں ہیں۔ بلکہ مخلوق ہیں مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔" پھر تفہیم کے نام پر تحریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور سے جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے وہ فرشتے یا جن یا شیاطین یا لکڑی، پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحابِ قبور ہیں۔ اس لئے کہ شیاطین اور فرشتے تو زندہ ہیں ان پر اموات غیر احیاء کا اطلاق نہیں ہوسکتا اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اس لئے مایشعرون ایان یبعثون کے الفاظ انہیں خارج از بحث کر دیتے ہیں۔ اب لامحالہ اس آیت میں الذین یدعون من دون اللہ سے وہ انبیاء، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی مراد ہیں جن کو غالی معتقدین داتا، مشکلکشاء، فریاد رس، غریب نواز اور گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دیکر اپنی حاجت روائی کیلئے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔"

مودودی صاحب نے خارجیوں کے نقشِ قدم پہ چلتے ہوئے، کس صفائی اور ہنرمندی کے ساتھ خاص بتوں کے حق میں نازل شدہ آیت مبارکہ سے بتوں کو خارج کر کے انبیاء و اولیاء کو بتوں کے مقام میں رکھ دیا ہے۔ حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ سے لے کر آج تک صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین۔ تمام بلند پایہ مفسرینِ قرآن اور علمائے امت صراحۃً یہی لکھتے اور کہتے چلے آ رہے ہے کہ اس سے مشرکین کے معبودانِ باطل بت اور مورتیاں ہی مراد ہیں۔ نیز یہ کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام و اولیاء اللہ من دونِ اللہ نہیں ہیں۔ لیکن مودودی صاحب ہیں کہ بڑی دیدہ دلیری سے لکھتے ہیں کہ بت اور مورتیاں مراد نہیں انبیاء و اولیاء مراد ہیں۔ اور انبیاء و اولیاء ہی من دون اللہ ہیں "۔ ؎

یہ ہیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

مودودی صاحب کی تفہیم سے واضح ہوتا ہے کہ فرمانِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق مودودی صاحب بھی انہی لوگوں میں شامل ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا۔ "یقرءون القرآن لا یجاوز حنا جرھم۔ یہ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا" اور جن کے متعلق امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ یحرّفون معانیہ و تاویلہ۔ یہ لوگ قرآن مجید کے معنوں اور تاویل میں تحریف کریں گے "۔ مگر اس کے باوجود مودودی صاحب بڑے طمطراق سے دعوے یہ

کرتے ہیں کہ "جس چیز کو ہم لے کر اٹھ رہے ہیں وہ عینِ اسلام اور اصل اسلام ہے "گویا کہ مودودی صاحب کی پیدائش اور ظہور سے قبل تقریباً چودہ سو سال تک۔ تمام علمائے امت "عین اسلام اور اصل اسلام" سے بے خبر ہی رہے ہیں۔ اور اب مودودی صاحب ہی نے "عین اسلام اور اصل اسلام" کو دریافت فرمالیا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الآ باللہ۔

فقیر نے تفسیر جلالین، تفسیر خازن، تفسیر فتح البیان، تفسیر عرائس البیان، تفسیر بیضاوی اور تفسیر خزائن العرفان کی تصریحات درج کر دی ہیں اور مودودی صاحب کی تفہیم کی عبارت بھی درج کر دی ہے۔ ناظرین خود موازنہ کر کے از روئے دیانت واز روئے انصاف فیصلہ کریں کہ مودودی صاحب کے عین اسلام اور اصل اسلام کی حقیقت کیا ہے اور وہ اپنی نام نہاد تفہیم القرآن پڑھا کر علمِ دین سے ناواقف مسلمانوں کو کونسی راہ دکھا رہے ہیں۔ اور انہیں کس طرف لے جانے کی کوشش میں ہیں۔

مودودی منکرِ حدیث ہے!

کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ بتوں کو بھی حشر فرمائے گا جن کے ساتھ شیاطین ہوں گے پس ان سب کو دوزخ میں ڈال دیئے جانے کا حکم فرمائے گا۔"

لیکن اس کے برعکس مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ "لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمچوں من دیگرے نیست۔ اور انا ولا غیری کے زعم فاسد میں گرفتار مودودی صاحب فہم قرآن سے بے بہرہ ہونے کے ساتھ ساتھ علمِ حدیث سے بھی عاری ہیں، یا پھر منکر حدیث ہیں کہ حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کو بھی نہیں مانتے۔

مودودی صاحب کی دو تفہیم کا پوسٹ مارٹم

مودودی صاحب کی تفہیم کی رُو سے قرآن مجید میں تعارض واقع ہوتا ہے

مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ تمام اصحابِ قبور جملہ انبیاء و صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان۔ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ ہیں۔ یعنی مُردہ ہیں جن میں کچھ حیات نہیں۔ مگر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ (البقرۃ ع ۱۹)

جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہو جائے اس کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ (شہداء) زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں۔" اور سورہ آلِ عمران ع ۱۷ میں ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔

ترجمہ:۔ "اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ روزی پاتے ہیں، شاد ہیں، اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا، اور خوشیاں منا رہے ہیں اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان سے نہ ملے کہ ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم۔"

تفسیر خازن اور دیگر تفاسیر میں ہے کہ شہداء زندوں کی طرح کھاتے پیتے عیش کرتے ہیں۔ سیاق اس آیۃ پر دلالت کرتا ہے کہ 'حیات' روح و جسم دونوں کے لئے ہے۔ تفسیر جلالین کے حاشیہ پر مرقوم ہے کہ شہداء کی زندگی دنیاوی زندگی سے افضل و اعلیٰ ہے اور جسم و روح کے تعلق کے ساتھ ہے۔ شہداء جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں۔

علماء نے فرمایا ہے کہ شہداء کے جسم قبروں میں محفوظ رہتے ہیں۔ مٹی ان کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ زمانۂ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں اور اس کے بعد بکثرت معائنہ ہوا ہے کہ اگر کبھی شہداء کی قبریں کھل گئیں تو ان کے جسم تر و تازہ پائے گئے۔ حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح ارشادات موجود ہیں کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔ رزق پاتے ہیں، اپنے مزاراتِ مقدسہ میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور حج کرتے ہیں۔ اور حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مسئلہ پر تمام امت کا اجتماع و اتفاق ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ پر تنویر الایمان حصہ اوّل میں تفصیلاً روشنی ڈالی جا چکی ہے اور صالحین (اولیاء اللہ) کے متعلق اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۔ (پ ۱۴ ع ۱۳) جس کا مطلب یہ ہے کہ جس مرد اور عورت نے عمل صالح کیا اور وہ ایماندار ہے تو البتہ ضرور ہم ان کو زندہ رکھتے ہیں نہایت ہی اعلیٰ اور پاکیزہ زندگی کے ساتھ۔ یعنی مومن صالح اپنے ایمان اور عمل صالح کے اثر سے بلا فاصلہ و بلا تاخیر و توقف و توسط حیاتِ طیبہ کی نعمت سے علی التسلسل والدوام سرفراز ہوتا ہے۔ حیاتِ اولیاء کے ثبوت میں بھی تنویر الایمان حصہ اوّل میں کافی و شافی دلائل تحریر کئے جا چکے ہیں۔ اور آئندہ اوراق میں بھی بڑی تفصیل کے ساتھ ناقابلِ تردید دلائل تحریر

کئے جائیں گے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء بفضلہٖ تعالیٰ و بفیض رسولہ الاعلیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیات ہیں۔ کلام و سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ زائرین کو پہچانتے اور بعض خوش نصیبوں سے ہمکلام بھی ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے مزارات سے فیوض و برکات جاری و ساری ہیں۔

پھر جب کہ یہ سب کچھ قرآن و حدیث، مفسرین، محدثین اور اولیاءِ امت کے ارشادات سے ثابت و مبرہن ہے تو اولیاء انبیاء کے متعلق مودودی صاحب کا یہ لکھنا کہ انبیاء و صالحین مردہ ہیں۔ زندہ نہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مودودی صاحب ان کی حیات برزخیہ کے بھی منکر ہیں۔ تو مودودی صاحب کی تفہیم کو اگر صحیح مان لیا جائے تو قرآن میں اختلاف، تضاد اور تعارض لازم آتا ہے۔ جو کہ باطل اور محال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۔ "اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا اور کسی دوسرے کا ہوتا تو اس میں اختلافِ کثیر پایا جاتا۔" پس جب کہ قرآن مجید میں اختلاف محال اور باطل ہے۔ تو اس دلیل سے بھی مودودی صاحب کی تفہیم غلط اور باطل ٹھہرتی ہے کہ اس کی تفہیم بالصراحت آیاتِ قرآن و صاحبِ قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واضح ارشادات سے متعارض ہے اس کے علاوہ۔

مودودی صاحب کی تفہیم کی رُو سے انبیاء و صالحین جہنمی ٹھہرتے ہیں

مودودی صاحب تفہیم میں انبیاء و اولیاء کو مسلمانوں کے بناوٹی معبود قرار دیکر لکھتے ہیں۔

"یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور سے جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے وہ فرشتے، یا جِنّ یا شیاطین یا لکڑی پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحابِ قبور ہیں اور الّذین یدعون من دون اللہ سے وہ انبیاء و صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی مراد ہیں جن کو غالی معتقدین داتا، مشکلکشاء، فریادرس، غریب نواز اور گنج بخشش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دیکر اپنی حاجت روائی کے لئے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔"

اس تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ مودودی صاحب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء اللہ قدسنا باسرارھم کو حقیقۃً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قرار دیکر معبودانِ باطل ٹھہراتے ہیں۔

اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ

جَھَنَّم - اے مشرک لوگو۔ تم اور تمہارے وہ معبود جن کو تم سوائے خدا کے پُوجتے ہو سب کے سب جہنم کا ایندھن ہو" یعنی معبودانِ باطل اور ان کے پجاری سب دوزخ میں جھونکے جائیں گے۔

برادرانِ اسلام - للّٰہ انصاف فرمائیں کہ جہل مرکّب میں گرفتار مودودی نے انبیاء و اولیاء اور شہداء کو بُتا دتی معبود قرار دے کر محبوبانِ خدا کو جہنمی ٹھہرایا یا نہیں۔؟ نعوذ باللّٰہ من ذالک۔

حالانکہ کوئی مسلمان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام واولیائے کرام اور شہداء کو معبود نہیں جانتا اور نہ ہی کوئی مسلمان اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرتا ہے۔ مسلمان انبیاء و اولیاء سے توسّل و استمداد کرتے ہیں۔ اور نفوسِ قدسیہ سے توسّل و استمداد، قرآن و حدیث سے بالبداہت ثابت ہے جس پر خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان، تابعین، تبع تابعین سے لے کر آج تک سب عمل پیرا ہیں۔ اگر بقولِ مودودی، توسّل واستمداد واقعی شرک ہے اور جس سے توسّل کیا جارہا ہے۔ اس کی عبادت کرنے کے مترادف ہے۔ تو نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشرک ٹھہرے۔ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، سارے مفسّرین و محدّثین اور علمائے اُمّت بلکہ پوری اُمت کے سب مسلمان مشرک و کافر اور جہنمی ٹھہرتے ہیں۔!

میں سمجھتا ہوں کہ جس کے دل میں ذرّہ بھر ایمان یا کچھ بھی خوفِ خدا موجود ہو وہ اس طرح کی جسارت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے بڑھ کر خود کو توحید کا علمبردار و محافظ ٹھہرانے یا توحید و شرک کے مقتضیات کا سمجھنے والا بننے کی مذموم حرکت کرتا۔

صاحبِ تفہیم اپنی قرآن فہمی کا ماتم کریں

مودودی صاحب لکھتے ہیں "شیاطین اور فرشتے تو زندہ ہیں ان پر اَمْوَاتٌ غیرُ اَحْیَاءٍ کا اطلاق نہیں ہو سکتا" اس لئے اموات غیر احیاءٍ سے اصحاب قبور انبیاء و اولیاء مراد ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ

مودودی صاحب کا یہ بیان جہلِ مرکّب کی بدترین مثال ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ لکھتے وقت صرف لفظ "اموات" پر نظر رکھی اور "غیر احیاءٍ" کے مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت نہ سمجھی اور جھٹ سے اَمْوَاتٌ کے معنے مُردے بیان کر کے اصحاب قبور پر ایمان سوز فتوے جڑ دیا۔ یعنی اَمْوَاتٌ کے ساتھ جو غیرُ احیاءٍ فرمایا گیا ہے اس کو برائے بیت بھرتی کے الفاظ سمجھ کر یا قرار دے کر ان کی طرف اعتناء نہیں کیا۔ مگر ان کو

معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ قرآن مجید اللہ تعالےٰ کا کلام ہے جو کہ بلیغ ترین کلام ہے۔ ایسا بلیغ کہ طاقتِ بشری سے اس کی بلاغت خارج ہے۔ اس میں کوئی کلمہ غیر ضروری، بیکار، برائے بیت حشو و زوائد اور بضرورتِ شعری نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالےٰ نے غیر احیاءٍ فرما کر ان مردوں کو جو کبھی صفت حیات سے متصف تھے۔ اس آیتِ مبارکہ کے مفہوم سے مستثنیٰ فرما دیا ہے یعنی اصحابِ قبور کو اللہ تعالےٰ نے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ اَمْوَاتٌ ہوں بھی تو غیر احیاءٍ نہیں ہیں۔ ان پر احیاءٌ کا اطلاق ہو چکا ہے حیات ان کے حق میں ثابت ہو چکی ہے اس لئے اَمْوَاتٌ غیر احیاءٍ کے حکم میں صرف وہی چیزیں آسکتی ہیں جو کبھی صفت حیات سے متصف نہیں ہوئیں اور ان میں صفت حیات معلومہ کے حصول کی استعداد نہیں ہے اور اس سے مراد لکڑی و پتھر وغیرہ کے بُت اور مورتیاں ہیں نہ کہ اصحاب قبور۔! نافہم و تدبّر۔ پس ایسے شخص کو جو فہم قرآن سے اس حد تک کورا ہو اسے تفہیم القرآن لکھنے کی حماقت کرنے کے بجائے یہی مناسب ہے کہ اپنی فہم کا ماتم کرے اور اپنی غلطی کو صدقِ دل سے قبول کر کے فوراً توبہ کرلے

مودودی صاحب کی ایک اور تحریف

صاحب تفہیم لکھتے ہیں "اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں لعبث لعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اس لئے ما یشعرون ایّان یبعثون، کے الفاظ انہیں خارج از بحث کر دیتے ہیں" ان کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ قرآن مجید کے علاوہ علم حدیث سے بھی بالکل کورے ہیں یا پھر دیدہ دانستہ مغالطے دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک تعالےٰ تو بت پرستوں کو شرم دلاتا ہے کہ تم بتوں وغیرہ ایسی چیزوں کی پرستش کیونکر کرتے ہو جو کہ کسی چیز کے خالق نہیں بلکہ اُلٹا تم خود اپنے ہاتھوں سے انہیں گھڑ کر بناتے ہو۔ اور جو کہ ایسے مُردے ہیں جن میں نہ کچھ حیاتِ معلومہ ہے اور نہ حیاتِ معلومہ کے قبول کرنے کی استعداد ہی رکھتے ہیں۔ پس نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ کچھ عقل ہی رکھتے ہیں۔ اور جن کو یہ شعور تک نہیں کہ یہ کب اٹھائے جائیں گے۔ اور قیامت کب ہو گی تو بھلا ایسی چیزوں سے تم ایسی حالت میں کیا امید رکھتے ہو کہ تم کو ان کی پُوجا کرنے سے کچھ نفع ہو گا یا ثواب ملے گا یا ضرر و عذاب دُور ہو گا۔ یہاں علامہ بیضاوی علیہ الرحمتہ کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمالیں۔ فرماتے ہیں۔ بتوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ قیامت کب ہو گی۔ اور یہ کب

اٹھائے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بُت بھی مثل آدمیوں کے حشر میں اٹھائے جائیں گے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ بتوں کو بھی حشر فرمائے گا جن کے ساتھ شیاطین ہوں گے۔ پس سب کو دوزخ میں ڈالے جانے کا حکم فرمائے گا"......... لیکن۔ میں نہ مانوں کا کیا علاج کہ مودودی صاحب کسی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ نہ اللہ تعالےٰ کی بات نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اور نہ کسی مفسر، محدث یا دوسرے کسی عالم کی بات۔

اور اس کے باوجود یہ دعوےٰ کرتے ہیں کہ "جس چیز کو ہم اُٹھا رہے ہیں وہ عینِ اسلام اور اصلی اسلام ہے۔" (تسنیم مورخہ ۱۸؍ جنوری ۱۹۵۵ء)

ناظرین:- چونکہ مذہب گمرہ وہابیہ کا تمامتر وار و مدار مسئلہ "مِنْ دُوْنِ اللہ" پر ہے۔ اس لئے فقیر نے اسی مسئلہ کی وضاحت کو اس قدر تفصیل سے بیان کر دینا ضروری سمجھا۔ مجھے امید ہے کہ قارئین اس مسئلہ کو بخوبی سمجھ گئے ہوں گے۔ تاہم اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے۔ اس مسئلہ پر حضرتِ قبلہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہُ العزیز کے فتوےٰ سے مزید روشنی ڈالدینا مناسب معلوم ہوا کہ منکرین پر اتمام حجت ہوجائے اور متلاشیانِ حق کے لئے بھی کوئی اشکال باقی نہ رہ جائے۔

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کا مفصّل و مدلّل فتوےٰ

سوال:- ایک بُت پرست بُت سے مدد مانگ رہا تھا اور ایک عالم نے منع کیا کہ "شرک مت کر"۔ بت پرست نے کہا کہ اگر خدا کا شریک جان کر پوجوں تو ضرور شرک ہے اور اگر مخلوق سمجھ کر پرستش کروں تو کیسے شرک ہوگا؟" عالم نے کہا "قرآن شریف میں متواتر آیا ہے کہ غیر خدا سے مدد مت مانگو"۔ بت پرست نے کہا "انسان ایک دوسرے سے کیوں سوال کرتے ہیں؟" عالم نے کہا "انسان زندہ ہیں اور تیرے بت مثل کنہیّا، کالکا وغیرہ کے مردہ ہیں۔ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے"۔ بت پرست نے کہا "تم قبر والوں سے مدد اور شفاعت طلب کرتے ہو، چاہیئے کہ تم پر بھی شرک عائد ہو"۔ خلاصہ یہ کہ اہلِ قبور سے جو تمہارا مقصود و مُراد ہے ویسا ہی کالکا اور کنہیّا کی تصویروں سے ہمارا ہے۔ ظاہری طور پر نہ قبر والے طاقت رکھتے ہیں نہ بُت۔

اگر کہو کہ ہم اہلِ قبور سے کہتے ہیں کہ خدا سے ہمارے لئے شفاعت کیجیئے تو ہم بھی بُتوں سے ایسی استدعا کرتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ اگر اہلِ قبور سے استمداد کا جواز ثابت ہو تو بعض ضعیف الاعتقاد مسلمان ستیلا اور مسانی کے پوجنے سے کیسے باز آئیں گے"؟

جواب:- اس سوال میں چند جگہ اشتباہ واقع ہوا۔ اس سے خبردار رہنا چاہیئے تاکہ اللہ کے فضل سے سوال کا جواب اچھی طرح سمجھ میں آئے۔ مدد چاہنا اور چیز ہے اور پرستش دوسری چیز۔ عام مسلمان خلافِ شرع اہلِ قبور سے مدد چاہتے ہیں اور پرستش نہیں کرتے۔ بت پرست مدد بھی چاہتے ہیں۔ اور پرستش بھی کرتے ہیں پرستش یہ ہے کہ سجدہ کرے یا طواف کرے[1] یا اسکے نام کو بطور تقرب ورد کرے یا اسکے نام پر جانور ذبح کرے یا اپنے آپ کو اس کا پجاری کہے۔ اگر کوئی جاہل مسلمان اہلِ قبور کے ساتھ بھی ایسا کرے تو وہ فوراً کافر ہو جائے گا۔ دوسرے مدد چاہنا دو طور پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ ایک مخلوق دوسری مخلوق سے مدد چاہے جیسے اُمراء و بادشاہ سے نوکر اور فقراء بھی مدد چاہتے ہیں۔ اور عوام النّاس اولیاء سے چاہتے ہیں کہ جنابِ الٰہی میں ہماری حاجت عرض کیجیئے۔ اس طرح کی مدد شرع میں زندہ اور مردہ دونوں سے جائز ہے۔ دوسرا طریقہ مدد چاہنے کا یہ ہے کہ جو چیزیں بالاستقلال جنابِ الٰہی کے ساتھ خاص ہیں، جیسے بیٹا دینا یا مینہ برسانا یا بیماری دُور کرنا یا عمر دراز کرنا وغیرہ کسی مخلوق سے (بالاستقلال) چاہے اور اللہ تعالےٰ سے مُعاد سوال کرنا نیّت میں نہ ہو۔ (یعنی یہ سمجھے کہ یہ چیزیں بغیر اللہ تعالےٰ کے دیئے یہ بزرگ خود دے دیں گے) اس طرح کی مدد چاہنا حرام مطلق بلکہ کفر ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان کسی زندہ یا مُردہ سے اس قسم کی مدد چاہے تو اسلام سے خارج ہو جائے۔ بخلاف بُت پرستوں کے کہ وہ اسی قسم کی مدد اپنے معبودانِ باطل سے چاہتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور یہ بات جو بُت پرست نے کہی کہ "میں بھی اپنے بتوں سے شفاعت چاہتا ہوں" یہ بڑے دھوکے اور فریب کی بات ہے، اس لئے

حاشیہ[1]:- یعنی جو کوئی قبر کا طواف بہ نیّتِ عبادت کرے یہ شرک ہے۔ اور ولی اللہ کی قبر کا طواف حصولِ فیض کے لئے جائز ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی انتباہ فی سلاسل اولیا اللہ صنا پر تحریر فرماتے ہیں "بعدہٗ ہفت کرت طواف کند دراں تکبیر بخواند و آغاز از راست بکند بعدہٗ طرف پایاں رخسارہ نہد و بیاید نزدیک روئے میّت و بنشیند بگوید یارب بست و یک بار۔" (مؤلف)

کہ بت پرست ہرگز شفاعت نہیں چاہتے بلکہ شفاعت کے معنے تک نہیں جانتے۔ان کے دلوں میں شفاعت کا تصور تک نہیں ہوتا۔

شفاعت کے معنے سفارش ہیں اور سفارش یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے مطلب کو کسی اور کی خدمت میں عرض کرے۔ اور بت پرست اپنے مطالب کی درخواست کے وقت نہ یہ سمجھتے ہیں کہ تم پروردگار کے حضور میں ہماری سفارش کردو۔ اور ہماری مراد اس سے پوری کرا دو۔ بلکہ خاص اپنے بتوں سے مطلب کی درخواست کرتے ہیں۔ اور بت پرست کا یہ کہنا کہ اہلِ قبور سے جو تمہارا مقصد ہے وہی ہمارا کالکا اور کنہیا کی تصویروں سے ہے۔ یہ بات بھی غلط در غلط ہے، اس لئے کہ جو جسم قبر میں دفن ہیں۔ ان کی ارواح کو ان کے ساتھ ضرور تعلق رہتا ہے۔ اس لئے کہ روحیں مدتِ دراز تک ان جسموں میں رہی ہیں۔ اور بت پرست اپنے بزرگوں کی قبروں کی تعظیم نہیں کرتے بلکہ اپنی طرف سے تصویریں اور پتھر اور درخت اور دریا قرار دیتے ہیں کہ یہ فلاں کی صورت ہے بغیر اس کے کہ ان چیزوں کو ان روحوں کے ساتھ کچھ بھی تعلق ہو یا ان کے بدن وہاں جلے ہوں، اس افترائی قرارداد میں کچھ اثر نہیں، ہاں بندوں کا حاجت روا خالقِ اکبر ہے۔ جو اپنی رحمانیت سے ان کی مرادیں پوری کرتا ہے اور بت پرست نادان سمجھتے ہیں کہ یہ تمام فائدے بتوں نے پہنچائے ہیں۔ اللہ تعالےٰ عالم الغیب اپنے بندوں کے حالات جانتا ہے، اس کو ان کی اس زندگی میں ان کی حاجت روائی منظور ہے چاہے یہ اپنا مطلب کسی سے مانگیں۔ مگر وہ دیتا ہے، جیسے مشفق باپ اپنے چھوٹے بچے کی حاجت کو جانتا ہے اور جب وہ بچہ خدمت گار یا دایہ سے کچھ مانگتا ہے تو وہ چیز باپ دے دیتا ہے، ایسا ہی بتوں کا حال ہے۔ بلکہ اہلِ اسلام کے قاعدہ کے مطابق اہلِ قبور سے مانگنے والے کو بھی اللہ ہی دیتا ہے اور سائل نے یہ جو لکھا ہے کہ جب اہلِ قبور سے مدد چاہنی جائز ثابت ہوئی تو ضعیف الاعتقاد مسلمان سیتلا اور مسانی کے پوجنے سے کیسے باز آئیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل قبور سے مدد چاہنے اور سیتلا اور مسانی کے پوجنے میں کئی وجہ سے فرق ہے۔ اوّل یہ کہ اہلِ قبور صالحین اور بزرگ لوگ ہیں جن کے حالات خوب معلوم ہیں۔ اور سیتلا اور مسانی محض "وہمی" جن کی نسبت یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کبھی تھے بلکہ ظاہرا معلوم ہے کہ سب ان لوگوں کی خیال بندی ہے۔ دوسری بات یہ کہ سیتلا اور مسانی کو اگر فرض بھی کیا جائے کہ وہ کبھی تھے تو وہ خبیث

ارواح اور شیطانی وجود ہوں گے۔ جنہوں نے خلقِ خدا کی ایذا رسانی پہ کمر باندھ رکھی ہے، جیسا کہ ہندوؤں کے اعتقاد سے ظاہر ہے۔ انکو انبیاء و اولیاء کی پاک روحوں سے کیا مناسبت۔؟ تیسری بات یہ ہے کہ اہلِ قبور سے مدد چاہنا بطریقِ دعا کے ہے کہ جنابِ الٰہی میں عرض کرکے ہماری حاجت روائی کرا دیجیئے۔ اور بتوں وغیرہ کی پرستش اس اعتقاد کی بنا پر ہے کہ وہ قادرِ مستقل ہیں۔ اور یہ اعتقاد کفرِ خالص ہے۔ (فتاویٰ عزیزی)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں یہ وہ بلند پایہ محدث ہیں جن پہ علمائے اہلسنت اور وہابی مولوی بھی ناز کرتے اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ ان کے مندرجہ بالا فتوے سے بحمدہٖ تعالےٰ وہابیہ کے ان تمام مغالطوں کی مکمل تردید ہو جاتی ہے۔ جن سے وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ اس فتوے میں وہابیہ کے سارے اعتراضات کا دندان شکن جواب موجود ہے۔

فضائل اولیاء اللہ

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ عزّ وجل ۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۔ (پ۱۱ ع ۱۱)

سُن لو ۔ بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم ۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں انہیں خوشخبری ہے ۔ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں ۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں یہی بڑی کامیابی ہے ۔ ولی کی اصل ولاء سے ہے جو قرب و نصرت کے معنے میں ہے ۔ ولی اللہ وہ ہے جو فرائض سے قربِ الٰہی حاصل کرے اور اطاعتِ الٰہی میں مشغول رہے اور اس کا دل نورِ جلال الٰہی کی معرفت میں مستغرق ہو ، جب دیکھے دلائل قدرت الٰہی کو دیکھے اور جب سنے اللہ کی آئتیں ہی سُنے اور جب بولے تو اللہ کی ثناء ہی کے ساتھ بولے اور جب حرکت کرے اطاعت الٰہی میں حرکت کرے ۔ اور جب کوشش کرے اُسی امر میں کوشش کرے جو ذریعہ قربِ الٰہی ہو ، اللہ کے ذکر سے نہ تھکے اور چشم دل سے خدا کے سوا غیر کو نہ دیکھے ، یہ صفت اولیاء کی ہے ۔ بندہ جب اس حال پہ پہنچتا ہے تو اللہ اس کا ولی و ناصر و مُعین اور مددگار ہوتا ہے ۔ متکلمین کہتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو اعتقاد صحیح مبنی بر دلیل رکھتا ہو ۔ اور اعمالِ صالحہ شریعت کے مطابق بجا لاتا ہو ۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ ولایت نام ہے قربِ الٰہی اور ہمیشہ اللہ کے ساتھ مشغول رہنے کا ۔ جب بندہ اس مقام پہ پہنچتا ہے تو اس کو کسی چیز کا خوف نہیں رہتا ۔ اور نہ کسی شے کے فوت ہونے کا غم ہوتا ہے ۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ

عنہما نے فرمایا کہ ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے اللہ یاد آئے ۔ یہی طبرانی کی حدیث میں بھی ہے ۔ ابنِ زید نے کہا کہ ولی وہی ہے جس میں وہ صفت ہو جو اس آیت میں مذکور ہے ۔ الّذین آمنوا وکانوا یتّقون ۔ یعنی ایمان وتقوےٰ دونوں کا جامع ہو ۔ بعض عُلماء نے فرمایا کہ ولی وہ ہیں جو خالص اللہ کے لئے محبّت کریں ۔ اولیا کی یہ صفت احادیث کثیرہ میں وارد ہوئی ہے ۔ بعض اکابر نے فرمایا ولی وہ ہیں جو طاعت سے قربِ الٰہی کی طلب کرتے ہیں ۔ اور اللہ تعالےٰ کرامت سے ان کی کارسازی فرماتا ہے یا وہ جنکی ہدایت کا برہان کے ساتھ کفیل ہو ۔ اور وہ اس کا حق بندگی ادا کرنے اور اس کی خلق پر رحم کرنے کے لئے وقف ہو گئے ۔ یہ معانی اور عبارت اگرچہ جداگانہ ہیں ، لیکن ان میں اختلاف کچھ بھی نہیں ہے ۔ کیونکہ ہر ایک عبارت میں ولی کی ایک ایک صفت بیان کردی گئی ہے ۔ جسے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے یہ تمام صفات اس میں ہوتی ہیں ۔ ولایت کے درجے اور مراتب میں ہر ایک بقدرِ اپنے درجے کے فضل و شرف رکھتا ہے اور لَھُمُ الْبُشْرٰی ۔ اس خوشخبری سے یا تو وہ مراد ہے جو پرہیزگاروں اور ایمان داروں کو قرآن کریم میں جا بجا دی گئی ہے یا بہترین خواب مراد ہے جو مومن دیکھتا ہے یا اس کے لئے دیکھا جاتا ہے جیساکہ اکثر احادیث میں وارد ہوا ہے ۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ ولی کا قلب اور اس کی روح دونوں ذکرِ الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں تو وقتِ خواب اس کے دل میں سوائے ذکر و معرفت الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوتا اس لئے جب ولی خواب دیکھتا ہے تو اس کا خواب حق اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس کے حق میں بشارت ہوتی ہے ۔ بعض مفسّرین نے اس بشارت سے دنیا کی نیک نامی بھی مراد لی ہے ۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا گیا ۔ اس شخص کے لئے کیا ارشاد فرماتے ہیں جو نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں " ؟ فرمایا: " یہ مومن کے لئے بشارتِ عاجلہ ہے ۔ " علما فرماتے ہیں کہ یہ بشارتِ عاجلہ رضائے الٰہی اور اللہ کے محبت فرمانے اور خلق کے دل میں محبت ڈال دینے کی دلیل ہے جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے ، کہ اس کو زمین میں مقبول کر دیا جاتا ہے ۔ حضرتِ قتادہ نے کہا کہ ملائکہ وقتِ موت ، اللہ تعالےٰ کی طرف سے بشارت دیتے ہیں ۔ حضرت عطاء کا قول ہے کہ دنیا کی بشارت تو وہ ہے جو ملائکہ وقتِ موت سناتے ہیں ۔ اور آخرت کی بشارت وہ ہے جو مومن کو جان نکلنے کے بعد سنائی جاتی ہے کہ اس

سے اللہ راضی ہے ۔ لَا تبدیل لِکَلِمٰتِ اللہ ۔ اس کے وعدے خلاف نہیں ہو سکتے جو اس نے اپنی کتاب میں اور اپنے رسولوں کی زبان سے اپنے اولیاء اور اپنے فرمانبردار بندوں سے فرمائے اور یہی بڑی کامیابی ہے ۔ (تفسیر خزائن العرفان)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد

قال النبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ۔ انّ من عبادِ اللہ لَعِبَادًا یَّغْبِطُھُمُ الْاَنْبِیَآءُ وَالشُّھَدَاءُ قِیْلَ مَنْ ھُمْ یا رسول اللہ صِفْھُمْ لَنَا لَعَلَّنَا نُحِبُّھُمْ قال قَوْمٌ تحابّوا بِرُوْحِ اللہ مِنْ غیر اموال ولا اکتساب وجوھھم نور علٰے منابرٍ مِنْ نور لا یخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن الناس ثمّ قراء الا انّ اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ بیشک اللہ تعالےٰ کے بندوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ انبیاء اور شہداء ان پر رشک کرتے ہیں ۔ عرض کیا گیا ۔ یا رسول اللہ وہ کون ہیں ان کی صفت فرمائیے کہ ہم ان سے محبت کریں ۔ حضورِ انور نے فرمایا کہ یہ وہ جماعت ہے جو روح اللہ سے محبت کرتی ہے ۔ بغیر مال اور کسب کے جن کے چہرے نورانی ہیں ۔ وہ نور کے منبروں پر بیٹھیں گے ، جب لوگ خوف میں مبتلا ہونگے وہ خوف میں مبتلا نہ ہونگے اور جب لوگ غمناک ہونگے وہ غمناک نہ ہوں گے پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی ۔ اَلَآ اِنَّ اولیاء اللہ لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون ۔

اولیائے اللہ کے مدارج کی تفصیل

حضرت داتا گنج بخش سیّد علی ہجویری ثمّ لاہوری قدسنا اللہ باسرارہ فرماتے ہیں : "حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ۔ کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ۔ من آذیٰ لِی وَلِیًّا نقد استحلّ محارمی ۔ یعنی جس نے میرے ولی کو ایذا پہنچائی اس نے مجھ سے لڑنا حلال جانا ۔ حضور کی مراد اس سے یہ ہے کہ یہ اللہ تعالےٰ کے ولی ہیں ، اللہ تعالےٰ نے ان کو دوستی اور مرتبۂ ولایت سے خاص کیا ہے اور یہ اس ملک کے والی ہیں ، خدا نے ان کو برگزیدہ فرمایا ہے ،

ان کو اپنے فعل کے اظہار کا نشان بنایا ہے ۔ اور طرح طرح کی کرامتوں سے ان کو مخصوص فرمایا ہے ان کو طبعی آفات سے محفوظ کر دیا ہے ، ان کو خواہشاتِ نفسانی اور ہوا و ہوس سے دور کیا ہے تاکہ ان کی ہمّت ہمیشہ بلند رہے ۔ اسی وجہ سے ان کی توجّہ کسی دوسری طرف نہیں ہوتی ۔ انہیں سوائے خدا کے اور کچھ نظر نہیں آتا ۔ ہم سے پہلے بھی یعنی زمانۂ گذشتہ میں بھی اولیاء اللہ ہوئے ہیں ۔ اب بھی موجود ہیں اور اس کے بعد بھی قیامت تک اولیاء ہوں گے ۔ ان کے وجود باوجود سے عالم قائم ہے جب ان کا وجود نہ ہوگا تو قیامت قائم ہو جائے گا ۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے امتِ محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو سب امتوں سے اشرف و اعلیٰ فرمایا ہے بلکہ اس امتِ محمدیہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کو اپنے ذمّے لیا ہے کہ میں شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک بلا سے محفوظ رکھوں گا ۔ پس چونکہ عقلی دلائل اور سمعی براہین اب تک علماء میں موجود ہیں ۔ لہٰذا چاہیئے کہ دلائل عینی بھی موجود ہوں ۔ جو اولیاء و خاصانِ خدا ہیں ۔ اور ہمارا اختلاف صرف دو گروہ سے ہے ۔ ایک فرقہ معتزلہ دوسرا فرقۂ حشوی ۔ معتزلہ سے یہ کہ وہ ایمانداروں میں سے ایک کے دوسرے سے خاص ہونے کا انکار کرتے ہیں ۔ یہ نہیں جانتے کہ ولی کے خاص ہونے سے انکار کرنا نبی سے انکار کرنا ہے اور یہ کفر ہے ۔ اور عام حشوی خاص ہونے کو جائز رکھتے ہیں ۔ مگر کہتے ہیں کہ وہ لوگ ہو چکے ، اب نہیں ہیں ۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ ماضی و مستقبل کا انکار برابر ہے اس لئے کہ انکار کی ایک طرف دوسری طرف سے زیادہ اَولیٰ ہوتی ہے ۔ پس اللہ تعالےٰ نے دلائلِ نبوّت کو آج تک قائم کر دیا ہے ۔ اولیاء اللہ کو دلائلِ نبوّت کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے تاکہ وہ ہمیشہ اللہ تعالےٰ کی قدرت کی نشانیاں اور آیاتِ الٰہی اور حجّت ہوں ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا صدق ظاہر رہے بلکہ ان لوگوں کو جہان کا مالک بنا دیا ہے ۔ پس جو لوگ حدیثِ نبوی کے تابع ہیں ۔ انہوں نے نفس کی متابعت کی راہ چھوڑ دی ہے ۔ پس ان کے قدم کی برکت سے آسمان سے بارش ہوتی ہے اور ان کی صفائیِ حال کی وجہ سے زمین سے نباتات اُگتی ہیں ۔ ان میں سے چار ہزار اولیاء اللہ پوشیدہ رہتے ہیں ۔ یہ ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور اپنے حال کی خوبی کو نہیں جانتے اور ہر حال میں اپنے آپ سے اور خلقت سے چھپے رہتے ہیں اور اس امر میں بہت سے ارشادات ہیں اور اس امر کو اولیاء اللہ کے کلام بھی ظاہر کر رہے ہیں ، نیز مجھ پر بھی اس بارے میں اسرار ظاہر

ہوئے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے۔ لیکن جو لوگ کہ مشکلات کے حل کرنے والے اور حل شدہ مشکل کو بند کرنے والے اور درگاہِ خدا کے سپاہی ہیں۔ وہ صرف تین سو آدمی ہیں جن کو اَخیار کہتے ہیں اور ان کے سوا چالیس اور ہیں ان کو ابدال کہتے ہیں۔ اور سات اور ہیں۔ ان کو ابرار کہتے ہیں۔ اور چار اور ہیں۔ ان کو اوتاد کہتے ہیں۔ اور تین اور ہیں جو کہ نقباء کے نام سے نامزد ہیں اور ایک اور ہے اس کو قطب کہتے ہیں اور بعض اسی کو غوث کہتے ہیں اور یہ سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور کاروبار میں ایک دوسرے کی اجازت کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور اس امر میں اخبارِ صحیح اور بے شمار روائتیں ہیں۔ اور تمام اہلسنّت وجماعت اسی امر پہ متفق ہیں۔"

(کشف المحجوب)

لاخوفٌ علیہم ولا ھم یحزنون کی توضیح وتوجیہ

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدسنا اللہ باسرارہٖ فرماتے ہیں "ولی وہ ہے جسے خوف نہیں ہوتا۔ کیونکہ خوف اس چیز سے ہوتا ہے کہ جس کے آنے سے وہ ناخوش ہوتا ہو یا ڈرتا ہو یا آئندہ اس بلاء میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو یا وہ کسی ایسی چیز کو محبوب رکھتا ہو جو اس وقت موجود ہو اور اس کے چلے جانے کا اسے خوف ہو۔ بلکہ 'ولی' صاحبِ وقت ہوتا ہے۔ اس کو آئندہ پیش آنے والے کسی واقعہ کا کوئی خوف واندیشہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بیشک اولیائُ اللہ کو نہ خوف ہے اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔" اس کی تشریح میں داتا گنج بخش علی ہجویری ثم لاہوری قدسنا اللہ باسرارہٖ فرماتے ہیں "ولی اللہ کو جس طرح کوئی خوف نہیں ہوتا اسی طرح اس کو امید بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ 'رجاء' امید ہے اور امیدِ محبوب 'انتظار' ہے کہ آئندہ اسے حاصل ہو یا سختی اس سے ٹل جائے (پس چونکہ اسے کسی چیز کے ہونے کا کوئی خیال نہیں ہوتا) اس کو کوئی غم لاحق نہیں ہوتا۔ کیونکہ 'غم'، کدورتِ وقت سے ہوتا ہے پس جو شخص کہ 'رضا' کے ظلّ حمایت میں ہو اس کو کیونکہ غم ہو سکتا ہے۔ عوام الناس اس بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ جب خوف ورجاء اور غم نہیں تو پھر امن ہونا چاہیئے۔ اور اس کو امن بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ امن تو جب ہو کہ اس کے پیشِ نظر غیب نہ ہو اور وہ وقت کی قدر نہ کرتا ہو۔ بلکہ ان لوگوں کی صفت یہ ہے کہ وہ

بشریت کی جانب مطلقاً خیال نہیں کرتے۔ اور اسی سبب سے انہیں آرام نہیں ہوتا۔ خوف و رجاء غم اور مقامِ امن یہ سب نفس کا حصّہ ہیں۔ اور جب وہ فانی ہو گیا۔ تو اس کی صفت رضاء ہو گئی۔ اور جب اس کی صفت رضاء ہو گئی تو وہ مشاہدۂ حق میں قائم ہو گیا۔ یعنی جب محوّل کو دیکھئے تو حالات سے اس کو روگردانی نظر آئے گی۔ اس وقت اس پر ولایت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور اس کے معنے اس پر کھل جاتے ہیں۔" (کشف المحجوب)

عارف باللہ مولانا روم علیہ الرحمۃ کا ارشاد

گر تو بینی شاں بدشواری درون ۔۔۔ نیست شاں خوفے ولا ہم یحزنون

اگر تم ان کو خلافِ راحت کسی مشکل کے اندر مبتلا دیکھو تو اس کو محض ظاہر دشواری سمجھو اور در واقع میں ان کو نہ کوئی غم ہے اور نہ کوئی خوف۔ یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام واولیاء اللہ کے لئے تمام تکالیف خواہ وہ مجاہدات تشریعیہ کی قسم سے ہوں یا مصائب تکوینیہ کی نوع سے محض ظاہراً تکالیف ہیں بحقیقت ہیں نہ اِن تکالیف کی آمد سے وہ ڈرتے ہیں اور نہ ان کی آمد کے بعد وہ مغموم ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ انبیاء کرام واولیاء عظام بشر ہیں اور خوف وحزن کا عروض لازمۂ بشریت ہے۔ لہذا بے شبہ انبیاء واولیا کو خوف و حزن عارض ہوتا ہے مگر چونکہ ان پر توجہ الی اللہ اور استغراق فی اللہ کی حالت غالب ہوتی ہے۔ اس لئے اس عارض شدہ کیفیت کی طرف ان کو وہ التفات نہیں ہوتی جو عوام بشر کو ہوتی ہے۔ عوام الناس پر 'حزن' شدت کے ساتھ تاثیر کرتا ہے اور وہ اس کے استحضار فی القلب سے مدتوں متاثر رہتے ہیں، روتے ہیں، شکوۂ قسمت کرتے رہنا اپنا مشغلہ بنا لیتے ہیں۔ کاروبار سے دل برداشتہ ہو جاتے ہیں۔ مگر انبیائُ واولیاء کی ذات ان تاثرات سے پاک ہوتی ہے۔ پس انبیا واولیاء کی محزونیت کے واقعات سے مرتبۂ حصول وعروض میں مراد ہے اور حزن کے استحضار والتفات اور اس سے متاثر بتاثیر شدید نہ ہونے کے مرتبے میں رہ کر ولا ھم یحزنون کے مصداق ہیں۔ یعنی وہ مشکلات ومصائب کو اپنے دل میں مستحضر نہیں رکھتے نہ ان طرف التفات کرتے ہیں۔

پس سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت کے موقعہ پہ "اِنَّا بِفِرَاقِكَ یَا اِبْرَاھِیم لَمَحْزُونُون" فرمانا یہ ثابت نہیں کرتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عوامِ البشر کی

طرح محزون ہیں۔ بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ ان کلمات سے آپ اپنے عروضِ حزن کی خبر دے رہے ہیں۔ اس لئے آپ بتقاضائے بشریّت آبدیدہ بھی ہیں۔ مگر یقیناً اس ذاتِ عالی کو حزن کی طرف التفاتِ تام اسوقت بھی نہیں ہے۔ چنانچہ جب غارِ ثور میں اس سے بھی زیادہ خوف و حزن کا موقعہ پیش آیا کہ خون کے پیاسے دشمن سر پہ آپہنچے اور آپ کے رفیق ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اظہارِ خوف کیا تو حضور نے فرمایا "لا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" اے صدیق کچھ خوف نہ کر کیونکہ اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے۔
اب رہی یہ بات کہ انبیاء کو حزنِ ظاہری کیوں لاحق ہوتا ہے؟ سو اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی مقتضی ہوئی کہ نوعِ بشر کا نبی اس کے بنی نوع میں سے ہو تو اس کے لئے لوازمِ بشریّت کا حصول و عروض ضروری ہے۔ اگرچہ وہ لوازم بشریّت، لوازمِ نبوت کے آگے مغلوب ہی ہوں۔ چنانچہ اگر ایک نبی کے عمومِ اوقات استغراق کی حالت میں گذرے ہیں تو "فِیْ حِیْنٍ مِّنَ الْاَحْیَان"، اس پر مقتضیاتِ بشریّت بھی عارض ہوتے ہیں۔ کیونکہ مخلوق کے لئے ایک حالت کا دوام و استمرار "سُنّت اللہ" کے خلاف ہے۔ اگر حضرت یعقوب علیہ السّلام کے متعلق پھر سوال کیا جائے کہ ان پر فراقِ یوسف علیہ السّلام کا اثر اس قدر کیوں ہوا کہ برسوں انہی کا ذکر کرتے رہے اور کثرتِ گریہ سے آنکھیں سفید ہوگئیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک ان پر عروضِ حزن بہ شدّت تھا۔ اور اپنے پیارے یوسف علیہ السلام کی جدائی کا صدمہ۔ تو یہ ایک ابتلاء تھا اللہ تعالےٰ کی طرف سے مگر عامہ عباد کی طرح مقتضائے حزن کا اتباع انہوں نے نہیں کیا۔ بلکہ کامل صبر و ضبط سے کام لیا جو ایک شانِ نبوّت تھی۔ چنانچہ خود اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ فَھُوَ کَظِیْمٌ۔ یعنی وہ غم و الم سے لبریز ہو کر بھی اسے دبائے ہوئے تھے۔ اور کسی سے شکوہ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خود فرمایا "اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ" میں تو اپنے غم و الم کا رونا اللہ کے پاس روتا ہوں۔ کسی بندے کے پاس نہیں" بخلاف اس کے عام لوگوں کا یہ حال ہے کہ دنیا جہان کے سامنے شکوۂ قسمت کا دفتر کھولتے رہتے ہیں۔ نوحہ و فغان کر کے رات دن کا مشغلہ بنا لیتے ہیں۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام سے ان افعال کا صدور ہی نہیں ہوا تو پھر اعتراض کیونکر وارد ہو سکتا ہے؟ پس چونکہ اولیاء اللہ نورِ نبوّت کے عکس سے منعکس ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی احوال انبیاء علیہم السّلام کے تابع ہوتے ہیں۔ فَتَدَبَّرْ۔!

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

شیر آں باشد کہ مرد اُورا خورد — شیر آں باشد کہ مردم را درد

پاک ہستیوں کے حالات کو اپنے حالات پر قیاس نہ کرو اگرچہ شیر اور شیر لکھنے میں ایک ہی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ مگر ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ شیر یعنی دودھ تو وہ ہے جس کو آدمی کھا پی جاتا ہے۔ لیکن شیر وہ ایک خونخوار جانور ہے جو کہ آدمی کو چیر پھاڑ کر کھا جاتا ہے۔!

بت پرستی گر بمانی در صُوَر — صورتش بگذار و معنے را نگر

اگر تُو شکل و صورتِ ظاہری کو دیکھ کر حکمت میں پڑا رہا تو تُو بُت پرست ہے۔ ظاہری صورت کو نظر انداز کر دے۔ اور معنے کو دیکھ۔ کہ اس ظاہر صورت کے باطن میں کیا پوشیدہ ہے۔

کافراں دیدند احمدؐ را بشر — چوں نہ دیدند از وے اِنشقّ القمر

کفّار منکرین نے احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ و آلہٖ وسلم کو بہ لحاظ بشریّت ہی دیکھا جب کہ وہ اس وجودِ ظاہری کے باطن کو نہ دیکھ سکے۔ اور اس پر یہ واضح نہ ہو سکا کہ ان میں وہ کونسی حقیقت پوشیدہ ہے جس نے چاند کو ٹکڑے کر ڈالا۔

در بشر رُو پوش گشت ست آفتاب — فہم کن واللہ اعلم بالصّواب

حقیقت یہ ہے کہ اس لباسِ بشریّت میں "آفتاب" رُوپوش ہے۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔ در انحالیکہ اصل حقیقت کو اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔

اولیاء اللہ کی قوّتِ تصرّف و علم و کرامات کا ثبوت قرآن مجیدؐ سے

تختِ بلقیس

حضرت سلیمان علیہ السّلام کے بلانے پر جب ملکۂ سبا بلقیس حاضر ہونے کے لئے تیار ہوئی تو اس نے اپنا تخت جو اسّی گز طویل اور چالیس گز عریض اور تیس گز اونچا تھا۔ سونے چاندی اور جواہرات سے مرصّع تھا۔ اپنے سات محلوں میں سے سب سے پچھلے محل میں محفوظ کر کے تمام دروازے مقفّل کر دیئے اور دروازوں پر مسلح پہرے دار مقرر کر دیئے اور بھاری لشکر ساتھ لے کر روانہ ہوئی۔ ملکہ سبا جب تین میل دور رہ گئی تو حضرت سلیمان نے فرمایا۔ یٰاَیُّھَا الْمَلَؤُا اَیُّکُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِھَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ" اے درباریو! تم میں کون ہے جو اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے

کر وہ میرے حضور مطیع ہو کر حاضر ہوں ۔" ایک بڑا جن جس کا نام عمرہ تھا بولا کہ :" میں وہ تخت حضور میں حاضر کر دوں گا، قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخواست کریں ۔ (آپ کا اجلاس صبح سے دوپہر تک ہوتا تھا۔) اور میں بے شک اس پر قوت والا اور امانت دار ہوں ۔" یعنی مجھے اس تخت کے لانے کی طاقت بھی ہے ۔ اور امانت دار بھی ہوں کہ اس تخت میں جو موتی جواہرات، زمرد اور سونا چاندی جڑے ہیں ان کو احتیاط کے ساتھ کسی قسم کی خیانت کئے بغیر آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا ۔" اس جن کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ جہاں اس کی نظر پہنچتی تھی وہاں ہی وہ اپنا قدم رکھتا تھا ۔ اس نے حضرت سے اپنی رفتار کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں جلد ہی تخت لے آتا ہوں ۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے فرمایا :" میں چاہتا ہوں کہ تجھ سے بھی زیادہ جلد لانے والا شخص ہو ۔" اس پر آپ کے وزیر آصف بن برخیا رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو اللہ کا اسم اعظم جانتے تھے قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ ۔ اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا ۔ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۔ کہ میں ملکہ بلقیس کے تخت کو آپ کے پلک جھپکنے سے بھی پہلے حضور میں حاضر کر دوں گا ۔ وہ تخت دو ماہ کے طویل سفر کے فاصلے پر تھا ۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے فرمایا :" لاؤ حاضر کرو ۔" حکم ملتے ہی آصف بن برخیا رضی اللہ تعالےٰ عنہ کھڑے ہوئے ۔ وضو کیا ۔ اور سجدہ میں جا کر دعا کی اور کہا ۔ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بلقیس کا تخت فوراً موجود ہوا ۔ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ ۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے جب دیکھا تو تخت کو اپنے پاس موجود پایا ۔ (پ ۱۹ ع ۱۸)

قرآن مجید سے ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ ایک مقام پر رہ کر دور دراز مقامات پر تصرف کر سکتے ہیں ۔ نیز ۔ لفظ اٰتِيْكَ بِهٖ ۔ میں اس تخت کو آپ کے حضور لے آؤں گا ۔" سے جانا بھی ثابت اور تخت لے کر آنا بھی ۔ مگر حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ تعالےٰ عنہ نہ دربار سے گئے نہ کہیں سے آئے ۔ اس سے تجدّد امثال ثابت ہوا ۔ اور جب بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اُمّتی اولیاء اللہ کی یہ شان ہے ۔ تو سیّد الرسل، امام الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے اُمّتی اولیاء اللہ کی شان کس قدر ارفع و اعلیٰ ہو گی ۔ فتدبّر ۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔ ؎

اولیا را ہست قدرت از الٰہ تیر جستہ باز گردانند ز راہ

اولیاء اللہ کو اللہ تعالےٰ کی عطا سے یہ قدرت حاصل ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے

تیر کو راستہ ہی سے واپس لوٹا دیں ۔ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے فرمایا ۔

نہ تیغ و تبر میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

سچ ہے ۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السّلام کی ملاقات

سورۂ کہف میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے ۔ اور (یاد کرو) جب (حضرت موسیٰ (ابن عمران) نے اپنے خادم (یوشع بن نون) سے کہا : میں باز نہ رہوں گا جب تک وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملے ہیں ۔ (بحرِ فارس و بحرِ رُوم جانب مشرق میں اور مجمع البحرین وہ مقام ہے جہاں حضرت موسےٰ علیہ السّلام کو حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا وعدہ دیا گیا تھا ۔ اس لئے آپ نے وہاں پہنچنے کا پختہ عزم کیا اور فرمایا کہ میں اپنی سعی جاری رکھوں گا جب تک کہ وہاں پہنچوں) یا قرنوں چلا جاؤں گا ۔ (اگرچہ وہ جگہ دور ہو، پھر یہ حضرات، روٹی اور نمکین بھُنی مچھلی زنبیل میں توشہ کے طور پر لے کر روانہ ہوئے) پھر جب وہ دونوں ان دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچے (جہاں ایک پتھر کی چٹان تھی اور چشمۂ حیات تھا تو وہاں دونوں حضرات نے آرام فرمایا اور سو گئے ۔ بھُنی ہوئی مچھلی زنبیل میں زندہ ہو گئی ۔ اور تڑپ کر سمندر میں گری اور اس پر سے سمندر کے پانی کا بہاؤ رُک گیا اور ایک محراب سی بن گئی ۔ حضرت یوشع کو بیدار ہونے کے بعد حضرت موسیٰ سے اس کا ذکر کرنا یاد نہ رہا ۔) اپنی مچھلی بھول گئے اور اس نے سمندر میں اپنی راہ لی سرنگ بناتی ۔ پھر جب وہاں سے گزر گئے (اور چلتے رہے یہاں تک کہ دوسرے روز کھانے کا وقت آیا تو حضرت) موسیٰ نے خادم سے کہا ہمارا صبح کا کھانا لاؤ بیشک ہمیں اس سفر میں بڑی مشقّت کا سامنا ہوا (تکان بھی ہے بھوک کی شدت بھی ہے ۔ اور یہ بات جب تک مجمع البحرین پہنچے تھے پیش نہ آئی تھی ۔ منزلِ مقصود سے آگے بڑھ کر تکان اور بھوک محسوس ہوئی ۔ اس میں اللہ تعالےٰ کی حکمت تھی کہ مچھلی یاد کریں اور اس کی طلب میں منزلِ مقصود کی طرف واپس ہوں ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ فرمانے پر خادم نے معذرت کی اور) بولا بھلا دیکھئے تو جب ہم نے اس چٹان کے پاس جگہ لی تھی تو بیشک میں اس مچھلی کو بھول گیا ۔ اور مجھے

شیطان نے ہی بھلا دیا کہ میں اس کا مذکور کروں اور اس (مچھلی) نے تو سمندر میں اپنی راہ لی اچنبا ہے۔"

موسیٰ نے کہا: "یہی تو ہم چاہتے تھے (مچھلی کا جانا ہی تو ہمارے حصولِ مقصد کی علامت ہے اور جن کی طلب میں ہم چلے ہیں ان کی ملاقات وہیں ہو گی) تو پیچھے پلٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا۔ (جو چادر اوڑھے آرام فرما رہا تھا۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے) جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔ (یعنی غیوب کا علم، مفسرین نے فرمایا علم لدنی وہ ہے جو بندہ کو بطریق الہام حاصل ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا کہ سفید چادر میں لیٹے ہوئے ہیں تو آپ نے انہیں سلام کیا، انہوں نے پوچھا تمہاری سرزمین میں سلام کہاں؟ آپ نے فرمایا کہ میں موسیٰ ہوں، انہوں نے فرمایا۔ بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ فرمایا: "جی ہاں" پھر) اس سے موسیٰ نے کہا: "کیا میں تمہارے ساتھ رہوں، اس شرط پہ کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی؟" (خضر علیہ السلام نے) کہا: "آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے (خضر علیہ السلام نے یہ اس لئے فرمایا کہ وہ جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ظاہری طور پہ امور منکرہ و ممنوعہ دیکھیں گے اور انبیاء علیہم السلام سے ممکن ہی نہیں کہ وہ منکرات دیکھ کر صبر کر سکیں، پھر حضرت خضر نے اس ترکِ صبر کا سبب بھی خود ہی بیان فرما دیا اور فرمایا) اور (آپ) اس بات پہ کیونکر صبر کریں گے۔ جسے آپ کا علم محیط نہیں (اور ظاہر میں وہ منکر ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "ایک علم اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا عطا فرمایا ہے جو آپ نہیں جانتے اور ایک علم آپ کو ایسا عطا فرمایا جو میں نہیں جانتا"، مفسرین و محدثین کا ارشاد ہے کہ جو علم حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے لئے خاص فرمایا وہ علم باطن اور مکاشفہ ہے۔ اور اہلِ کمال کے لئے یہ باعثِ فضل ہے۔ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ صدیق کو صرف نماز وغیرہ اعمال کی بنا پہ صحابہ پر فضیلت نہیں۔ بلکہ ان کی فضیلت اس چیز سے ہے جو ان کے سینہ میں ہے یعنی علمِ باطن و علم اسرار کیونکہ جو افعال صادر ہوں گے وہ حکمت سے ہوں گے اگرچہ بظاہر خلاف معلوم ہوں)

(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: "عنقریب اللہ چاہے تو تم مجھے صابر پاؤ گے۔ اور میں تمہارے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا، (حضرت خضر علیہ السلام نے) کہا: "تو اگر آپ میرے ساتھ رہتے ہیں تو مجھ سے کسی

بات کو نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کروں۔" (اس سے معلوم ہوا کہ شاگرد اور مسترشد کے آداب میں سے ہے کہ وہ شیخ و استاد کے افعال پہ زبانِ اعتراض نہ کھولے اور منتظر رہے کہ وہ خود ہی اس کی حکمت ظاہر فرمائیں۔ (تفسیر مدارک و ابوالسعود) اب دونوں چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے (اور کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان کر بغیر معاوضہ کے سوار کر لیا) تو اس بندہ (خضر علیہ السلام) نے اسے چیر ڈالا (بسولے یا کلہاڑی سے اس کا ایک تختہ یا دو تختے اکھاڑ ڈالے لیکن باوجود اس کے پانی کشتی میں نہ آیا) موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا تم نے اسے اسلئے چیرا کہ اسکے سواروں کو ڈبو دو بیشک یہ تم نے بُری بات کی (حضرت خضر نے) کہا: "میں نہ کہتا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکینگے؟" (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا): "مجھ سے میری بھول پر گرفت نہ کرو (کیونکہ بھول پہ شریعت میں گرفت نہیں) اور مجھ پر میرے کام میں مشکل نہ ڈالو" پھر دونوں چلے (یعنی کشتی سے اتر کر ایک مقام پہ گذرے جہاں لڑکے کھیل رہے تھے) یہاں تک کہ جب ایک لڑکا ملا (جو ان میں خوبصورت تھا اور حدِ بلوغ کو نہ پہنچا تھا۔ بعض مفسرین نے کہا جوان تھا اور رہزنی کیا کرتا تھا) پس (خضر علیہ السلام) نے اسے قتل کر دیا۔ (موسیٰ نے) کہا کیا تم نے ایک ستھری جان (جس کا کوئی گناہ ثابت نہ تھا) بے کسی جان کے بدلے قتل کر دی۔ بیشک تم نے بہت بری بات کی (خضر علیہ السلام نے) کہا: "کہ اے موسیٰ) میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے؟" (اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: "اس کے بعد میں تم سے کچھ پوچھوں تو پھر میرے ساتھ نہ رہنا۔ بیشک میری طرف سے تمہارا عذر پورا ہو چکا، پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں کے پاس آئے (حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس گاؤں سے مراد انطاکیہ ہے وہاں ان حضرات نے) ان (دہقانوں) سے کھانا مانگا، انہوں نے انہیں دعوت دینی قبول نہ کی (اور میزبانی پہ آمادہ نہ ہوئے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ بستی بہت بدتر ہے جہاں مہمانوں کی میزبانی نہ کی جائے) پھر دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار پائی کہ گرا چاہتی ہے (حضرت خضر علیہ السلام نے) اسے سیدھا کر دیا (خضر علیہ السلام نے گرتی ہوئی دیوار کو اپنا ہاتھ مبارک لگا کر اپنی کرامت سے سیدھا کر دیا) (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: "تم چاہتے تو اس پہ کچھ مزدوری لے لیتے۔" (حضرت خضر علیہ السلام نے) کہا یہ (اس مرتبہ کا انکار) میری اور آپ کی جدائی ہے، اب میں آپ کو ان باتوں کا پھیر بتاؤں گا جن پہ آپ سے صبر نہ ہو سکا۔ (اور ان کے اندر جو راز تھے ان کا اظہار کروں گا) وہ جو کشتی تھی وہ کچھ محتاجوں کی تھی (جو دس بھائی تھے

ان میں پانچ تو اپاہج تھے جو کہ کچھ نہیں کر سکتے تھے اور پانچ تندرست تھے جو کہ دریا میں کام کرتے تھے تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا (کہ انہیں واپسی میں اس کی طرف گذرنا ہوتا اس بادشاہ کا نام جلندی، تھا کشتی والوں کو اس کا حال معلوم نہ تھا اور اس کا طریقہ یہ تھا) کہ ہر ثابت کشتی زبردستی چھین لیتا (اور اگر عیب دار ہوتی چھوڑ دیتا۔ اس لئے میں نے اس کشتی کو عیب دار کر دیا کہ وہ ان غریبوں کے لئے بچ رہے) اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ مسلمان تھے تو ہمیں ڈر ہوا کہ وہ ان کو سرکشی اور کفر پہ چڑھا دے (اور وہ اس کی محبت میں دین سے پھر جائیں اور گمراہ ہو جائیں، اور حضرت کا یہ اندیشہ اس لئے تھا کہ وہ بہ اعلام الہٰی اس کے حالِ باطن کو جانتے تھے، حدیث مسلم میں ہے کہ یہ لڑکا کافر ہی پیدا ہوا تھا، امام سُبکی نے فرمایا کہ حالِ باطن جان کر بچے کو قتل کر دینا حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے، انہیں اس کی اجازت تھی، اگر کوئی ولی کسی بچے کے ایسے حال پہ مطلع ہو تو اس کو قتل جائز نہیں ہے، کتاب عرائس میں ہے کہ جب حضرت موسےٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ تم نے ستھری جان کو قتل کر دیا تو یہ انہیں گراں گذرا اور انہوں نے اس لڑکے کا کندھا توڑ کر اس کا گوشت چیرا تو اس کے اندر لکھا ہوا تھا۔ "کافر ہے" کبھی اللہ پر ایمان نہ لائے گا"۔ (تفسیر جمل) تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب اس سے بہتر (بجہ گناہوں اور نجاستوں سے پاک اور) ستھرا اور اس سے زیادہ مہربانی میں قریب عطا کرے (جو والدین کے ساتھ طریقِ ادب وحسنِ سلوک اور مؤدت و محبت رکھتا ہو۔ مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں ایک بیٹی دی جو ایک نبی کے نکاح میں آئی اور اس سے نبی پیدا ہوئے جن کے ہاتھ پہ اللہ تعالےٰ نے ایک امت کو ہدایت دی۔ بندے کو چاہئے کہ اللہ تعالےٰ کی قضاء پر راضی رہے اسی میں بہتری ہوتی ہے) رہی وہ دیوار، وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی (جن کے نام اُصرم، اور صریم، تھے) اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا (ترمذی کی حدیث میں ہے کہ اس دیوار کے نیچے سونا چاندی مدفون تھا، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ ان میں سونے کی ایک تختی تھی اس پہ ایک طرف لکھا تھا۔ اس کا حال عجیب ہے جسے موت کا یقین ہو اس کو خوشی کس طرح ہوتی ہے، اس کا حال عجیب ہے جو قضاء و قدر کا یقین رکھے اس کو غصّہ کیسے آتا ہے، اس کا حال عجیب ہے جسے رزق کا یقین ہو وہ کیوں تعب میں پڑتا ہے، اس کا حال عجیب ہے جسے حساب کا یقین ہو وہ کیسے غافل رہتا

ہے۔ اس کا حال عجیب ہے جس کو دنیا کے تغیّر و زوال کا یقین ہو وہ کیسے مطمئن ہوتا ہے اور اس کے ساتھ لکھا تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اور دوسری جانب اس لوح پہ لکھا تھا۔ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں یکتا ہوں، میرا کوئی شریک نہیں۔ میں نے خیر و شر پیدا کی، اس کے لئے خوشی جسے میں نے خیر کے لئے پیدا کیا، اور اس کے ہاتھوں پہ خیر جاری کی۔ اس کے لئے تباہی جس کو شر کے لئے پیدا کیا۔ اور اس کے ہاتھوں پہ شر جاری کی) اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ (اس کا نام کاشح، تھا اور یہ شخص پرہیزگار تھا۔ حضرت محمد بن منکدر علیہ الرحمتہ نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ کے بندے کی نیکی سے اس کی اولاد کو اور اس کی اولاد کی اولاد کو، اس کے کنبے والوں اور اس کے محلّہ داروں کو اپنی حفاظت میں رکھتا ہے) تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں، آپ کے رب کی رحمت سے اور یہ کچھ میں نے اپنے حکم سے نہ کیا، یہ پھیر ہے ان باتوں کا جس پہ آپ سے صبر نہ ہو سکا۔ (میں نے یہ سب کچھ بہ امر الٰہی و الہام خداوندی کیا۔ (تفسیر خزائن العرفان)

عارفِ ربّانی مولانا رُوم علیہ الرحمتہ کا ارشاد

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمتہ مثنوی شریف میں ایک صالح بادشاہ کا قصّہ بیان کرتے ہوئے اولیاء اللہ کے متعلق فرماتے ہیں :-

بگذر از ظنّ خطا اے بدگماں   اِنّ بعضَ الظّنِ اِثمٌ را بخواں

اے بدگمان آدمی، بدگمانی چھوڑ دے اور اس آیت کو پڑھ۔ یا ایھا الّذین آمنوا اجتَنِبُوا کَثِیْرًا مِّنَ الظّنِّ اِنّ بَعْضَ الظّنِّ اِثْمٌ (الحجرات)

اے ایمان والو، بہت گمانوں سے بچو (کیونکہ ہر گمان صحیح نہیں ہوتا) بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔"

گر نہ بودے کارش الہامِ الٰہ   او سگے بودے درانندہ نہ شاہ

اگر اس بادشاہ کا کام الہام پہ مبنی نہ ہوتا تو فی الواقع وہ ایک پھاڑ کھانے والا کتا ہوتا نہ کہ بادشاہ

پاک بُود از شہوت و حرص و ہوا   نیک کرد و لیک نیکِ بدنما

وہ نفسانی خواہش اور حرص و ہوا سے پاک تھا۔ اس نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ لیکن ایسا اچھا جو بظاہر برا لگتا ہے۔

خضر گر در بحرِ کشتی را شکست　　صد درستی در شکستِ خضر ہست

اگر خضر علیہ السلام نے کشتی کو دریا میں توڑ ڈالا تھا تو خضر کے توڑ ڈالنے میں بھی سینکڑوں مرمتیں مخفی ہیں۔

وہم موسیٰ با ہمہ نور و ہنر　　شد ازاں محجوب تو بے پر مپر

اولیاء اللہ کے اسرار و رموز کو تم کیا سمجھو، جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نورانی اور خوبی بھرا خیال بھی اس کے سمجھنے کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ پس تم جن کی کوئی حیثیت نہیں۔ نورِ بصیرت سے محروم ہونے کے باوجود بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناؤ۔ یعنی جب قدرت کے مخفی اسرار کا یہ عالم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے اولوالعزم پیغمبر اپنے سے کمتر مرتبہ کے حامل ولی اللہ کی حکمت کی طرف متوجہ نہ ہوئے تو تم بے حیثیت ہو کر نفوسِ قدسیہ کے علومِ غیوب و فضائل و مراتب اور مناصب کا کیوں انکار کرتے ہو؟

بناوٹی پیروں اور جاہل فقیروں کے ایک مغالطہ کی تردید

اس مقام پر ایک اشتباہ کو رفع کر دینا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض بے علم اور بناوٹی پیر اور جاہل پیشہ ور فقیر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خضر علیہ السلام کے واقعہ کی آڑ میں شریعت اور طریقت کو ایک دوسرے سے مخالف قرار دیا کرتے ہیں اور نبوت پر ولایت کو افضل و اعلیٰ کہہ کر گمراہ ہو جاتے ہیں حالانکہ ولی کو نبی پر فضیلت دینا صریحاً کفر ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ولی تو نبی پر ایمان لانے سے ہی مرتبۂ ولایت تک پہنچتا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ نبی سے بڑھ جائے۔ بعض جاہل فقیر کہا کرتے ہیں کہ شریعت یعنی علم ظاہر سے طریقت یعنی علمِ باطن افضل ہے۔ اور اس کی دلیل میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا مذکورہ قصہ پیش کیا کرتے ہیں۔ یہ محض لفظی غلط فہمی ہے۔ طریقت شریعت کے برعکس یا اس سے مختلف نہیں ہے بلکہ شریعت ہی کا ایک جزو ہے۔

شریعت کا معنے ہے ظاہری و باطنی اصلاح کا طریقہ اور یہ طریقہ دو شعبوں پر منقسم ہو جاتا ہے ایک شعبہ

علمی جو علم عقائد، علم فقہ اور علم اخلاق پر مشتمل ہے۔ دوسرا شعبہ عملی جو مجاہدات و ریاضات سے سرانجام پاتا ہے اور جس کا نام تصوف یا سلوک یا معرفت ہے، اسی کو ایک حیثیت سے علم باطن کہتے ہیں اور ان دونوں کے مجموعہ کا نام شریعت ہے۔ جس کی ایک نہایت روشن برہان یہ ہے کہ باطنی فیوض کے بڑے سے بڑے سرچشموں سے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ جن کو سالکانِ باکمال سے لے کر مبتدع (بھنگی، چرسی، تارکِ نماز و روزہ و دیگر اعمالِ شریعت) فقراء تک سب کے سب شریعت و طریقت کے امام الائمہ مانتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے تمام فضائل ظاہری و باطنی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہوئے ہیں لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ شریعت ہیں حالانکہ آپ سے نہ صرف علم ظاہری شائع ہوا بلکہ علمِ باطنی کے مورث بھی آپ ہی ہیں۔ تو گویا آپ کی تمام تعلیمات و افاضات کا شریعت کے سوا اور کوئی نام نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ علم ظاہری جو فقہاء و محدثین کے حصہ میں آیا اور علم باطنی جس کے اہل سلوک و طریقت وارث ہوئے دونوں کا مجموعہ شریعت ہے۔ پس جزو کُل سے کیونکر افضل ہو سکتا ہے؟ رہی یہ بات کہ مذکورہ روایت کی رو سے حضرت موسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام علمِ باطن میں حضرتِ خضر علیہ السلام سے ظاہری طور پر کم نظر آئے یہ محض سوئے فہم و جہالت ہے جب شریعت علم ظاہر و باطن کا مجموعہ ٹھہری تو کوئی اولوالعزم رسول جو صاحبِ شریعت ہو جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، علم باطن میں کسی ولی سے پیچھے نہیں رہ سکتا۔ لیکن قتل صبی اور شکستِ کشتی اور تعمیر جدار کی حکمتوں میں جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک وقت کے لئے امتحاناً لاعلم رکھے گئے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک رسول صاحبِ شریعت کے لئے یہ لازمی امر نہیں ہے کہ تمام جزئیات کی حکمتوں پر حاوی ہو جو خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام بعض جزوی حالات میں اصلاح النّاس پر مامور تھے۔ اور یہ مقام حضرت موسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے رسول گرامی قدر و صاحبِ کتاب و حاملِ شریعت کے مقام سے افضل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اشخاص کے لئے نہیں بلکہ جمیع امّت کے لئے ایک شریعتِ جامعہ اور ضابطہ عمومیہ کے امین ہیں جو تمام افرادِ اُمّت پر بطورِ قانون واجب العمل نافذ تھا۔ اور ہر شخص اس پر مکلّف تھا اور اس سے تکمیلِ امت مقصود تھی۔ بخلاف اس کے حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات صرف حضرت خضر علیہ السلام کے لئے معمول بہ ہیں۔ دوسرا شخص ان پر مکلّف نہیں ہے اور اس سے تکمیل نہیں بلکہ اصلاح بعض افراد

مقصود ہے، پس حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم ظاہراً و باطناً افضل و اکمل ہے حضرت خضر علیہ السلام سے۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ کے الفاظ بھی یہ بیان واضح بتا رہے ہیں کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ کا علم افضل تھا ع

وہم موسٰے باہمہ نور و ہنر

یعنی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علمی نور و ہنر کی شان بمقابلہ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑھ کر تھی، اور جبھی تو ان کا اسرارِ خضریہ سے خالی الذہن ہونا باعثِ عبرت ہے۔ ورنہ اگر حضرت خضر علیہ السلام کا علم اعلیٰ و اوسع ہوتا تو اس کا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ادنیٰ و اقل علم پر غالب آجانا ہمارے لئے کوئی مایۂ عبرت نہ تھا اور نہ مولانا کے لئے اس میں کچھ تمثیل لانے کی خصوصیت تھی۔ نیز واضح رہے کہ ان دونوں کی باہم ملاقات ہونے اور مذکورہ جزوی واقعات کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک وقت کے لئے محجوب رہنے میں حکمت یہ تھی کہ انہوں نے ایک سائل کے جواب میں کہا تھا اَنَا اَعْلَمُ یعنی میں سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں، تو مشیتِ خداوندی ان پر ظاہر کر دینے کی مقتضی ہوئی کہ بعض لوگ ایسے جزوی و مقامی علوم سے واقف ہیں جو اگرچہ آپ کے علومِ الٰہیہ اور معارف حالیہ سے ان کا رتبہ کم ہو مگر وہ آپ کی نظر سے مخفی ہیں۔ (مفتاح العلوم)

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامات

پارہ تلک الرسل سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ - (ترجمہ) جب زکریا علیہ السلام اس کی (حضرت مریم کی) نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے۔ (بے فصل میوے جو جنّت سے آتے) کہا۔ اے مریم یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ بولیں وہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بیشک اللہ جسے چاہے بے گنتی دے"۔ حضرت زکریا علیہ السلام ان کے پاس آتے تھے تو گرمیوں میں سردیوں کے

میوے اور سردیوں میں گرمیوں کے میوے وہاں موجود پاتے اور یہ امر بالاتفاق مسلّم ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالےٰ عنہا پیغمبر نہیں ہیں اور ان کی یہ کرامت بھی ملاحظہ فرمائیے کہ:۔

فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا - (پ ۱۶ سورہ مریم)

تو اسے (جبرئیل علیہ السلام نے) اس کے تلے سے (وادی کے نشیب سے) پکارا کہ غم نہ کھا (اپنی تنہائی کا اور کھانے پینے کی کوئی چیز موجود نہ ہونے کا) بیشک تیرے رب نے تیرے نیچے ایک نہر بہادی (حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے یا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین پر ماری تو آبِ شیریں کا ایک چشمہ جاری ہوگیا اور کھجور کا درخت سرسبز ہوگیا، پھل لایا اور اسی وقت پھل پک کر کھانے کے قابل ہوگیا اور حضرت مریم سے کہا گیا) اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازہ پکّی کھجوریں گریں گی (جو زچہ کے لئے بہترین غذا ہیں) فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا - پس کھا پی اور (اپنے فرزند حضرت عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے) آنکھ ٹھنڈی رکھ۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے وقت کا ہے۔

فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا

انبیاء و اولیا اور ملائکہ تدبیرِ امور فرماتے ہیں

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ (پ ۱۱ ع ۹ کی پہلی آیت)

ترجمہ:۔ تم فرماؤ تمہیں کون روزی دیتا ہے آسمان اور زمین سے (آسمان سے مینہ برسا کر اور زمین سے سبزہ اُگا کر) یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا (اور یہ حواس تمہیں کس نے دیئے ہیں) اور کون نکالتا ہے زندہ کو مُردے سے اور نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے اور کون تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے تو اب

کہیں گے "اللہ"۔ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۔ تو تم فرماؤ تو کیوں نہیں ڈرتے"؟ فَذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمُ الْحَقُّ ۔ تو یہ اللہ ہے تمہارا سچا رب۔

اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ کائنات کا تمام انتظام کرنے والا، کاروبارِ عالم کا چلانے والا، اور تمام اُمور کی تدبیر کرنے والا حقیقتہً اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا متصرف فی الامور اور مُدبّر الاُمور نہیں۔ اس سے مشرکین و کفّار کی تردید مقصود ہے جو بتوں اور دیوی دیوتاؤں وغیرہ "من دون اللہ" کو حقیقتہً متصرف فی الامور اور مُدبّر الاُمور جان کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ و نیز اسی مضمون کی دوسری آیات سے وہابی مولوی اپنے مخصوص مسلک کے تحت مشرکین و کفّار کے معبودانِ باطل کی جگہ انبیاء و اولیاء اور فرشتوں کو "مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" قرار دے کر ان سے توسّل و استمداد کرنے والے مسلمانوں کو مشرک و کافر ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ مسلمان انبیاء، و اولیاء اور فرشتوں کو حقیقتہً متصرّف فی الامور اور مدبّر الامور نہیں جانتے اور نہ ہی ان کی پرستش کرتے ہیں۔

وہابیہ کا یہ بڑا ظلم ہے جو اس مضمون کی آیات سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام و اولیاء اللہ قدس اللہ باسرارھم اور ملائکہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوّتِ تصرّف کا انکار کرتے اور ان کے مدبّر الامور ہونے کی تردید کرتے ہیں۔ چنانچہ "امام الوہابیہ" مولوی اسمٰعیل دہلوی لکھتا ہے "اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرّف کرنے کی قدرت نہیں دی"۔ پھر لکھتا ہے "اور قدرتِ تصرّف کی ثابت کرنی سو ان باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے۔ گو کہ پھر اللہ سے چھوٹا ہی سمجھے اور اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ" اور اس بات میں اولیاء و انبیاء میں اور جنّ و شیطان میں اور بھوت و پری میں کچھ فرق نہیں"۔ نیز لکھتا ہے "سو اس عقیدے سے آدمی البتّہ مشرک ہو جاتا ہے خواہ یہ عقیدہ انبیاء و اولیاء سے رکھے، خواہ پیر و شہید سے، خواہ امام و امام زادے سے، خواہ بھوت و پری سے، پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے، خواہ اللہ کے دینے سے غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے"۔ (تقویۃ الایمان) نعوذ باللہ من ذالک الھفوات۔

ثابت ہوا کہ وہابی صاحبان، قرآن مجید میں صریحاً تحریف کر کے انبیاء و اولیاء کی قوّتِ تصرّف بعطائے الٰہی کے بھی منکر ہیں۔ اور تمام نفوسِ قدسیہ کو مطلقاً مجبورِ محض قرار دے کر جنّوں، شیطانوں، بھوتوں اور

پریوں کی صف میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث سے بالوضاحت ثابت ہے کہ یہ نفوسِ قدسیہ "مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" نہیں ہیں۔ ان مقبول و برگزیدہ ہستیوں کو قوّتِ تصرف بعطائے الٰہی حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی مشیّت کے تحت متصرّف فی الاُمور اور مدّبر الاُمور بنایا ہے۔ ان کو وہ قوّت عطا فرماتا ہے۔ جس کے سامنے جنّات بھی عاجز ہیں۔ چنانچہ آپ، حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضور تختِ بلقیس حاضر کر دینے کا واقعہ پڑھ چکے ہیں۔ کہ حضرت آصف بن برخیا ولی اللہ نے وہ کام کر دکھایا جو عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ سے بھی ناممکن تھا۔ اصل میں وہابیہ کے انکار کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ لوگ حسبِ فرمانِ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فہم قرآن و حدیث سے نابلد و عاری ہیں۔ یقرءون القرآن لا یجاوز حناجرھم۔ یہ لوگ قرآن کے قاری تو ہوں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔

فقیر اب بفضلِ خدا و بفضلِ رسولہ المجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن مجید کی وہ آیات اور روایاتِ حدیث پیش کرتا ہے جن سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ انبیاء و اولیاء اور ملائکہ متصرّف فی الامور اور مدبّر الامور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان نفوسِ قدسیہ کو کائنات میں تصرّف کرنے کی قوت عطا فرمائی ہے اور یہ نفوسِ قدسیہ باذنِ اللہ تعالیٰ کاروبارِ عالم کی تدبیر کرتے ہیں۔

قال اللہ عزوجلّ ۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۔ قسم اُن (فرشتوں) کی کہ سختی سے جان کھینچیں (کافروں کی)، وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۔ اور نرمی سے بند کھولیں (مومنین کی جانیں نرمی سے قبض کریں) وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا اور آسانی سے پیریں (جسم کے اندر یا آسمان و زمین کے درمیان مومنین کی رُوحیں لے کر) فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں (اپنی خدمت پر جس کے مامور ہیں) فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۔ پھر کام کی تدبیریں کریں (یعنی اُمورِ دنیویہ کے انتظام جو ان سے متعلق ہیں سرانجام کریں (پ ۳۰ س النازعات، خزائن العرفان)

تفسیر فتح العزیز ۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:۔

والنّازعات غرقًا ۔ قسم ہے اس جماعت کی کہ کھینچتے ہیں اپنے تئیں کام میں سخت کھینچنا والنّاشطات نشطًا ۔ اور قسم ہے اس جماعت کی کہ شوق و خوشی پیدا کرتے ہیں کام میں یعنی

کام ہنسی اور خوشی سے کرتے ہیں۔ وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا۔ اور قسم ہے اس جماعت کی جو تیرتے ہیں کام کرتے ہیں تیرنا کر کے اور بے رنج اور بے مشقت کام میں مشغول ہوتے ہیں۔ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا۔ پھر قسم ہے ان کی جو اپنے برابر والوں سے کام میں بڑھ جاتے ہیں۔ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا پھر قسم ہے ان کی جو تدبیر کرنے والے ہیں۔ کام کے کہ جتنے پہلے مذکور ہو چکے سب اپنے اپنے کاموں کی تدبیریں ان سے پوچھتے ہیں اور حرف "ف" کے لانے کا سبب ان دونوں قسموں کے آخر میں یہ ہے کہ ان دونوں (فالسابقات سبقا اور فالمدبرات امرا) کا مرتبہ بہت بلند ہے پہلے تینوں (والنازعات غرقا۔ والناشطات نشطا۔ والسابحات سبحا) فرقوں کی نسبت سے اس واسطے کہ یہ خود بھی کامل ہیں اور دوسرے کو بھی کامل کر دیتے ہیں اور آخر والے (فالمدبرات امرا) کا مرتبہ چوتھے (فالسابقات سبقًا) سے بھی زیادہ ہے اس واسطے کہ چوتھے مرتبہ والے کی سبقت اپنے ہم چشموں کی انہیں کی تدبیر بتلانے سے ہوتی ہے اور گویا کہ عالمِ دنیا میں قائم رکھنے والے اس کام کے یہی ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ نازعات اور ناشطات وہ فرشتے ہیں جو رسالت اور کاموں کے جاری کرنے پر مقرر ہیں اور مدبرات امرا۔ یعنی بڑے درجے اور بڑے مرتبے کے فرشتے ہیں۔ جیسے حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرات اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام مع اپنے لشکر اور اس کے سرداروں کے کہ ہر ایک کو ان میں سے ہونے والے کاموں کی تدبیروں کے واسطے مقرر فرمایا ہے۔ جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو انتظام ہوا اور لڑائی اور وحی اتارنا رسولوں پیمان سے متعلق ہے۔ اور حضرت میکائیل علیہ السلام سے پانی برسانا اور زمین سے اُگانا اور رزق کا پہنچانا ان سے تعلق رکھتا ہے۔ اور حضرت اسرافیل علیہ السلام سے صُور کا پھونکنا اور آدمیوں اور جانوروں میں روح کا ڈالنا ہے اور لوحِ محفوظ اور اندازہ کرنا رزق اور عمر اور ہر شئے کا متعلق ہے۔ اور حضرت عزرائیل علیہ السلام مردوں کی روحیں قبض کرنے پر اور بیماریوں اور آفتوں پر مقرر ہیں۔

تفسیر معالم التنزیل۔ قال ابن عبّاس هُمُ الملائكة وُكِّلُوْا بِاُمُوْرٍ عَرَّفَهُمُ اللّٰهُ تعالٰى بِهَا۔ قال عبد الرحمان ابن سابط۔ مدبر الامر فِي الدنيا اربعة جبرئيل وميكائيل وملك الموت واسرافيل عليهم السلام۔ فَاَمَّا جبرئيل فَوُكِّلَ بالرياح وَالْجُنُوْدِ وَاَمَّا ميكائيل فَوُكِّلَ بِالمطر والنبات وَاَمَّا ملك

الموت فَوُكِّلَ بقبض الاَنْفُسِ وَاَمَّا اسرافيل فهو بِالْاَمْرِ عليهم۔ حضرت عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں کہ یہ مدبرات الامر ملائکہ ہیں کہ ان کاموں پر مقرر کئے گئے جن کی کارروائی اللہ تعالٰی نے انہیں تعلیم فرما دی ہے۔ عبد الرحمٰن بن سابط رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں چار فرشتے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں۔ جبرئیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل علیہم السلام۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تو ہواؤں اور لشکروں پر مؤکّل ہیں (کہ ہوائیں چلانا اور لشکروں کو فتح و شکست دینا ان کے متعلق ہے) اور حضرت میکائیل علیہ السلام بارش اور روئیدگی پر مقرر ہیں (کہ مینہ برساتے اور درخت، گھاس اور کھیتی وغیرہ اگاتے ہیں) اور حضرت عزرائیل علیہ السلام روحیں قبض کرنے پر مؤکّل ہیں۔ اور حضرت اسرافیل علیہ السّلام ان سب پر حکم لے کر اُترتے ہیں۔"

تفسیر بیضاوی:- اَوصفات النّفوس الْفَاضِلَةِ حال المفارقة فانّها تنزع عن الابدان غرقًا اى نزعًا شديدًا من اغراق والنازع فى القوس فتنشط الى عالم الملكوت فتسبح فيه فتسبق الى خطائر القدس فتصير لِشرفها وقوّتها مِنَ الْمُدَبِّرَات۔ یا ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالٰی ارواحِ اولیا کرام کا ذکر فرماتا ہے، جب وہ اپنے پاک بدنوں سے انتقال فرماتی ہیں کہ جسم سے بقوتِ تمام جدا ہو کر عالمِ بالا کی طرف سبک خرامی اور دریائے ملکوت میں شناوری کرتی ہوئی خطیرہائے حضرت قدس تک جلد رسائی پاتی ہیں، لیس اپنی بزرگی و طاقت کے باعث کاروبارِ عالم کے تدبیر کرنے والوں سے ہو جاتی ہیں۔"

تفسیر روح البیان:- فَتَدَبِّرُ بالرجوع الى الكثرة امر الدعوة الى الحقّ والهداية وامر النظام فى مقام التفصيل بعد الجمع ثُمَّ اِنَّ النفوس الشريفة لايبعد اَنْ يظهر منها آثارٌ فى هٰذا الْعَالَمِ سواءٌ كانت مفارقة عن الابدان اَوْ لا فتكون مدبّراتٍ۔" یعنی۔ نفوسِ قدسیہ بدنی تعلقات سے الگ ہونے کے بعد صفاتِ الٰہی کے دریاؤں میں تیرتے ہوئے مقامِ فنا فی الوحدت میں سابق ہوتے ہیں، پھر کثرت کی طرف رجوع کر کے امر دعوت الی الحق و ہدایات

اور مقامِ تفضیل میں امر نظام کی تدبیر کرتے ہیں اور ان کی یہ حالت دنیاوی زندگی اور انتقال کے بعد دونوں صورتوں میں یکساں ہوتی ہے۔"

شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی فرماتے ہیں:۔

نکذالک الانسان قد یکون فی حیوتہ الدنیا مشغولا بشھوۃ الطعام والشراب والغلمۃ وغیرھا من مقتضیات الطبعیۃ والرسم لکنہ قریب الماخذ من الاسافل قوی الانجذاب الیھم فاذا مات انقطعت العلاقات ورجع الی من اجہ فلحق بالملائکۃ وصار منھم والھم کالھا مھم وسعی فیما یسعون فیہ۔" (حجۃ البالغہ صلا) بالکل اسی طرح انسان کا حال ہے کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کھانے پینے اور شہوتِ نفسانی اور اسی طرح کے دیگر طبعی تقاضوں کو پورا کرنے اور زندگی کے مختلف مراسم و معاملات میں مصروف رہتا ہے، لیکن اس کا قریبی تعلق ملائکہ سافل سے ہوتا ہے اور انہی کی جانب اس کو زیادہ میلان اور کشش ہوتی ہے۔ لہٰذا جب وہ مرجاتا ہے تو اس کے تمام جسمانی علاقے و تعلق ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ اپنی اصلی طبیعت کی طرف عود کر آتا ہے اور پھر ملائکہ میں مل کر انہی میں کا ہو جاتا ہے۔ اور انہی کے سے الہامات اس کو بھی ہونے لگتے ہیں اور ان کے جیسے کام وہ بھی کرنے لگتا ہے (اور اس طرح ان کا دست و بازو بن جاتا ہے)

امام الوہابیہ اسمٰعیل دہلوی لکھتا ہے:۔

"اس راستے کے امام اور اس گروہ کے بزرگ اُن فرشتوں کے زمرے میں شمار کئے ہوئے ہیں، جن کو ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے تدبیرِ امور کے بارے میں الہام ہوتا ہے اور اس کے جاری کرنے میں کوشش کرتے ہیں۔ پس ان بزرگوں کے حالات کو بزرگ فرشتوں کے احوال پر قیاس کرنا چاہیئے۔" (صراطِ مستقیم ص۶۵)

"اس ولایت کو ولایت علیا کہتے ہیں اس لئے کہ یہ ملاءِ اعلیٰ کی ولایت ہے اور ملاءِ اعلیٰ سے وہ فرشتے مراد ہیں جو امر کی تدبیر کرنے والے اور احکامِ الٰہیہ کے اخذ کرنے والے ہیں، جو حکم نافذ ہوتا ہے پہلے وہ اس کو اخذ کرتے ہیں پھر جہان میں ظاہر ہوتا ہے، اور تمام عوالمِ اجسام اور ارواح کا بواطن ہیں جو اجسام کے مدبر ہیں۔" صراطِ مستقیم ص۲۱۴-۲۱۵

نگہبان فرشتے:۔

وَیُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَۃً۔ اللہ بھیجتا ہے تم پر محافظوں (نگہبان فرشتوں) کو وَلَہٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ یَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللہِ۔ آدمی کے لئے بدلی والے ہیں۔ اس کے آگے اور اس کے پیچھے کہ اس کی حفاظت (نگہبانی) کرتے ہیں اللہ کے حکم سے۔ یہ بدلی والے۔ صبح کے محافظ عصر کو بدل جاتے ہیں اور عصر کے صبح کو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ہمارے حافظ و نگہبان فرمایا ہے۔

ملائکہ موت دیتے ہیں:۔

قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ۔ تو فرما تمہیں موت دیتا ہے مرگ کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے۔ تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا۔ موت دی اسے ہمارے رسولوں نے۔ حالانکہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اَللہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ۔ اللہ تعالیٰ موت دیتا ہے جانوں کو۔

جبرئیل علیہ السلام نے بیٹا دیا:۔

جبرئیل امین نے حضرتِ مریم سے کہا لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا۔ میں عطا کروں تجھے ستھرا بیٹا۔"

دنیا و آخرت میں فرشتے مددگار ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ۔ بے شک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو نہ غم کرو اور خوش ہو۔ اس جنت پر جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے مددگار ہیں (دوست ہیں) دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔" تمہارے ساتھ رہیں گے اور جب تک تم جنت میں داخل ہو تم سے جدا نہ ہوں گے۔

احادیث

فرشتے بنی آدم کے رزقوں پر مؤکل ہیں

اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے بنی آدم کے رزقوں پر مؤکل ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے

کہ جس بندے کو ایسا پاؤ کہ سب فکریں چھوڑ کر فکرِ آخرت کا ہو رہا ہے آسمان و زمین اور انسانوں سب کو اس کے رزق کا ضامن کر دو۔ یعنی بے طلب ہر طرف سے اسے رزق پہنچاؤ۔ اور جسے روزی کی تلاش میں دیکھو وہ اگر راستی کا قصد کرے تو اس کے لئے اس کا رزق پاک اور آسان کر دو اور جو حد سے بڑھے اسے اس کی خواہش پر چھوڑ دو پھر ملے گا تو اتنا ہی جو میں نے اس کے لئے لکھ دیا ہے۔" (رواہ الترمذی فی النوادر)

جبرئیل علیہ السلام دعائیں قبول کرتا ہے:-

بندۂ مومن، اللہ عزوجل سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالے اجبرئیل علیہ السلام سے کہتا ہے۔ اس کی دعا قبول نہ کر کہ میں اس کی آواز سننے کو دوست رکھتا ہوں۔ اور جب فاجر دعا ہے، اللہ تعالے فرماتا ہے۔ اے جبرئیل اس کی حاجت روا کر دے میں اس کی آواز سننا نہیں چاہتا۔" (ابن النجار عن انس بن مالک رضی اللہ تعالے عنہ)

نگہبان فرشتے:-

بنی آدم اس کام سے غافل ہے جس کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالے فرشتہ بھیجتا ہے کہ وقت پہنچنے تک اس کا نگہبان رہتا ہے۔ (ابو نعیم عن جابر رضی اللہ تعالے عنہ)

فرشتہ صورت بناتا ہے:-

حذیفہ ابن اسید رضی اللہ تعالے عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "جب نطفے پر بیالیس راتیں گذرتی ہیں اللہ تعالے اس کی طرف فرشتہ بھیجتا ہے وہ آکر اس کی صورت بناتا۔ کان، آنکھ کھال، گوشت، ہڈیاں خلق کرتا ہے۔ اذا مرّ بالنطفۃ اثنتان واربعون لیلۃً بعث اللہ الیھا ملکًا فصوّرھا وخلق سمعھا وبصرھا وجلدھا ولحمھا وعظامھا۔ الحدیث (مسلم)

فرشتہ روح ڈالتا ہے:-

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا۔ "بچے کا مادۂ آفرینش چالیس دن تک ماں کے پیٹ میں جمع ہوتا ہے، پھر اتنے ہی دن جما ہوا خون رہتا ہے۔ پھر اتنے ہی دن گوشت کی بوٹی۔ ثمّ یُرسل اللہ الیہ الملک فینفخ فیہ الرّوح

جب تین چلّے گذر لیتے ہیں اللہ تعالے اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ اس میں جان ڈالتا ہے۔" ھٰذا لفظ مسلم (مسلم۔ بخاری)

اللہ تعالے فرماتا ہے۔ ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ۔ اللہ ہے کہ تمہاری تصویر فرماتا ہے۔ ماؤں کے پیٹ میں جیسے چاہے۔ اور فرماتا ہے۔ ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ۔ کیا کوئی اور بھی خلق کرنے والا ہے اللہ کے سوا۔؟ یہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم جن کا نام پاک "ماحی" ہے۔ یعنی کفر و شرک کے مٹانے والے وہ خود صحیح حدیثوں میں فرما رہے ہیں کہ فرشتہ تصویر کرتا ہے۔ فرشتہ صورت بناتا ہے۔ فرشتہ، کان، آنکھ کھال، گوشت، ہڈیاں، بال اور خون خلق کرتا ہے اور صرف یہی نہیں، بلکہ سب کچھ فرشتے کے ہاتھ سے ہو کر جان (روح) بھی فرشتہ ڈالتا ہے، شرک پسند گمراہوں کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کیا شرک ہوگا۔؟ والعیاذ باللہ رب العالمین۔ اعلیحضرت احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ "وہابیہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ "جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اتنا ہی فرما کر چپ ہو رہے تھے۔ لِاَھَبَ لَکِ غُلَامًا ذَکِیًّا۔ میں تجھے ستھرا بیٹا دوں گا یہاں تو اُن سے کم درجہ شخص کے ہاتھوں پر دنیا بھر کے بیٹے۔ بیٹوں کا خلق و تصویر ہو رہی ہے، احمق، جاہلو، اپنے سسکتے ایمان کی جان پر رحم کرو، یہ فرق نسبت اٹھانا۔ اقسام اسناد مٹانا خدا جانے تمہیں کن بُرے حالوں پہنچائے گا، مسلمانوں کو مشرک بنانا ہنسی کھیل سمجھا ہے (الامن والعلیٰ)

واضح رہے کہ وہابی مولویوں کے پاس لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے سب سے بڑا ہتھیار یہی ہے کہ وہ تحریر و تقریر میں جب آیاتِ قرآن مجید اور روایاتِ حدیث پیش کرتے ہیں تو ترجمہ اور مفہوم بیان کرنے میں نسبتِ حقیقی اور نسبتِ مجازی میں کوئی فرق و امتیاز نہیں رکھتے۔ صفاتِ ذاتی اور صفاتِ عطائی کا کوئی لحاظ نہیں کرتے۔ اور اقسام اسناد کو مٹا کر منشاء قرآن و منشاء حدیث کے خلاف من گھڑت مطلب و نتیجہ نکال کر بے علم اور کم علم مسلمانوں کو بہکا دیتے ہیں۔ چنانچہ عام طور پر لوگوں کو یہ کہتے سُنا گیا ہے کہ بھئی ہم کیا کریں، وہابی مولویوں کی تقریر سنتے ہیں تو وہ بھی قرآن و حدیث پڑھ کر سُناتے ہیں۔ اور سُنّی مولوی بھی وہی قرآن و حدیث پیش کرتے ہیں، ہم کس کی بات مانیں اور کس کی نہ مانیں"؟

پس وہابیوں کے فتنہ سے محفوظ رہنے کا وہی ایک علاج ہے جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا ہے۔ اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ۔ یہ گمراہ، اور گمراہ کرنے والے لوگ تمہارے قریب نہ آنے پائیں اور نہ ہی تم ان کے قریب جاؤ تاکہ یہ تمہیں گمراہی میں نہ دھکیل سکیں۔

نیز حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صراطِ مستقیم، سیدھی راہ۔ یعنی صحیح راستے کی پہچان یہ بتائی۔ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ۔ تم وہی طریق اختیار کرو جس میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ اور مزید وضاحت میں فرمایا۔ اِتَّبِعُوْا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔ سوادِ اعظم۔ امت کی سب سے بڑی جماعت کی اتباع کرو۔ بلاشبہ جو شخص اس جماعت سے علیحدہ ہوا اسے جہنّم میں ڈالدیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِیْرًا۔ (پ۵ ع ۱۴) اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جُدا چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بُری جگہ پلٹنے کی۔"

اس سے ثابت ہوا کہ طریقِ مسلمین ہی صراطِ مستقیم ہے اس سے واضح ہے کہ حق مذہب اہلسنّت وجماعت ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہابی وہ لوگ ہیں جو سوادِ اعظم سے کٹ کر علیحدہ ہوئے ہیں۔ ان کا راستہ مسلمانوں کی راہ سے جُدا ہے۔ ان کا مذہب، رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم، صحابہ کرام علیہم الرضوان، مفسّرین، محدّثین، اولیاء کرام اور علماء اُمّت کے مذہب سے مختلف ہے۔ پس اس قدر وضاحتوں کے باوجود اگر کوئی بدبخت وہابیوں کی کتابیں پڑھتا اور ان کی تقریریں سُنتا ہے تو وہ خود ذمہ دار ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ قرآن وحدیث انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، اولیاء کرام اور ملائکہ کا متصرّف فی الامور ومدبرالامور باذن اللہ تعالیٰ ہونا ثابت ومبرہن ہوچکا۔ اب ہر شخص کو اختیار ہے۔ جی چاہے تو قرآن وحدیث کی بات مان لے اور جی چاہے تو منکرین وہابیہ کی خرافات پر ایمان لے آئے۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

فضائل وکرامات وتصرّفاتِ اولیاء اللہ کا ثبوت احادیث وآثار سے

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے لئے خَلق میں تین سو اولیاء ہیں کہ ان کے دل قلبِ آدم پر ہیں اور چالیس کے دل قلبِ موسیٰ اور سات کے دل قلبِ ابراہیم اور پانچ کے دل قلبِ جبرئیل اور تین کے دل قلبِ میکائیل اور ایک کا دل قلبِ اسرافیل پر ہے علیہم الصلوٰۃ والتسلیم۔ جب وہ ایک مرتا ہے تین میں سے کوئی اس کا قائم مقام ہوتا ہے اور جب اُن تین میں سے کوئی انتقال کرتا ہے تو پانچ میں سے اس کا بدل کیا جاتا ہے۔ اور پانچ والے کا عوض سات اور سات کا چالیس اور چالیس کا تین سو اور تین سو کا عام مسلمین سے فبھم یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَیُمْطِرُ وَیُنْبِتُ وَیَدْفَعُ الْبَلَاءَ۔ اُنہیں تین سو چھپن اولیاء کے ذریعہ خلق کی حیات وموت، مینہ کا برسنا، نباتات کا اُگنا، بلاؤں کا دفع ہونا ہوا کرتا ہے۔" (ابن عساکر اور ابو نعیم فی الحلیہ)

هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِکُمْ (بخاری ج۱ ص۴۰۵)

کیا تمہیں مدد اور رزق کسی اور سبب بھی ملتا ہے سوا اپنے ضعیفوں کے۔؟

اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ مَنْ لَّوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ (بخاری ج۱ ص۳۹۴)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایسے بندے ہیں کہ اگر اللہ کی قسم کھا کر کوئی بات کہہ دیں تو اللہ تعالیٰ ان کی بات پوری کر کے انہیں سچا کر دیتا ہے۔"

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قال اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ الْعَبْدَ نَادٰی جبرئیلَ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحْبِبْہُ فَیُحِبُّہٗ جِبْرِیْلَ فَیُنَادِیْ جبرئیل فی اَھْلِ السَّمَاءِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْہُ فَیُحِبُّہٗ اَھْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَہُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ۔ (بخاری ج۱ ص۴۵۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ جب کسی بندے کو محبوب بناتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ بلاشبہ اللہ فلاں سے محبت

فرماتا ہے پس تو بھی اس سے محبت کر۔ تو جبرئیل اس سے محبت کرتا ہے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام آسمان والوں سے منادی کر دیتا ہے کہ بیشک اللہ نے فلاں کو محبوب بنالیا ہے تو تم سب بھی اس سے محبت کرو۔ تو آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس ولی اللہ کے لئے زمین میں مقبولیت عام کر دی جاتی ہے۔

لَنْ تَخْلُوَ الْاَرْضُ مِنْ اَرْبَعِیْنَ رَجُلاً مِثْلِ خلیل الرَّحْمٰن فِیْهِمْ تُسْقَوْنَ وَبِهِمْ تُنْصَرُوْنَ ○ (رواہ الطبرانی فی الاوسط) زمین ہرگز خالی نہ ہوگی چالیس اولیاء سے کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرتو پر ہوں گے انہیں کے سبب تمہیں مینہ ملے گا اور انہی کے سبب مدد پاؤ گے۔“

وَفِیْ رِوَایَةٍ فِیْهِمْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَیُمْطِرُ وَیُنْبِتُ وَیُدْفَعُ الْبَلَاءُ (رواہ ابو نعیم فی الحلیہ) اور ایک روایت میں ہے۔ انہی کے ذریعہ حیات و موت، مینہ کا برسنا، نباتات کا اُگنا اور بلاؤں کا دور ہونا ہوا کرتا ہے۔“

طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَلْاَبْدَالُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ بِهِمْ تَقُوْمُ الْاَرْضُ وَبِهِمْ تُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ تُنْصَرُوْنَ ؕ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابدال میری امت میں تیس ہیں۔ انہی سے زمین قائم ہے انہی کے وسیلے سے تمہیں بارش نصیب ہوتی ہے۔ اور انہی کے وسیلے سے تمہیں مدد ملتی ہے۔“

عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ یقول اِنِّیْ لَاَهُمُّ بِاَهْلِ الْاَرْضِ عَذَابًا فَاِذَا نَظَرْتُ اِلٰی عُمَّارِ بُیُوْتِیْ وَالْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ صَرَفْتُ عَذَابِیْ عَنْهُمْ ○ (البیہقی فی شعب) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے میں زمین والوں پر عذاب اتارنا چاہتا ہوں۔ جب میرے گھر (مسجدیں) آباد کرنے والے اور میری خاطر آپس میں محبت رکھنے والے اور رات کے پچھلے پہر استغفار کرنے والے دیکھتا ہوں اپنا عذاب (غضب) ان سے پھیر دیتا ہوں۔“

عن ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ لَیَدْفَعُ بِالْمُسْلِمِ الصَّالِحِ عَنْ مِائَةِ اَهْلِ بَیْتٍ مِنْ جِیْرَانِهِ الْبَلَاءَ۔ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ عزّوجل نیک مسلمان کے سبب اس کے ہمسائے میں سو گھر والوں سے بلاء دفع فرماتا ہے۔ (الطبرانی فی الکبیر۔ والبغوی فی المعالم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واولیاء کی محبت ذریعہ نجات ہے

عن انس رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلاً سَاَلَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ السَّاعَةِ فَقَالَ مَتَی السَّاعَةُ قَالَ وَمَاذَا اَعْدَدْتَّ لَهَا قَالَ لَا شَیْءَ اِلَّا اِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فقال اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَا فَرِحْنَا بِشَیْءٍ فَرَحْنَا بِقَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَاَنَا اُحِبُّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَبَا بَکْرٍ وَّعُمَرَ وَاَرْجُوْا اَنْ اَکُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّیْ اِیَّاهُمْ وَاِنْ لَّمْ اَعْمَلْ بِمِثْلِ اَعْمَالِهِمْ (بخاری ج ۱ ص ۵۲۱، مسلم ج ۲ ص ۳۳۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں سوال کیا اور پوچھا۔ یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی؟ حضور نے فرمایا اور تو نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی؟ وہ بولا کچھ بھی نہیں، سوائے اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔“ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں ہمیں اور کسی چیز سے اس قدر خوشی نہ ہوئی جتنی خوشی حضور علیہ السلام کے اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ فرمانے سے ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا۔ پس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے محبت رکھتا ہوں اور ان سے محبت رکھنے کی وجہ سے امید رکھتا ہوں کہ میں انہی کے ساتھ ہوں گا۔ اور اگرچہ ان کے اعمال کے مثل عمل نہ کروں۔“

اولیاء اللہ کے حضور حاضری کی نیت سے سفر کرنا موجب بخشش ہے اگرچہ ان کے حضور پہنچ نہ سکے

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال کان فی بنی اسرائیل رجلٌ قتل تسعۃً وتسعین انسانًا ثم خرج یسأل فاتی راھبًا فسألہ فقال ھل توبۃٌ قال لا فقتلہ فجعل یسائل فقال لہ رجلٌ ائت قریۃ کذا وکذا فادرکہ الموت فناء بصدرہٖ نحوھا فاختصمت فیہ ملائکۃ الرحمۃ وملائکۃ العذاب فاوحی اللہ الی ھذہٖ ان تقربی واوحی الی ھذہٖ ان تباعدی وقال قیسوا ما بینھما فوجد الی ھذہٖ اقرب بشبرٍ فغفر لہ

(بخاری ج ۱ ص ۴۹۴)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا جو ننانوے ۹۹ انسانوں کو قتل کر چکا تھا۔ پھر اپنے کئے پر نادم ہو کر لوگوں سے پوچھتا پھرتا تھا کہ میں کس کے پاس حاضر ہو کر توبہ کروں۔ تو وہ ایک راہب کے پاس پہنچا اور اس سے اپنے جرائم کا ذکر کرنے کے بعد پوچھا۔ کیا میرے لئے توبہ کی کوئی گنجائش ہے۔؟ راہب بولا نہیں، تو اس نے اس راہب کو بھی قتل کر ڈالا۔ اور پھر لوگوں سے اپنے جرائم کی بخشش کے متعلق پوچھتا پھرا۔ ایک شخص نے اس سے کہا تو فلاں قصبہ میں جا کر وہاں ایسا صالح مرد ہے جہاں تیری توبہ قبول ہو جائے گی۔ یہ سن کر وہ اس قصبہ کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن راستے ہی میں اُسے موت آ پہنچی اور وہ زمین پر گرا۔ اور اس نے اسی حالت میں اپنے سینہ کے بل اس قریہ کی طرف خود کو گھسیٹا۔ اس کے مرنے کے بعد رحمت کے فرشتے اس کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ رحمت کے فرشتے کہتے تھے کہ چونکہ یہ آدمی فلاں صالح مرد کے ہاں جا رہا تھا اس لئے یہ رحمت کا مستحق ہے اور عذاب کے فرشتوں کا کہنا تھا کہ یہ چونکہ یہ آدمی اُس صالح مرد کے حضور پہنچا نہیں اس کے

جرائم ابھی معاف نہیں ہوئے اس لئے یہ عذاب کا سزاوار ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس قریہ کی زمین کو حکم فرمایا کہ میت کے قریب ہو جا اور دوسری طرف کی زمین کو حکم فرمایا کہ تو اس میت سے دور ہو جا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب سے فرمایا کہ دونوں طرف کے فاصلے کی پیمائش کرو۔ جب انہوں نے پیمائش کی تو میت اس قصبہ کی جانب بالشت بھر قریب نکلی، اس پر اس کی مغفرت کر دی گئی۔"

اولیاء اللہ وفات کے بعد زمین میں گشت کرتے اور جہاں چاہیں سیر کرتے ہیں

امام عبداللہ بن مبارک وابوبکر بن ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں اور طبرانی معجم کبیر میں اور حاکم مستدرک اور ابونعیم حلیہ میں بہ سند صحیح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوعاً روایت فرماتے ہیں۔ إنّ الدنیا جنّۃُ الکافر وسجنُ المؤمن وانّما مثل المومن حین تخرج نفسہٗ کمثل رجل کان فی سجن فاخرج منہ فجعل یتقلب فی الارض ویتفسح فیھا۔ بیشک دنیا کافر کی جنت اور مسلمان کا قید خانہ ہے اور ایمان والے کی جب جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قید خانے میں تھا۔ اب اس سے نکال دیا گیا کہ زمین میں گشت کرتا اور بافراغت چلتا پھرتا ہے۔ ولفظ ابی بکر ھکذا۔ الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر فاذا مات المؤمن یخلی سربہ یسرح حیث شاء۔ دنیا مسلمان کا قید خانہ اور کافر کی بہشت ہے، جب مسلمان مرتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے سیر کرے۔"

مسلمانوں کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں اور انہیں اختیار ہوتا ہے کہ جہاں چاہیں جائیں

ابن ابی الدنیا وبیھقی۔ سعید ابن مسیب سے روایت کرتے ہیں۔ انّ سلمان الفارسی وعبداللہ بن سلام التقیا فقال احدھما لصاحبہ إن لقیت ربك قبلی فاخبرنی

مَاذَا لقیتَ نقال او تلقی الْاَحْیاءُ الْاَموات قَال نعَمْ اما المومنون فاِنَّ اَرواحُھُمْ فی الجنّۃ وھی تذھب حیث شاءَتْ - حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ آپس میں ملے تو ایک صاحب نے دوسرے سے فرمایا: اگر آپ مجھ سے پہلے انتقال کریں تو مجھے خبر دیں کہ وہاں کیا پیش آیا - دوسرے صاحب نے پوچھا کیا زندے اور مُردے بھی آپس میں ملتے ہیں - ؟ فرمایا - ہاں - مسلمانوں کی رُوحیں تو جنّت میں ہوتی ہیں - اور انہیں اختیار ہوتا ہے کہ جہاں چاہیں جائیں ۔"

حضرت مغیرہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ ارشاد فرمانے والے حضرت سلمان فارسی تھے - رضی اللہ تعالےٰ عنہ -

صاحبِ قبر سلام سُنتا اور جواب دیتا ہے

ابن ابی الدنیا - بیہقی - صابونی - ابن عساکر و خطیب لبغدادی وغیرہم محدثین حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں - رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا - اِذا مَرَّ الرَّجُلُ بِقبرٍ یَّعرِفہٗ فسَلَّمَ علیہ ردّ علیہ السلام وعرفہٗ واذا مَرَّ بقبرٍ لا یعرفہٗ فَسَلَّمَ علیہ ردّ علیہ السلام - جب آدمی ایسی قبر پر گذرتا ہے جس سے دنیا میں شناسائی تھی اور اسے سلام کرتا ہے - میّت جوابِ سلام دیتا اور اسے پہچانتا ہے اور جب ایسی قبر پر گذرتا ہے جس سے جان پہچان نہ تھی اور سلام کرتا ہے - میّت جوابِ سلام دیتا ہے ۔"

صاحبِ قبر نے تلاوتِ قرآن کی اور صحابہ نے سُنی

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں - بعض اصحاب نے اپنا خیمہ اس جگہ لگایا جہاں ایک قبر تھی - اور انہیں معلوم نہ تھا، قبر سے سورہ تبارک الذی پڑھنے کی آواز بلند ہوئی اور صاحب قبر نے سورہ تبارک الذی پڑھ کر پوری کی - ان اصحاب نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کیا - حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا سورہ تبارک الذی

انسان کو برائیوں سے روکنے والی اور سختیوں سے بچانے والی ہے، اس سورہ نے اس قبر والے کو اللہ تعالےٰ کے عذاب سے نجات دلائی - (ترمذی - مشکوٰۃ)

قبر میں کلام

حضرت عبداللہ بن عبیداللہ انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ثابت قیس رضی اللہ تعالےٰ عنہ جب جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تو ان کے دفن میں میں بھی شریک تھا، جب ان کو قبر میں رکھ دیا گیا تو انہوں نے کہا - محمد رسول اللہ - ابوبکر ن الصدیق، عمر ن الشھید، عثمان البرّ الرحیم -" اور اس پوری شہادت کو ہم نے بخوبی سُنا، اس کے بعد انکو ویسا ہی پایا جیسا کہ وہ باتیں کرنے سے پہلے تھے - یعنی بالکل خاموش، مُردہ (رواہ بیہقی)

صاحبِ قبر نے سوال کا جواب دیا!

حضرت یحییٰ بن ایوب فزاعی بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن فاروقِ اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک نوجوان کی قبر پر جا کر اسے پکار کر فرمایا - یا فلانُ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ -" اے فلاں جو شخص اپنی زندگی میں اپنے رب سے ڈرتا رہا تو اللہ تعالےٰ اس کو دو باغ دے گا -"

اس نوجوان نے اپنی قبر سے جواب دیا -" یا عُمَرُ قَدْ اَعْطَانِیْھَا رَبِّیْ فی الْجَنَّۃِ مَرَّتَیْنِ -" اے عمر مجھے تو پروردگار نے جنّت میں ایسے باغ دو مرتبہ عنایت فرمائے ہیں -"

(ابنِ عساکر - قرۃ العنیین)

میں جس جنازے میں شریک رہا اس سے باتیں کرتا رہا

امام زہری نے ابنِ مسیّب کے ذریعہ حضرت ابنِ عباس کے بیان پر کہا - حضرت سعد نے فرمایا کہ تین آدمیوں میں سے میں ایک شخص ہوں - میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث بھی سُنی وہ اللہ تعالےٰ کا حق ہے - اور میں نے کثرتِ مشاغل کے باوجود اپنی پوری نمازیں ادا

ادا کی ہیں اور میں جس جنازے میں شریک رہا ہوں اس سے باتیں کرتا رہا ہوں۔"

حضرت ابن مسیّب فرماتے ہیں، ہیں تو یہ خصلتیں صرف انبیاء کرام میں جانتا تھا لیکن اپنی آنکھوں سے یہ حضرت سعد میں دیکھ لیں۔" رضی اللہ تعالےٰ عنہم (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۸۲ مطبوعہ حیدر آباد دکن)

میں نے ثابت بنانی کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا

حضرت جُبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی قسم میں نے ثابت بنانی (رضی اللہ عنہ) کو (ان کی وفات کے بعد) ان کی لحد میں رکھا اور میرے ساتھ حمید طویل (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) بھی تھے جب ہم نے ان پر کچّی اینٹیں چُنیں تو ایک اینٹ گر پڑی ہیں دیکھتا کیا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔" ابو نعیم فی الحلیہ)

اولیاء قبروں میں قرآن پڑھتے ہیں

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن (ولی اللہ) کو قبر میں مصحف (قرآن) دیا جاتا ہے۔ اور وُہ قبر میں تلاوتِ قرآن کرتا ہے۔" (ابن مُنذر)

ہم نے ایک شہید کو دیکھا کہ وہ قبر میں قرآن پڑھ رہا ہے

بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے (کسی میّت کے لئے) قبر کھودی (اور اتفاق سے اس کے پاس پہلے سے ایک قبر تھی) قبر کھودتے ہوئے اتفاقاً اس پاس والی قبر میں ایک چوڑا شگاف پڑ گیا۔ ایک طاق سا کھل گیا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک شخص تخت پر بیٹھا ہے، اس کے سامنے ایک قرآن رکھا ہے جسے وہ پڑھ رہا ہے۔ اور اس کے پاس ایک سرسبز باغ ہے۔ یہ واقعہ اُحُد کے مقام پر ظہور پذیر ہوا۔ اور یہ معلوم ہوا کہ وہ شہداء میں سے ہے۔ کیونکہ اُن صحابہ نے اس کے چہرے پر زخم بھی دیکھا" اس روایت کو سہیل نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا۔ اور ابنِ حبّان نے اپنی تفسیر میں درج کیا۔

قبر والا۔ زیارت کیلئے آنیوالے سے اُنس حاصل کرتا اور سلام کا جواب دیتا ہے

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص اپنے بھائی (مسلمان) کی (قبر کی) زیارت کرتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے وہ (قبر والا) اس سے اُنس حاصل کرتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ یہاں تک کہ زائر جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔" (ابن ابی الدنیا فی المقنون)

مرنیوالے کی رُوح دیکھتی ہے کہ اسکے جسم کو کیونکر نہلاتے، کفن پہناتے اور لیکر چلتے ہیں

حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ مرنے والے کی روح ایک فرشتہ کے ہاتھ میں رہتی ہے اپنے جسم کو دیکھتی ہے کہ کیونکر اس کو غسل دیا جاتا ہے، کیونکر کفن دیتے ہیں، کیونکر لے کر چلتے ہیں۔ اور لاش ابھی تختہ ہی پر ہوتی ہے کہ اس سے فرشتے کہتے ہیں کہ لوگ جو تیری تعریف کر رہے ہیں سُن لے۔" کہ بشارت عاجلہ مقدمہ ہے خیر آئندہ کا (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیہ)

بیشک مُردہ پہچانتا ہے اُسے جو اسکو غسل دے اور جو اُٹھائے اور جو کفن پہنائے

اور جو قبر میں اُتارے

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ قال قال رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ انّ المیّت لیعرف مَنْ یّغسلہٗ ویحملہٗ ومن یّکفنہٗ ومَنْ یدلیہ فی حُفرتِہٖ۔ (رواہ احمد، طبرانی وابن ابی الدنیا)

وفات کے بعد کلام

حضرت ربعی بن حراش رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چار بھائی تھے اور ہمارے بڑے بھائی حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم میں کثرت سے نمازیں پڑھتے اور بکثرت روزے رکھتے تھے،

جب ان کا انتقال ہوا تو ہم سب ان کے پاس جمع تھے۔ ہم ان کے کفن کے لئے کپڑا لانے آدمی بھیج چکے تھے کہ دفعتہً انہوں نے اپنے منہ پر سے کپڑا ہٹا کر کہا "اسلام علیکم"۔ حاضرین نے کہا "وعلیک السلام برادرانِ عبس (ہم عبس قبیلے سے ہیں) کیا موت کے بعد بھی تم کلام کرتے ہو؟" حضرت ربیع نے جواب دیا "ہاں۔ تم سے جدا ہو کر جب میں پروردگارِ عالم سے ملا تو میں نے اسے غضب ناک نہیں دیکھا، اس نے مجھ پر رحمتوں کے بادل برسا کر جنّت کی خوشبوئیں، جنّت کی روزی، جنت کے لباس اور دبیز ریشمی کپڑے مرحمت فرمائے، سُنو۔ حضرت ابوالقاسم رحمۃ للعالمین میری نمازِ جنازہ کے انتظار میں ہیں، پس اب دیر نہ لگاؤ، اور جلدی کر دو" اس کے بعد وہ اس طرح ہو گئے جیسے طشت میں ایک کنکری گر جائے۔ یعنی تھوڑی دیر کے لئے ان کی زبان نے حرکت کی اور پھر وہ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد ان کے کفن دفن کا انتظام کیا گیا۔ یہ ماجرا جب اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو سنایا گیا تو انہوں نے فرمایا "ہاں۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری اُمت میں ایسے آدمی ہیں جو مرنے کے بعد بھی گفتگو کرتے ہیں۔" (حلیہ، الرحمۃ المہداۃ ص۳۰۳۔ مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی)

شہادت پانے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کلام

حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ خلیفۂ سوم حضرت عثمان ذوالنّورین شہید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی نعش مبارک آپ کے دروازہ پر رکھی ہوئی تھی اور آپ کی زبان مبارک سے طُق طُق (دفن دفن) کی پے در پے آواز آرہی تھی۔ چنانچہ آپ کی نعش مبارک باغ کوکب پہنچائی گئی جہاں آپ دفن کئے گئے۔ (استیعاب ص۴۹۱ ج۲)

وفات کے بعد طویل گفتگو

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں "زید بن خارجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تشریف آوری کا انتظار تھا، میں نے کہا۔ لاؤ اتنی دیر میں دو رکعت نفل پڑھ لیتا ہوں، اِدھر

میں نماز میں لگا اور اُدھر زید بن خارجہ نے اپنے منہ پر سے کپڑا ہٹا کر کہا "السلام علیکم یا اہل البیت" سب لوگوں سے ان کی گفتگو ہو رہی تھی۔ اور میں سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھ رہا تھا، زید بن خارجہ نے اپنی دورانِ گفتگو میں کہا "لوگو، بالکل خاموش ہو جاؤ اور سُنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے سچے پہلے شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جو جسمانی طور پر دُبلے پتلے تھے۔ مگر اللہ تعالےٰ کے احکام کے اجراء میں بڑے طاقتور اور قوت دار تھے، اور اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ سچے تھے۔ وہ جس طرح مضبوط البدن آدمی تھے اسی طرح احکامِ خدا کے اجراء میں بھی بڑے سخت اور بہت کڑے تھے۔ اور اب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جن کی خلافت کے دو برس بیت گئے اور چار سال باقی ہیں، یہ بھی سچ اور صداقت کا مجسمہ ہیں، ان کے دورِ خلافت میں تمام معاملات اور اشیائے محفوظہ پر فتنوں کا دباؤ ہے اور اُریس کے کنواں کو تو تم لوگ جانتے ہی ہو جہاں رسول اللہ کی انگوٹھی حضرت عثمان کے ہاتھ سے گر گئی تھی۔ اور اسی دن سے فتنہ وفساد کے دروازے کھل گئے تھے، اور اے عبد اللہ بن رواحہ تم پر اللہ کی سلامتی ہو کیا تم کو خارجہ اور سعد کے حالات معلوم نہیں۔"

اس کے بعد وہ بالکل خاموش ہو گئے، میں تو نماز سے فارغ ہو کر یہ تمام باتیں سُن ہی رہا تھا کہ حضرت عثمان نے تشریف لا کر نمازِ جنازہ پڑھا دی۔ (تہذیب التہذیب ص۴۱۱ ج۳، اس کو ابن سعد، ابن ابوحاتم، امام ترمذی، یعقوب بن سفیان، البغوی، طبری اور ابونعیم نے بھی بیان کیا ہے)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے روضۂ اطہر سے اذان و اقامت سُنتے رہے

حضرت بکر بن محمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایام حَرّہ میں جو سخت لڑائی کا زمانہ تھا اور سب لوگ لڑنے میں مشغول تھے مسجد نبوی میں تین روز تک اذان و جماعت نہ ہوئی۔ حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں "میں تنہا مسجد نبوی میں حاضر رہتا تھا۔ میں گھبرا کر رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی قبر مبارک کے قریب گیا۔ ظہر کا وقت ہوا تو حضورِ انور کی قبر مبارک سے اذان کی آواز سُنی۔ میں نے وضو کر کے دو رکعت نفل نماز پڑھی۔ اور پھر اقامت کی آواز بلند ہوئی اور ظہر کی نماز ادا کی۔ پھر جب عصر کا وقت ہوا تو اذان واقامت کی آواز قبر مبارک سے سُنی۔ اسی طرح تین دن تک ہر نماز کے

وقت اذان واقامت کی آواز سنتا اور نماز ادا کرتا رہا۔ (شرح الصدور، اخبار المدینہ، جذب القلوب)

شہادت کے بعد حضرت امام حسینؓ کا کلام

حضرت منہال بن عمرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں دمشق میں تھا۔ خدا کی قسم میں نے دیکھا۔ جب امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سر مبارک کو دمشق سے روانہ کیا گیا تو ایک شخص سورہ کہف تلاوت کر رہا تھا۔ جب اُس نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ اَصْحٰبَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا۔ یعنی کیا تو نے خیال کیا کہ اصحاب کہف اور رقیم والے ہماری نشانیوں سے عجیب تھے۔ سر مبارک سے آواز آئی "اَعْجَبُ مِنْ اَصْحَابِ الْکَهْفِ قَتْلِیْ وَحَمْلِیْ۔" یعنی اصحاب کہف سے زیادہ تعجب کے قابل مجھے قتل کرنا اور میرے سر کو روانہ کرنا ہے۔ (شرح الصدور)

مدفون عورت کی کفن چور کو تنبیہ

ایک آدمی کفن چور تھا۔ اتفاقاً ایک صالحہ عورت نے انتقال کیا۔ اس کی نمازِ جنازہ میں وہ کفن چور بھی شریک ہوا تاکہ قبر کی جگہ معلوم کرے۔ جب دفن سے فارغ ہوئے اور رات آئی، اس نے قبر کھودی، عورت نے کہا "سبحان اللہ جس کے گناہ اللہ تعالےٰ نے بخش دیئے وہ کفن چوری کرتا ہے۔" اس نے پوچھا "کیا میرے گناہ بھی بخش دیئے گئے؟" عورت نے جواب دیا "اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بخش دیا اور اُن سب لوگوں کو بھی جنہوں نے میری نمازِ جنازہ پڑھی۔ اور تُو نے بھی میری نمازِ جنازہ پڑھی ہے۔" یہ سُن کر کفن چور نے قبر برابر کر دی اور اس فعل سے توبہ کی۔ (شرح الصدور۔ رسالہ قشیریہ)

اللہ کے پیارے زندہ ہیں اگرچہ مر جاتے ہیں

امام ابوالقاسم قشیری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو سعید خراز قدس سرہٗ نے فرمایا۔ میں مکّہ معظمہ میں تھا۔ باب بنی شیبہ پر ایک جوان مُردہ پڑا تھا، جب میں نے اس کی طرف نظر کی مجھے دیکھ کر مسکرایا اور بولا "یا ابا سعید اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْاَحِبَّاءَ اَحْیَاءٌ وَاِنْ مَاتُوْا اِنَّمَا یُنْقَلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ" اے ابو سعید کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کے پیارے زندہ ہیں اگرچہ مر جائیں وہ تو یونہی

ایک گھر سے دوسرے گھر میں بلائے جاتے ہیں۔" (رسالہ قشیریہ)

میت نے کہا "میں زندہ ہوں اور خدا کا ہر پیارا زندہ ہے"

حضرت سیدی ابو علی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک فقیر کو قبر میں اُتارا، جب کفن کھولا ان کا سر خاک پر رکھ دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کی غربت پر رحم کرے۔ فقیر نے آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے فرمایا "یا ابا علی تذللنی بین یدی من یدللنی۔ اے ابو علی تم مجھے اس کے سامنے ذلیل کرتے ہو جو میرے ناز اٹھاتا ہے۔" میں نے عرض کی اے سردار میرے، کیا موت کے بعد زندگی؟ فرمایا "بَلٰی اَنَا حَیٌّ وَکُلُّ مُحِبٍّ لِلّٰہِ حَیٌّ لَاَنْصُرَنَّکَ بِجَاهِیْ غَدًا" میں زندہ ہوں اور خدا کا ہر پیارا زندہ ہے۔ بیشک وہ وجاہت و عزت جو مجھے روزِ قیامت ملے گی اس سے میں تیری مدد کروں گا۔" (رسالہ قشیریہ)

بعد وفات اولیاء کا علم و ادراک

حضرت ابراہیم بن شیبان قدس سرہٗ فرماتے ہیں "میرا ایک جوان مُرید مر گیا، مجھے سخت صدمہ ہوا۔ نہلانے بیٹھا گھبراہٹ میں بائیں طرف سے ابتداء کی جوان نے وہ کروٹ ہٹا کر اپنی داہنی کروٹ میری طرف کی، میں نے کہا "جانِ پدر، تُو سچا ہے مجھ ہی سے غلطی ہوئی۔" (رسالہ قشیریہ)

میت نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا

حضرت ابو یعقوب سوسی نہر جوری قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک مُرید کو جو مر گیا تھا۔ نہلانے کے لئے تختہ پہ لٹایا اُس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا میں نے کہا جانِ پدر، میں جانتا ہوں کہ تو مُردہ نہیں یہ تو صرف مکان بدلنا ہے۔ "لے میرا ہاتھ چھوڑ دے۔" (رسالہ قشیریہ)

میت نے کہا۔ اللہ کا ہر دوست زندہ ہے

حضرت ابو یعقوب سوسی نہر جوری قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ "مکّہ معظمہ میں ایک مُرید نے مجھ سے

سے کہا "پیرو مرشد! میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا۔ حضرت، یہ اشرفی لیں آدھی میں میرا کفن آدھی میں میرا دفن کا انتظام کریں۔ جب دوسرا دن ہوا اور ظہر کا وقت آیا۔ مرید مذکور نے آکر کعبہ کا طواف کیا پھر کعبہ سے ہٹ کر لیٹا تو روح نہ تھی، میں نے قبر میں اتارا آنکھیں کھول دیں میں نے کہا "موت کے بعد زندگی"؟ کہا "اَنَا حَیٌّ وَکُلُّ مُحِبِّ اللّٰہِ حَیٌّ" میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر دوست زندہ ہے۔" (رسالہ قشیریہ، شرح الصدور)

سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ نے قبر سے "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" فرمایا

حضرت فاطمہ خزاعی رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں "میں اپنی بہن کے ساتھ شہداء اُحد کی زیارت کو گئی اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی قبر کے پاس جا کر کہا السلام علیکم یا عَمَّ رَسُوْلِ اللّٰہ۔ قبر سے آواز آئی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔

ولی اللہ کی قبر جنت کا ایک باغ ہوتی ہے

حضرت یونس بن فرات علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ایک شخص قبر کھود رہا تھا کہ آرام کے لئے کچھ دیر قبر میں بیٹھ گیا اس کی پیٹھ میں سرد ہوا لگی اس نے مڑ کر دیکھا تو ایک سوراخ دکھائی دیا۔ انگلی سے کشادہ کیا تو دیکھا قبر ہے اور بہت بڑا میدان ہے۔ اس میں ایک بڈھا آدمی بیٹھا ہے اس کے بالوں میں مہندی کا خضاب ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ابھی ابھی کنگھی کی ہے۔" (شرح الصدور، للامام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ)

کلام موتیٰ و شفاعت اولیاء

حضرت امام یافعی علیہ الرحمۃ اور امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ، امام محب الدین طبری علیہ الرحمۃ سے نقل فرماتے ہیں کہ امام محب طبری نے فرمایا "میں اسماعیل حضرمی (علیہ الرحمۃ) کے ساتھ مقبرۂ زبیدہ میں تھا۔ فقال لِی یا محب الدین آتومِنُ بکلام الموتیٰ قلتُ نعم فقال اِنّ صاحب ھٰذا القبر یقول لی آنا من حَشْوِ الجنّۃ۔ انہوں نے فرمایا "اے محب الدین، کیا آپ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مردے کلام کرتے ہیں"؟ میں نے کہا "ہاں"، فرمایا "اس قبر والا مجھ سے کہہ رہا ہے کہ میں

جنّت کی بھرتی سے ہوں"!

نیز امام یافعی اور امام سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل حضرمی ایک قبرستان میں سے گذرے تو بہ شدّت روئے اور سخت مغموم ہوئے، پھر کھلکھلا کر ہنسے اور نہایت خوش ہوئے، کسی نے سبب پوچھا، فرمایا "میں نے ان مقبرہ والوں کو عذابِ قبر میں دیکھا رویا اور جنابِ الٰہی سے گڑگڑا کر عرض کی حکم ہوا قَدْ شَفَّعْنَاكَ فِیْھِمْ۔ ہم نے تیری شفاعت ان کے حق میں قبول فرمائی" اس پر یہ قبر والی مجھ سے بولی "وَاَنَا مَعَھُمْ یا فقیہ اسمٰعیل اَنَا فُلَانَۃُ الْمُغَنِّیَہ۔ اے فقیہ اسماعیل میں بھی انہی میں ہوں، میں فلاں مغنّیہ (گانے والی) ہوں" میں نے کہا وَاَنْتَ مَعَھُمْ۔ تو بھی ان کے ساتھ ہے۔ اس پر مجھے ہنسی آئی۔"

فاروقِ اعظم اہلِ قبور سے ہمکلام ہوئے

حضرت ابن ابی الدنیا علیہ الرحمۃ کتاب القبور میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں۔ اَنَّہٗ مَرَّ بالبقیع فقال السلام علیکم یا اھل القبور اَخْبَارُ ما عندنا اَنّ نساءکم قد تزوّجن وَدیارکم قد سکنت واموالکم قد فرقت فاجابہٗ ھاتفٌ یا عمر بن الخطاب اخبار ما عندنا ان ما قدمناہ فقد وجدناہ وما اَنفقناہ فقد ربحناہ وما خلفناہ فقد خسرناہ۔ ایک بار امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ (بقیع) پر گذرے اہلِ قبور پر سلام کر کے فرمایا "ہمارے پاس کی خبریں یہ ہیں کہ تمہاری عورتوں نے نکاح کر لئے اور تمہارے گھروں میں اور لوگ بسے، تمہارے مال تقسیم ہوئے، اس پر کسی نے جواب دیا "اے عمر بن خطاب، ہمارے پاس کی خبریں یہ ہیں کہ ہم نے جو اعمال کئے تھے یہاں پائے اور جو راہِ خدا میں دیا تھا اس کا نفع اٹھایا اور جو پیچھے چھوڑا وہ ٹوٹے میں گیا"۔

حیدرِ کرّار نے اہلِ قبور سے گفتگو فرمائی

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں "ہم علی بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ہمراہ مقابر مدینہ طیّبہ میں داخل ہوئے، حضرت علی نے اہلِ قبر پر سلام کر کے فرمایا "تم ہمیں اپنی خبریں

بتاؤ گے یا یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہیں خبر دیں"؟ سعید ابن مسیّب فرماتے ہیں "میں نے آواز سُنی کسی نے سلام کا جواب دے کر عرض کی "یا امیر المؤمنین، آپ بتلائیے کہ ہمارے بعد کیا گذری"؟ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰے وجہہ الکریم نے فرمایا "تمہاری عورتوں نے تو نکاح کر لئے۔ تمہارے مال سو وہ بٹ گئے اور اولاد یتیموں کے گروہ میں اٹھی اور وہ تعمیر جس کا تم نے استحکام کیا تھا اس میں تمہارے دشمن بسے، ہمارے پاس کی خبریں تو یہ ہیں، اب تمہارے پاس کی خبر کیا ہے"؟ ایک مُردے نے عرض کی "کفن پھٹ گئے، بال جھڑ پڑے، کھال کے پرزے پرزے ہو گئے، آنکھوں کے ڈھیلے بہہ کر گالوں تک آئے، نتھنوں سے پیپ اور گندا پانی جاری ہے۔ اور جو آگے بھیجا تھا اس کا نفع ملا۔ اور جو پیچھے چھوڑا اس کا خسارہ ہوا اور اپنے اعمال میں محبوس ہیں"! (امام احمد، تاریخ نیشاپور اور بیہقی اور ابن عساکر تاریخ دمشق میں)

رسول اللہ نے صحابیہ کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھائی اور ہمکلام ہوئے

حضرت ابوالشیخ علیہ الرحمۃ، حضرت عبید بن مرزوق رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت فرماتے ہیں۔

امرأة تقم المسجد فماتت فلم یعلم بها النبی صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم فمرّ علی قبرها فقال ما هٰذا القبر قالوا أم محجن قال التی کانت تقم المسجد قالوا نعم فصف الناس فصلّٰی علیها ثم قال ای العمل وجدتِ افضل؛ قالوا یا رسول اللہ تسمع قال ما انتم باَسْمَعَ مِنهَا فَذَکَرَ اَنهَا اَجَابَتْهُ قم المسجد۔ ایک بی بی مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھیں، ان کا انتقال ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو کسی نے خبر نہ دی، ایک روز حضورِ انور ان کی قبر کی طرف سے گذرے۔ پوچھا "یہ کس کی قبر ہے"؟ صحابہ نے عرض کی کہ اُمِّ محجن کی" فرمایا وہی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی"؟ صحابہ نے عرض کی "ہاں" حضور نے صف باندھ کر نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پھر ان بی بی کی طرف خطاب کر کے فرمایا "تُو نے کونسا عمل افضل پایا"؟ صحابہ نے عرض کی "یا رسول اللہ کیا وہ سنتی ہے"؟ فرمایا۔ "کچھ تم اس سے زیادہ نہیں سُنتے"! پھر فرمایا "اُس نے جواب دیا کہ مسجد میں جھاڑو دینی (شرح الصدور، حیات الموات)

بحمدہٖ تعالٰے احادیث، آثارِ صحابہ اور محدّثین، فقہاء و علماء کرام و مشائخ عظام کے ارشادات و عمل سے ثابت ہوا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہیں اولیاء اللہ کی برکت اور ان کے وسیلے سے نظامِ عالم قائم اور کاروبارِ عالم چل رہا ہے۔ انہی کے صدقے میں، انہی کے وسیلے سے نہ صرف یہ کہ خلق کی حیات و موت، مینہ کا برسنا، نباتات کا اگنا، مدد کا ملنا، بلاؤں کا دُور ہونا سب کچھ متعلق ہے بلکہ زمین و آسمان بھی انہی کے دم سے قائم ہیں۔ یہ نفوسِ قدسیہ وفات کے بعد زمین میں گشت کرتے اور جہاں چاہیں سیر کرتے ہیں۔ قبروں میں رہتے ہوئے سلام و کلام کو سُنتے اور جواب دیتے ہیں۔ قبروں پر آنے والوں کو جانتے پہچانتے ہیں۔ زائرین سے ہمکلام ہوتے اور گفتگو فرماتے ہیں۔ ان سے اُنس حاصل کرتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے اور تلاوتِ قرآن کرتے ہیں۔ وفات کے بعد زندہ ہیں اور حیاتِ دنیوی سے کہیں زیادہ علم و ادراک رکھتے ہیں۔ لیکن وہابیہ ان باتوں کو نہیں مانتے۔ ان کے دھرم میں یہ باتیں شرک صریح ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ اگر یہ اُمور شرک میں داخل ہوتے تو کفر و شرک کے مٹانے والے دنیا کو درسِ توحید دینے والے سرکار دوعالم رسولِ اکرم حضرت محمد رسول اللہ تعالٰے علیہ وسلم ان امور کی تعلیم کیونکر دے سکتے تھے؟ پس جب کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم، صحابہ کرام علیہم الرضوان، تابعین اور تبع تابعین علیہم الرحمۃ سے یہ تمام اُمور قولاً و فعلاً ثابت ہیں اور تمام محدثین و علما و صلحائے اُمّت ان پر متفق ہیں۔ تو محض وہابیہ خبیثہ کی بک بک جھک جھک سے شرک و کفر اور خلافِ اسلام کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ بلکہ وہابیہ کے اختلاف سے تو اس میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ یہ منکرین صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے اور اُمّتِ محمدیہ سے کٹے ہوئے سراسر بے دین لوگ ہیں، مسلمانوں کو ان کے میل ملاپ سے پرہیز لازم اور ان کی خرافات سُننے اور پڑھنے سے اجتناب واجب ہے تاکہ ان کے دامِ تزویر سے بچے رہیں اور ایمان سلامت رہ سکے۔ کیونکہ یہی وہ خوارج الاصل گمراہ اور گمراہ کُن لوگ ہیں جن کے بارے میں رسولِ کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ دعاة علی ابواب جهنم مَنْ اَجَابَهُمْ الیها قذفوهُ فیها (بخاری و مسلم) دوزخ کے دروازوں پر بُلانے والے، جو دوزخ کی طرف لے جانے والی ان کی باتیں مانے گا، اُسے دوزخ میں ڈال دیں گے۔"

یہ منکرین، مسلمانوں کو توحید کی آڑ میں انبیاء و اولیاء کے خداداد فضائل و محاسن سے انکار کی تعلیم

دیتے ہیں۔ شرک سے بچنے کی تلقین کے پردے میں سادہ لوح مسلمانوں کو قرآن وحدیث کا منکر بنا دیتے ہیں۔ یہ لوگ ان نفوسِ قدسیہ کو جو کہ خالق ومخلوق کے درمیان مستحکم رابطہ اور وسیلہ کا مقام رکھتے ہیں۔ ان کو بتوں، جنوں، بھوتوں، دیوی دیوتاؤں اور شیطانوں میں شمار کرتے ہیں۔ اہل اللہ کو "من دونِ اللہ" قرار دیتے ہیں، نہ جواب دیتے ہیں، نہ کسی کو پہچانتے ہیں، محض مُردے ہیں ان میں کچھ حیات نہیں، انہیں کچھ شعور اور علم وادراک حاصل نہیں، مجبور محض ہیں، عاجز وبے بس ہیں۔ کسی قسم کی قوّت تصرّف نہیں رکھتے، اور کسی کی مدد نہیں کر سکتے لہٰذا ان سے توسّل واستمداد شرک صریح ہے۔ جیسے کہ نیم مسٹر ونیم مُلاّ، جہل مرکّب میں گرفتار مودودی نے اپنی ماڈرن "تفہیم القرآن" میں لکھا۔ "یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور سے جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے وہ فرشتے یا جنّ یا شیطان یا لکڑی پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحاب قبور ہیں اور "الذین یدعون من دون اللہ" سے وہ انبیاء، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی مراد ہیں جن کو غالی معتقدین داتا، مشکلکشا، فریاد رس، غریب نواز اور گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کے لئے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔" نیز سارے وہابی اپنی تقریروں اور تحریروں میں اسی طرح کی دریدہ دہنی کر کے انتہائی شقاوت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

اب قارئین سینے پر ہاتھ رکھ کر ایمان سے کہیں کہ جو آیات قرآن وروایات حدیث اور آثارِ صحابہ وغیرہ مطالعہ کر چکے ہیں ان سے وہابیہ کی اس تمامتر خرافات کی مکمل تردید ہوتی ہے یا نہیں؟ حالانکہ فقیر نے عمداً بہ نظرِ اختصار صرف چند استشہاد ہی پیش کرنے پر اکتفا کی ورنہ سینکڑوں ہزاروں ایسے واقعات و مشاہدات اور نظائر پیش کئے جا سکتے ہیں جن پر تمام علمائے حق متفق ہیں۔

مخالفینِ حق وصداقت، محرّفین قرآن وسنّت، منکرین وہابیہ علمائے اہلسنّت کے دلائل قاہرہ سے جب عاجز آ جاتے ہیں تو فوراً پینترا بدل کر ابلیسانہ تلبیس کا سہارا لے کر کہہ دیا کرتے ہیں کہ "ہاں صالحین سے ان کی زندگی میں توسّل یعنی حلِّ مشکلات وقضائے حاجات کے لئے التجا وطلب دعا جائز ہے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد ناجائز، حرام اور شرک ہے۔ ان کے اس دعویٰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سُفہاء الاحلام، زندگی اور موت کی حقیقت سے بھی بے خبر ہیں اور مقتضائے توحید وشرک سے بھی نا آشنا ہیں۔ ان کی دانست میں موت، عدم محض کا نام ہے کہ مرنے والا جمادات کی مثل ہو جاتا ہے۔ وہابیہ کی سفاہت اور ان کے اس فریب

کو سمجھنے کے لئے یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو بات شرک ہے اس کے حکم میں احیاء واموات والنس وجنّ وملک وغیرھم تمام مخلوقِ الٰہی یکساں ہیں کہ غیرِ خدا کوئی ہو خدا کا شریک نہیں ہو سکتا۔ تو امورِ شرک میں حیات وموت سے تفرقہ جیسا کہ اس طائفۂ جدیدہ کا شیوۂ قدیمہ ہے۔ دائرۂ عقل وشرع دونوں سے خارج ہے، کیا زندے خدا کے شریک ہو سکتے ہیں، صرف شرکتِ اموات ہی ممنوع ہے۔؟ اگر طلب دعا وتوسّل شرک ہو تو ہرگز یہ حکم فقط اموات سے خاص نہ ہوگا بلکہ یقیناً احیاء سے توسّل اور ان سے دعا کرانی بھی حرام ٹھہرے کی کہ خدا کا شریک نہ ہو سکنے میں زندے اور مُردے سب برابر ہیں۔ چنانچہ شیخ محقق عبد الحق محدّث دہلوی قدّس سرہٗ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں "اگر ایں معنے کہ در امداد واستمداد ذکر کردیم موجب شرک وتوجّہ بہ ماسوائے حق باشد چنانکہ منکر زعم میکند پس باید کہ منع کردہ شود توسّل وطلبِ دعا از صالحان ودوستانِ خدا در حالت حیات نیز وایں ممنوع نیست بلکہ مستحب ومستحسن ست بہ اتفاق وشایع ست در دین"۔

اگر یہ معنے جو ہم نے امداد واستمداد کے بیان کئے موجب شرک وتوجّہ بہ ماسوائے حق ہوں جیسا کہ منکر زعم کرتا ہے تو چاہیئے کہ صالحین ودوستانِ خدا سے ان کی حالتِ حیات میں بھی توسّل وطلب دعا ممنوع ہو اور یہ ممنوع نہیں، بلکہ بالاتفاق مستحب ومستحسن ہے اور دین میں شائع ہے۔"

وہابیہ کے زعم باطل کے ابطال میں فقیر ابو الحسّان قادری حدیث شریف اور اجلّ علمائے سلف وخلف کے ارشادات پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہے جن سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ

موت سے روح میں اصلاً کوئی فرق نہیں آتا علوم وافعال بدستور قائم رہتے ہیں

عن عطاء ابن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعمر ابن الخطاب یا عمر کیف بک اذا مت فقاسوا لک ثلاثۃ اذرع وشبر انی ذراع وشبر ثم رجعوا الیک وغسّلوک وکفنوک وحنطوک ثم احتملوک حتّٰی یضعوک فیہ ثم یہیلوا علیک التراب فاذا انصرفوا عنک اتاک فتانا القبر منکر ونکیر اصواتھما کالرعد القاصف وابصارھما کالبرق الخاطف فتلتلاک وترثراک وھولاک فکیف بک عند ذالک یا عمر قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ومعی عقلی قال نعم قال اذن اکفیھما۔ اخرجہ ابو نعیم وابن ابی الدنیا والبیھقی۔ وفی روایۃ

قول عمر اترد الینا عقولنا قال نعم کھیئتکم الیوم - الحدیث - اخرجہ احمد والطبرانی -

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا "اے عمر، اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب تم مرجاؤ گے اور لوگ تمہارے لئے ساڑھے تین ہاتھ لمبی اور ڈیڑھ ہاتھ چوڑی قبر کی پیمائش کریں گے پھر تمہارے پاس آکر تم کو غسل اور کفن دیں گے اور خوشبو ملیں گے، پھر تم کو اٹھا کر لے جائیں گے، یہاں تک کہ اس قبر میں رکھ دیں گے، پھر تم پر مٹی ڈال دیں گے پھر جب لوگ چلے آئیں گے تو تمہارے پاس دو ممتحن (امتحان لینے والے) قبر کے یعنی منکر نکیر آپہنچیں گے جن کی آواز مثل گرج کے ہوگی اور آنکھیں مثل برق درخشاں کے ہوں گی سو تم کو ہلا ڈالیں گے اور حاکمانہ گفتگو کریں گے اور ہول بٹھا دیں گے سو اس وقت اے عمر تمہاری کیا کیفیت ہوگی" انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم میری عقل اس وقت درست ہوگی؟ (یعنی دین وایمان کی مضبوطی اور عقل سمجھ باقی رہے گی؟) فرمایا "ہاں"

عرض کی کہ بس کام چلا لوں گا اور ایک روایت میں ہے "کیا ہماری عقلیں ہماری طرف عود کر آئیں گی؟" فرمایا "ہاں" "تمہاری عقل کی جو آج حالت ہے اس وقت بھی وہی ہوگی" (ابونعیم - ابن ابی الدنیا - بیہقی، احمد، طبرانی)

حضرت سہل بن عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یزید بن ہارون رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ان کی موت کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالٰی نے تمہارے ساتھ کیسا معاملہ کیا"؟ اس نے جواب دیا "میری قبر میں دو فرشتے بڑے سخت دل خوفناک صورت کے آئے اور سوال کیا "تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے"؟ تو میں نے اپنی سفید ڈاڑھی پکڑ کر کہا "ہم سے ایسا سوال کرتے ہو"؟ اس کا جواب تو اسّی برس تک لوگوں کو ہم نے سکھایا ہے"! تب وہ دونوں فرشتے چلے گئے - (شرح الصدور)

ابن نجار نے اپنی تاریخ میں ابوالقاسم مفسّر سے روایت کی ہے کہ ہم لوگوں کے استاد تھے جن سے ہم پڑھا کرتے تھے، استاد کے ایک دوست کا انتقال ہوا، استاد نے ان کو خواب میں

دیکھا اور پوچھا "اللہ تعالٰی نے تمہارے ساتھ کیسا معاملہ کیا"؟ انہوں نے جواب دیا کہ "بخش دیا" پھر پوچھا کہ منکر نکیر کے ساتھ کیسی گذری"؟ کہا "انہوں نے مجھ کو بٹھایا اور پوچھا کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے"؟ میرے دل میں اللہ تعالٰی نے یہ بات ڈالی کہ میں نے کہا "ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے چھوڑ دو" یہ سن کر ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا "اس نے بڑا واسطہ دیا، اس کو چھوڑ دو" اور وہ دونوں چلے گئے "(ابن جریر فی تہذیب الآثار)

تفسیر بیضاوی: فیھا دلالۃ علی ان الارواح جواھر قائمۃ بانفسھا مغایرۃ لما یحس بہ من البدن تبقی بعد الموت دراکۃ وعلیہ جمہور الصحابۃ والتابعین وبہ نطقت الآیات والسنن" یہ آیہ کریمہ دلیل ہے کہ روحیں جوہر قائم بالذات ہیں، یہ بدن جو نظر آتا ہے۔ اس کے سوا اور چیز ہیں، موت کے بعد اپنے اسی ہوش و ادراک پر رہتی ہیں - جمہور صحابہ و تابعین کا یہی مذہب ہے اور اسی پر آیات واحادیث ناطق ہیں"

امام سبکی: شفاء السقام میں فرماتے ہیں "النفس باقیۃ بعد موت البدن عالمۃ باتفاق المسلمین بل غیر المسلمین من الفلاسفۃ وغیرھم ممن یقول ببقاء النفوس یقولون بالعلم بعد الموت ولم یخالف فی بقاء النفوس الا من لا یعتد بہ - اھ ملتقطا -)

مسلمانوں کا اجتماع ہے کہ روح بعد مرگ باقی اور علم و ادراک رکھتی ہے - بلکہ فلاسفہ وغیرہم کفار بھی جو بقائے ارواح کے قائل ہیں وہ بھی موت کے بعد علم مانتے ہیں اور بقائے روح میں کسی نے اختلاف نہ کیا - مگر ایسوں نے جو کسی گنتی شمار میں نہیں ہیں۔"

امام غزالی: احیاء العلوم میں فرماتے ہیں "لا تظن ان العلم یفارقک بالموت فالموت لا یھدم محل العلم اصلا ولیس الموت عدما محضا حتی تظن انک اذا عدمت اذا صفتک" یہ گمان نہ کرنا کہ موت سے تیرا علم تجھ سے جدا ہو جائے گا کہ موت محل علم یعنی روح کا تو کچھ نہیں بگاڑتی نہ وہ نیست و نابود ہو جانے کا نام ہے کہ تو سمجھے جب تو نہ رہا تیرا وصف یعنی علم و ادراک بھی نہ رہا۔"

امام قسطلانی، مواہب اور ابن الحاج مدخل - اور علامہ زرقانی۔ شرح مواہب میں تقریباً

فرماتے ہیں۔ "واللفظ للمدخل من اتصل الیٰ عالم البرزخ من المومنین یعلم احوال الاحیاء غالباً وقد وقع کثیر من ذالک کما ھو مسطور فی مظنہ ذالک من الکتاب" جو مسلمان برزخ میں ہیں اکثر احوالِ احیاء پر علم رکھتے ہیں اور یہ امر بکثرت واقع ہے جیسا کہ کتابوں میں اپنے محل پہ مذکور ہے۔"

مقاصد و شرح مقاصد علامہ تفتازانی: میں ہے۔ "عند المعتزلۃ وغیرھم البنیۃ المخصوصۃ شرط فی الادراک فعندھم لا یبقی ادراک الجزئیات عند فقد الآلات وعندنا یبقی وھو الظاھر من قواعد الاسلام" معتزلہ وغیرہم کے مذہب میں یہ بدن شرطِ ادراک ہے تو ان کے نزدیک جب اس کے آلات نہ رہے تو ادراک جزئیات بھی نہ رہا اور ہم اہلسنت وجماعت کے مذہب میں باقی رہتا ہے اور یہی ظاہر ہے قواعدِ دینِ اسلام سے۔"

علامہ مُلّا علی قاری: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں قاضی سے نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں "واللفظ للمناوی النفوس القدسیۃ اذا تجردت عن العلائق البدنیۃ اتصلت بالملاء الاعلیٰ ولم یبق لھا حجاب فتری وتسمع الکل کالمشاھدۃ۔" پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے جدا ہوتی ہیں ملاءِ اعلےٰ سے مل جاتی ہیں اور ان کے لئے کوئی پردہ نہیں رہتا سب کچھ ایسا دیکھتی سنتی ہیں جیسے سامنے حاضر ہے۔"

زہر الربیٰ شرح سنن نسائی: میں مرقوم ہے "ان للروح شاناً آخر فتکون فی رفیق الاعلیٰ وھی متصلۃ بالبدن بحیث اذا سلم المسلم علی صاحبہا رد علیہ السلام وھی فی مکانھا ھناک الیٰ ان قال۔ انما یاتی الغلط ھٰھنا من قیاس الغائب علی الشاھد فیعتقد ان الروح من جنس ما یعھد من الاجسام التی اذا شغلت مکاناً لم یکن ان تکون فی غیرہ وھٰذا غلط محض" روح کی شان جُدا ہے باآنکہ ملاءِ اعلیٰ میں ہوتی ہے۔ پھر بھی بدن سے ایسی متصل ہے کہ جب سلام کرنے والا سلام کرے جواب دیتی ہے، لوگوں کو دھوکا اس میں یوں ہوتا ہے کہ بے دیکھی چیز کو محسوسات پر قیاس کر کے روح کا حال جسم کا سا سمجھتے ہیں کہ جب ایک مکان میں ہو تو اسی وقت

دوسرے مکان میں نہیں ہو سکتا حالانکہ یہ محض غلط ہے۔"

علامہ زرقانی شرح مواہب: میں فرماتے ہیں "رد السلام علی المسلم من الانبیاء حقیقۃ بالروح والجسد بجملتہ ومن غیر الانبیاء والشھداء باتصال الروح بالجسد اتصالاً یحصل بواسطۃ التمکن من الرد مع کون ارواحھم لیست فی اجسادھم وسواء الجمعۃ وغیرھا علی الاصح لکن لا مانع من ان الاتصال فی الجمعۃ والیومین المکتنفین بہ اقویٰ من الاتصال فی غیرھا من الایام (ملخصاً) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جواب سلام سے مشرف فرمانا تو حقیقی ہے کہ روح و بدن سے ہے۔ اور انبیاء وشہداء کے سوا اور مؤمنین میں یوں ہے کہ ان کی روحیں اگرچہ بدن میں نہیں تاہم بدن سے ایسا اتصال رکھتی ہیں جس کے باعث جوابِ سلام پر انہیں قدرت ہے۔ اور مذہب اصح یہ ہے کہ جمعہ وغیرہ سب دن برابر ہیں، ہاں اس کا انکار نہیں کہ پنجشنبہ وجمعہ وشنبہ میں ان دنوں کی بہ نسبت اتصال زیادہ قوی تر ہے۔"

شرح الصدور و طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں منقول ہے۔ "الاحادیث والآثار تدل علی ان الزائر متیٰ جاء علم بہ المزور وسمع سلامہ وانس بہ ورد علیہ وھٰذا عام فی حق الشھداء وغیرھم۔ وانہ لا توقیت فی ذالک" احادیث وآثار دلیل ہیں۔ جب زائر آتا ہے مُردے کو اس پر علم ہوتا ہے، اس کا سلام سُنتا ہے اور اس سے اُنس کرتا ہے اور اس کو جواب دیتا ہے اور یہ بات شہداء وغیر شہداء سب میں عام ہے نہ اس میں کچھ وقت کی خصوصیت کہ بعض وقت ہو اور بعض وقت نہیں۔"

حضرت امام جلال الدین سیوطی: مذہب اہلسنت وجماعت، کتاب الروح سے یوں نقل فرماتے ہیں "ان الروح ذات قائمۃ بنفسھا تصعد وتنزل وتتصل وتنفصل وتذھب وتجیٔ وتتحرک وتسکن وعلیٰ ذالک اکثر من مائۃ دلیل مقررۃ" روح مستقل ذات ہے کہ چڑھتی، اترتی ملتی جلتی، جُدا ہوتی، آتی جاتی، حرکت کرتی، ساکن ہوتی ہے اور اس پر سو سے زیادہ دلائل ثابت

ہیں۔" (شرح الصدور)

امام نسفی عمدۃ الاعتقاد، پھر علامہ نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں "الروح لا تتغیر بالموت۔" مرنے سے روح میں کچھ تغیر نہیں آتا۔"

علامہ مناوی کی شرح جامع صغیر میں ہے: "ان الروح اذا انخلعت من ھٰذا الھیکل وانفکت من القیود بالموت تحوّل الی حیث شاءت۔" بیشک رُوح جب اس قالب سے جُدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے جولان کرتی ہے۔"

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے: "قد انکر عذاب القبر بعض المعتزلۃ والروافض محتجین بانّ المیت جماد لا حیات لہٗ ولا ادراک۔" بعض معتزلہ اور روافض عذاب قبر سے منکر ہو گئے یہ حجت لا کر کہ مُردہ جماد ہے۔ نہ اس کے لئے حیات ہے نہ ادراک۔"

کشف الغطا مستند مولوی اسحاق دہلوی میں ہے: "مذہب اعتزال ست کہ گویند میّت جماد محض ست۔" یہ معتزلہ کا مذہب جو کہتے ہیں کہ مُردہ جماد محض ہے۔" اور پھر اسی میں ہے "فرقے نیست درارواح کاملاں در حین حیات وبعد از ممات مگر بہ ترقیٔ کمال۔" اولیاء کاملین کے ارواح میں زندگی و موت میں کوئی فرق نہیں مگر یہ کہ موت سے ترقیٔ کمال ہوتی ہے۔"

حضرت امام مجتہد امام شافعی جب مزار فائض الانوار حضرت امام اعظم پر تشریف لے گئے رضی اللہ تعالےٰ عنہما وعَنْ اَتْبَاعِہِمَا۔ نماز صبح میں قنوت نہ پڑھی، لوگوں نے سبب پوچھا فرمایا "کَیْفَ اَقْنُتُ بِحَضْرَۃِ الْاِمَامِ وَھُوَ لَا یَقُوْلُ بِہٖ۔" میں امام کے سامنے کیونکر قنوت پڑھوں حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں۔"؟ ذکرہٗ سیّد علی الخواص والامام الشعرانی والمیزان ونحوہٗ العلامۃ ابن حجر المکیّ فی الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان

فی اولہا واعادہٗ فی آخرہا عن بعض شراح منہاج الامام النووی۔ بعض روایات میں ہے بسم اللہ بھی جہر سے نہ پڑھی۔ نقلہٗ الفاضل الشامی فی ردالمختار۔ بعض میں ہے تکبیرات انتقال میں رفع یدین نہ فرمایا، سبب پوچھا گیا تو فرمایا۔ ادبنا مع ھٰذا الامام اکثر مِنْ اَنْ تظہر خلافہ بحضرتہ۔ اس امام کے ساتھ ہمارا ادب اس سے زائد ہے کہ اُن کے حضور اُن کا خلاف ظاہر کریں۔" ذکرہ علی القاری فی المرقاۃ۔ شرح لباب میں خاص بلفظ استحیا نقل کیا کہ امام شافعی نے فرمایا "استحیی اَنْ اخالف مذہب الامام فی حضورہٖ۔" مجھے شرم آتی ہے کہ امام کے سامنے اُن کے مذہب کے خلاف کروں۔" ذکرہٗ فی باب الزیارۃ النبویّۃ فضل المقام بالمدینۃ المنوّرۃ۔

سبحان اللہ۔ اگر اموات دیکھتے سنتے نہیں تو جہر یا اخفا یا رفع و ترک یا مکث قنوت میں کیا فرق تھا۔؟ للہ انصاف، اگر بناء قبر حجاب مانع ہو تو امام ہمام کا سامنا کہاں تھا اور اس ادب و لحاظ کا کیا باعث ہوا۔؟ (حیاۃ الموات)

اولیاء اللہ کے علوم و اسرار اور تصرّفات کا ثبوت احادیث سے

علم ما فی الارحام

حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ، حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ کو بیس وسق (تقریباً پانچ من) کھجوریں جو درختوں پر لگی تھیں ہبہ کی تھیں۔ اور اپنی وفات سے پہلے ہی فرمایا۔ "اے میری پیاری بیٹی، مال و دولت کے باب میں مجھے تم سے زیادہ کوئی پیارا نہیں اور مجھے تمہاری حاجتمندی بھی پسند ہے، لاریب بیس وسق کھجوریں میں نے تمہیں ہبہ کی تھیں، اگر تم نے انہیں توڑ کر اکٹھا کر لیا ہوتا تو وہ تمہاری ملکیت ہو جاتیں۔ لیکن اب وہ تمام وارثوں کا مال ہے جس میں تمہارے دو بھائی اور تمہاری دونوں بہنیں شریک ہیں۔ پس اس کو تم قرآن کریم کے حکم کے مطابق تقسیم کر لو۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کی۔ "ابا جان، اگر وہ بہت زیادہ بھی ہوتیں تب بھی میں اس ہبہ سے دست بردار ہو جاتی۔ لیکن یہ تو فرمایئے کہ میری بہن تو صرف "اسماء" ہے

یہ دوسری کون "؟

صدیق اکبر نے جواب دیا "بنت خارجہ کے پیٹ میں مجھے لڑکی دکھائی دے رہی ہے"۔ بالآخر جناب ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا پیدا ہوئیں"۔ (تاریخ الخلفاء)

وسعتِ علم و نظر۔ روحانی وائرلیس

حضرت ابن حجر علیہ الرحمۃ "اصابہ" میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ساریہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی قیادت میں جہاد کے لئے ایک لشکر روانہ فرمادیا تھا، ایک دن فاروقِ اعظم خطبۂ جمعہ ارشاد فرمارہے تھے کہ خطبہ کے دوران میں ہی بلند آواز سے پکارنے لگے یا ساریۃ الجبل، یا ساریۃ الجبل، یا ساریۃ الجبل "اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہٹ جا، چند دنوں بعد اس فوج سے قاصد حاضر ہوا تو فاروقِ اعظم نے لڑائی کا حال پوچھا، قاصد نے عرض کی "یا امیر المومنین ایک دن ہم شکست کھانے ہی والے تھے کہ ہمیں ایک آواز سنائی دی جیسے کوئی پکار کر کہہ رہا ہے۔ یا ساریۃ الجبل، اس آواز کو ہم نے تین بار سنا اور ہم نے پہاڑ کی طرف پیٹھ کر کے سہارا لیا ہی تھا کہ اللہ تعالےٰ نے ان مشرکین کو شکستِ فاش دی اور ہم فتحیاب ہو گئے ابنِ عمر فرماتے ہیں۔ یہ سُن کر حاضرین نے فاروقِ اعظم سے کہا "جبھی تو آپ خطبۂ جمعہ میں بآوازِ بلند یا ساریۃ الجبل پکار رہے تھے"۔ اور یہ پہاڑ جہاں حضرت ساریہ کی فوج لڑ رہی تھی مشرق کے شہر "نہاوند" میں تھا۔ (تاریخ الخلفاء)

گستاخی و بے ادبی کی سزا۔ روحانی تصرف

ابن حجر عسکلانی نے "اصابہ" میں اور امام مالک نے "موطا" میں اور ابن کلبی نے "جامع" میں اور دیگر محدثین نے یہ روایت نقل فرمائی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا۔ حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص سے پوچھا "تیرا نام کیا ہے"؟ اس نے کہا "جمرہ" یعنی چنگاری" آپ نے پوچھا۔ "تیرے باپ کا نام کیا ہے"، اس نے کہا "شہاب"۔ یعنی شعلہ۔" آپ نے پوچھا "کس قبیلہ سے ہو"؟ اس نے جواب میں کہا "حُرقہ" یعنی سوزش"۔ آپ نے فرمایا "کہاں رہتے ہو"؟ وہ بولا "حرّہ" یعنی گرمی والے مقام میں) آپ نے پوچھا "حرّہ کے کونسے محلہ میں"؟ اس نے کہا "ذاتِ لظیٰ" (یعنی شعلہ والے محلہ میں) اس پر

فاروق اعظم نے فرمایا "جا اپنے کنبہ کی خبر لے کہ وہ سب جل کر سوختہ ہوگئے"! وہ اپنے کنبہ والوں کے پاس آیا تو دیکھا کہ کنبے والے معہ سازوسامان جل کر راکھ ہو چکے ہیں"۔

دریائے نیل کے نام حکمنامہ

حافظ الحدیث ابوالشیخ نے کتاب العصمۃ میں قیس بن حجاج سے روایت نقل فرمائی کہ راوی نے بیان کیا "مصر فتح ہونے کے بعد عجمی مہینوں میں سے ایک ماہ کی پہلی تاریخ کو گورنر مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک وفد حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کی "یا امیر المومنین! ہمارا ایک معمول ہے اور جب تک اس کی تکمیل نہ کر دی جائے ہمارے اس دریائے نیل میں پانی جاری نہیں ہوتا"۔ حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا "بتاؤ تو تمہارا معمول کیا ہے"؟ انہوں نے بتایا کہ "ہمارا دستور یہ ہے کہ ہر سال ایک نوجوان کنواری لڑکی کو جو اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہو، دریائے نیل کی بھینٹ چڑھایا کرتے ہیں، وہ اس طرح کہ لڑکی کے والدین کو راضی کر لینے کے بعد لڑکی کو نہلا دُھلا کر اچھے اچھے کپڑے اور عمدہ سے عمدہ زیورات پہنا کر اور اس کو خوب سجا بنا کر دریائے نیل کی نذر کر دیتے ہیں"۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا "یہ سب کچھ ایامِ جاہلیت کی رسوم ہیں اور خدا کی قسم اسلام کے عہد میں تو ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اسلام نے زمانہ جاہلیت کی تمام رسوم کو ختم کر دیا ہے"۔ چنانچہ تمام مصری خاموش ہو گئے۔ اور اس سال زندہ لڑکیوں کو اس طرح ڈبونے کی رسم ادا نہ ہونے سے دریائے نیل کی روانی رُکی رہی۔ دریا کی روانی کو بند دیکھ کر لوگوں نے ترکِ وطن کا ارادہ کیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے حضرت فاروقِ اعظم کو ان تمام حالات کی اطلاع دی۔ فاروقِ اعظم نے جواب میں لکھا کہ "اے عمرو بن العاص تم نے جو کچھ کیا درست اور تمہاری رائے بالکل ٹھیک ہے، اسلام نے رسومِ سابقہ کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ دیا ہے"، نیز اپنے مکتوبِ گرامی میں ایک علیحدہ پرچہ رکھ کر حضرت عمرو بن العاص کو لکھا کہ تمہارے موسومہ خط میں ہم ایک علیحدہ پرچہ بھیج رہے ہیں اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا"، عمرو بن العاص نے اپنے موسومہ خط میں رکھے ہوئے اس علیحدہ پرچہ کو پڑھا جس میں مرقوم تھا۔ اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے بنامِ نیلِ مصر۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد اگر تو بہ اختیارِ خود بہتا ہے تو ہرگز مت چل، اور اگر اللہ تعالےٰ تجھ کو جاری کرتا ہے تو میں اللہ یکتا و زبردست

سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھ کو جاری کر دے۔" چنانچہ حضرت عمرو بن العاص نے ستارۂ صلیب نکلنے سے ایک دن پہلے رات کے وقت اس حکمنامہ کو دریائے نیل میں ڈال دیا؛ دوسرے دن صبح کو لوگوں نے دیکھا کہ ایک ہی رات میں سولہ ہاتھ اُونچا پانی اللہ تعالےٰ نے جاری فرما کر لڑکی ڈبانے کے دستورِ قدیم کو اہالیانِ مصر سے ہمیشہ کے لئے مسدود و منقطع کر دیا۔" (تاریخ الخلفاء)

فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰهِ

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ تشریف فرما تھے کہ سامنے سے ایک شخص گذرا۔ آپ نے فرمایا "میرا گمان غلط نکلا، یہ تو زمانۂ جاہلیت میں نجومی اور فال بتلانے والا تھا اور اب تک اپنے پُرانے دین پر قائم ہے، ذرا اس کو میرے پاس تو لاؤ۔" جب وہ حاضر ہو گیا تو فاروقِ اعظم نے فرمایا "کیا میرا گمان غلط ہے کہ اب تک تم اپنے پُرانے مذہب پر قائم ہو اور زمانۂ جاہلیت میں تم نجومی اور فال دیکھنے والے تھے؟" اس نے جواب دیا "میں نے آج تک تم جیسا مسلمان نہیں دیکھا!" آپ نے فرمایا "اچھا تو اب تم مجھے اپنے حالات بتاؤ۔" اس پر اس نجومی نے کہا "ہاں میں زمانۂ جاہلیت میں اُن کا کاہن تھا۔" (بخاری)

فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰهِ

حضرت عثمان بن عفّان ذی النّورین کے آزاد کردہ غلام محجن علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "ایک دن میں حضرت عثمان کے ساتھ آپ کی ایک زمین پر گیا۔ جہاں ایک عورت جو کسی تکلیف کا شکار تھی۔ حاضر خدمت ہو کر عرض کی "یا امیر المومنین، مجھ سے زنا کی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔" یہ سن کر آپ نے مجھے حکم دیا کہ اس عورت کو نکال دو۔" چنانچہ میں نے اس کو بھگا دیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر اس عورت نے آ کر کہا "میں نے تو زنا کیا ہے۔" آپ نے فرمایا "اے محجن، اسے باہر نکال دو۔" میں نے اُسے دُور بھگا دیا۔" پھر تیسری مرتبہ اس عورت نے آ کر کہا "اے خلیفۂ وقت میں نے بلا شک و شبہ زنا کیا ہے اور میرے تین مرتبہ کے اقرار پر حدِ زنا جاری فرمائی جائے۔" اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ارشاد فرمایا "او ناواقف محجن! اس عورت پر مصیبت آ پڑی ہے۔ اور مصیبت و تکلیف ہمیشہ شر و فساد کا سبب

ہوتی ہے، تم جاؤ اس کو اپنے ساتھ لے جا کر اس کو پیٹ بھر کر روٹی اور تن بھر کپڑا دے دو۔" چنانچہ اس دیوانی کو میں اپنے ساتھ لے گیا اور حضرت کے ارشاد کے مطابق روٹی کپڑے کا انتظام کر دیا۔ تھوڑے دنوں بعد جب اس کے ہوش و حواس ٹھکانے لگے اور وہ مطمئن ہو گئی اب آپ نے فرمایا "اچھا۔ اب کھجور، آٹا اور کشمش سے ایک گدھا لاد کر جنگل کے باشندوں کے پاس لے جاؤ ان بادیہ نشینوں سے کہو کہ اس عورت کو اس کے کُنبہ والوں اور اہل و عیال کے پاس پہنچا دیں۔"

میں حسب الحکم۔ کھجور، آٹا، کشمش سے گدھا لاد کر روانہ ہوا میں نے راستے میں اس عورت سے کہا "اب بھی تم اس بات کا اقرار کرتی ہو جس کا تو نے امیر المومنین کے سامنے اقرار کیا تھا؟" وہ کہنے لگی "نہیں اور ہرگز نہیں، کیونکہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ تو صرف تکلیفوں اور مصیبتوں کے پہاڑ پھٹ پڑنے کی وجہ سے کہا تھا تاکہ مجھے حد لگا دی جائے اور میں مصیبتوں سے نجات پا جاؤں۔" (کنز العمال)

فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰهِ

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "ابن مُلجم" کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "آگاہ ہو جاؤ یہ شخص مجھے قتل کرے گا"! حاضرین نے عرض کی "اس کے قصاص کے بارے میں کیا چیز مانع ہے؟" (یعنی جب کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ شخص آپ کو قتل کر دے گا تو آپ اس کو قتل کیوں نہیں کرا دیتے) آپ نے فرمایا "اس نے مجھ کو ابھی تک قتل نہیں کیا ہے اس لئے اس سے قصاص لینا کسی طرح جائز نہیں ہے۔" آخر کار اسی بدبخت شقی ابنِ مُلجم نے آپ کو شہید کر دیا۔" (استیعاب ص ۴۸۳ ج ۲)

فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰهِ

حضرت حسن بن کثیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نمازِ فجر کے لئے تشریف لے گئے تو راستے میں بطخیں آپ کے سامنے آ کر آپ کو دیکھ دیکھ کر چلّانے لگیں، لوگوں نے ان کو آپ کے پاس سے ہٹایا تو آپ نے فرمایا "ان کو رہنے دو، چھوڑو یہ تو نوحہ کر رہی ہیں۔ پھر ابن مُلجم نے آپ کو شہید کر دیا۔"

(کنز العمال ص ۴۱۳ ج ۷)

اولیاء اللہ میں قوّتِ الٰہی کا ظہور

حضرت ابورافع رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں "جب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی کو اپنا جھنڈا دے کر خیبر کی طرف روانہ کیا تو ہم بھی ان کے ساتھ تھے۔ جب ہم قلعۂ خیبر کے پاس پہنچے جو مدینہ منوّرہ کے قریب ہے (خیبر مدینہ منوّرہ سے دو سو میل کے فاصلہ پر ہے) تو خیبر والے آپ پر ٹوٹ پڑے۔ آپ نے کُشتوں کے پُشتے لگا دیئے تھے کہ آپ پر ایک یہودی نے چوٹ کر کے آپ کے ہاتھ سے ڈھال گرا دی۔ اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے قلعہ کے ایک دروازے کو اُکھیڑ کر ڈھال بنالیا اور ڈھال کی حیثیت سے اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے جنگ میں مصروف رہے۔ بالآخر دشمنوں پر فتح حاصل ہو جانے کے بعد اس دروازے کو اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔ اس سفر میں میرے ساتھ سات آدمی اور تھے۔ ہم آٹھوں آدمی مل کر اس دروازے کو اُلٹ دینے کی کوشش کرتے رہے لیکن وہ دروازہ پلٹ نہ سکے۔ دریافت کرنے پر حضرت علی نے فرمایا "مَا حَمَلْتُهَا بِقُوَّةٍ وَلٰكِنْ حَمَلْتُهَا بِقُوَّةٍ اِلٰهِيَّةٍ" یعنی میں نے اس دروازے کو اپنی ذاتی قوّت سے نہیں اُٹھایا بلکہ قوّتِ الٰہیہ سے اٹھایا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد چالیس آدمیوں نے مل کر اس دروازے کو اٹھانا چاہا تو نہ اُٹھ سکا۔ (رواہ احمدؒ الرحمۃ المہداۃ)

اولیاء اللہ کی شانِ کرامت

حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے طویل قصّہ بیان فرمایا کہ وہ خاتون جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے وہ کہتی تھیں کہ میں نے کسی قیدی کو حضرت خُبیب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے زیادہ اچھا نہیں دیکھا" یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ حضرت خُبیب مکّہ میں کفّار کی قید میں تھے۔ اس نے کہا "میں نے خُبیب کو جب وہ لوہے کے پنجرہ میں قید تھے اور کہیں آجا نہیں سکتے تھے اور ان دنوں پھلوں کا موسم بھی نہیں تھا۔ ان کو انگور کے خوشے کھاتے ہوئے دیکھا اور ان کا یہ کھانا درحقیقت اللہ تعالےٰ کا بھیجا ہوا رزق تھا" (بخاری)

اپنے انجام پر مطلع ہونا

حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں "جنگِ اُحُد کے موقعہ پر ایک رات میرے والد نے

مجھ کو بلا کر فرمایا "کل رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے شہادت پانے والے اصحاب میں سب سے اوّل میری شہادت واقع ہوگی، رسول اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بعد مجھے تم سب سے زیادہ عزیز ہو، سنو۔ مجھ پر ایک شخص کا قرضہ ہے وہ تم ادا کر دینا اور میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اپنی بہنوں کے ساتھ بھلائی کرنا" صبح کو میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے میرے والد ہی نے جام شہادت نوش فرمایا ہے۔ میں نے اُن کو اور ان کے ساتھ ایک اور شہید کو ایک ہی قبر میں دفن کیا" (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری)

اولیاء اللہ کے علوم و اسرار کی کیفیت اور اُن کی وُسعتِ نظر

امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے فقۂ اکبر میں اور امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے جامع کبیر میں حارث ابن نعمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ "ایک بار میں رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور انور نے مجھ سے فرمایا "تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے"؟ میں نے عرض کی۔ كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى عَرْشِ رَبِّىْ بَارِزًا وَّكَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا وَكَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ النَّارِ يَتَضَاغَوْنَ فِيْهَا" گویا میں عرش الٰہی کو ظاہرا دیکھ رہا ہوں اور گویا جنّتیوں کو ایک دوسرے سے جنّت میں ملتے ہوئے اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے دیکھتا ہوں" مولانا وکیل احمد سکندر پوری علیہ الرحمۃ نے حیدر آباد (دکن) سے فقہ اکبر کا نسخہ حاصل کیا۔ اس کی شرح "الدرر الازہر" شرح فقہ اکبر لکھی وہ دعوےٰ کرتے ہیں کہ اصل فقۂ اکبر یہ ہے اس سے یہ واقعہ لیا گیا۔ یہ مطبوعہ فقہ اکبر، مراد آباد میں موجود ہے اس کے علاوہ ان تمام نسخوں میں نہیں ہے (جاء الحق وزہق الباطل ص ۱۴۰)

اس کے علاوہ "الرحمۃ المہداۃ کتاب الایمان میں یہ دونوں روائتیں منقول ہیں۔

عن محمد بن صالح الانصاری انّ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلّم لقی عوف بن مالکؓ فقال کیف اَصْبَحْتَ یا عوف ابن مالک قال اصبحتُ مومناً حقاً فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم انّ لکلّ قول حقیقۃً فما حقیقہ ذالک قال یا رسول اللہ اطلقتُ نفسی من الدّنیا واسهرتُ لیلی واظمات هواجری کانّی اَنْظُرُ اِلیٰ عرش ربّی وکانی انظر اِلی اهل الجنّة یتزاورونَ فیها وکانّی اَنْظُرُ اِلی

اِهلِ النَّارِ يتضاغون فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلّم عرفتَ اَوْ لقنتَ فَالْزَمْ - رواه ابوبکر بن ابی شیبه "حضرت محمد بن صالح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر فرمایا۔ "اے عوف بن مالک تم نے کس حالت میں صبح کی" اس نے عرض کی "سچے مومن کی حالت میں" تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے پس اس کی حقیقت کیا ہے؟" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ میں نے اپنے آپ کو دنیا سے آزاد کر لیا ہے، میں راتوں کو جاگا، دوپہروں کو پیاسا رہا، گویا کہ میں اپنے رب کے عرش کو دیکھ رہا ہوں اور گویا کہ میں جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ اس میں باہم ملاقات کرتے ہیں اور گویا کہ میں اہل دوزخ کو دیکھ رہا ہوں شور مچاتے رو رہے ہیں" تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "تم نے پہچان لیا یا فرمایا تم نے سمجھ لیا پس اس کو لازم پکڑ" اور دوسری روایت یہ ہے۔ وعن زید الخیر

انه قال یا رسول الله لتخبرنی ما علامة الله فیمن یرید وما علامة فیمن لا یرید قال لی کیف اصبحت یا زید قلت اَصْبَحْتُ اُحِبُّ الْخَیْرَ واهله ان قدرت علیه بادرت الیه وان فاتنی حزنت الیه قال رسول الله علیه وسلم فتلک علامة فیمن یرید ولو ارادک لغیرها لهیاک لها.

رواه رزین - حضرت زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ یہ فرمائیے کہ جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس کی کیا علامت ہے اور جس کو نہیں چاہتا اس کی کیا علامت ہے؟" حضور نے فرمایا "اے زید تُو نے صبح کس حالت میں کی؟" میں نے عرض کی۔ میں نے اس حالت میں صبح کی کہ نیکی کو محبوب اور نیکی والوں سے محبت رکھتا ہوں، اگر مجھ میں قدرت ہو تو اس کی طرف پیش قدمی کرتا ہوں، اور اگر یہ مجھ سے فوت ہو جائے (یعنی اگر میں یہ نہ کر سکوں) تو اس پر غمگین ہوتا ہوں۔ (اور اس پر آنسو بہاتا ہوں) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس میں یہی علامت ہوتی ہے۔ اور اگر وہ تیرے لئے اس کے سوا کچھ اور چاہتا تو تجھے اُسی پر آمادہ کر دیتا۔"

(اس حدیث کو رزین نے روایت کیا ہے)

مولانا رُوم اس کی تشریح میں فرماتے ہیں

گفت پیغمبر صباحے زید را — کیف اَصْبَحْتَ اے رفیق با صفا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن صبح کے وقت زید سے فرمایا "اے مخلص دوست تُو نے کس حالت میں صبح کی"؟

گفت عَبْدًا مُؤْمِنًا باز اوش گفت — کو نشان از باغ ایماں گر شگفت

حضرت زید نے عرض کی میں نے عبد مومن کی حالت میں صبح کی۔ پھر حضور نے اس سے فرمایا۔ "اگر باغِ ایمان کھلا ہے تو اس کی نشانی کیا ہے؟" یعنی جب صحابی نے یہ کہا کہ میں نے مومن بندے کی حالت میں صبح کی ہے تو حضورِ انور نے ان کی مومنیت یعنی کیفیتِ ایمان کے متعلق سوال فرمایا، ایمان کے معنے ہیں ان امورِ غیبیہ پر ایمان رکھنا جن کی مُخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے، پھر جس کا ایمان زیادہ قوی ہوگا اس کا یقین مشاہدہ کے درجہ تک پہنچا ہوگا۔ اس سوال سے انہی مراتب کا امتحان منظور تھا۔

گفت تشنہ بودہ ام من روز ہا — شب نہ خفتستم ز عشق و سوز ہا

اس نے عرض کی میں نے یہاں تک ریاضت کی کہ دن کو روزے سے پیاسا رہا اور راتوں کو عشق و سوز سے سویا نہیں۔

تا ز روز و شب جُدا گشتم چناں — کہ ز اسپر بگذرد نوکِ سناں

حتیٰ کہ میں روز و شب کے چکر سے اس طرح نکل گیا جس طرح نیزے کی نوک ڈھال سے نکل جاتی ہے مطلب یہ کہ ممکنات سب زمانی ہیں مگر معیّتِ حق کی وجہ سے زمانہ کے ساتھ کچھ تعلق باقی نہیں رہا۔

کہ از آں سُو جملۂ ملّت یکے ست — صد ہزاراں سال و یک ساعت یکے ست

کیونکہ وہاں ذاتِ احدیت میں بوجہ تنزیہ سب مذاہب یکساں ہیں، لاکھوں سال اور ایک ساعت برابر ہیں، کیونکہ وہ زمانیت سے منزہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں اشیاء مختلف موجود ہیں اور پھر سب متحد ہیں بلکہ اس قسم کے پیرایۂ کلام سے مراد یہ ہوتی ہے کہ یہاں کی اشیاء مختلف وہاں

متشارک فی النفی ہیں۔ حاصل یہ کہ مذاہب و زمانے سب حادث ہیں اور ذات و صفاتِ حق حوادث سے منزہ ہے اس لئے مذاہب و ازمنہ وہاں منفی و معدوم ہیں۔

ہست ازل را و ابد را اتحاد　　　عقل را رہ نیست زانسو ز افتقاد

وہاں ازل و ابد سب کو اتحاد ہے اور اس طرف عقل کو بوجہ گم ہو جانے کے راستہ نہیں ملتا

گفت ازیں رہ کو رہ آوردی بیار　　　در خورِ فہم و عقولِ ایں دیار

فرمایا اس راستے کی سوغات یعنی تحفہ کہاں ہے؟ لاؤ جو اس سرزمین کے فہم و عقل کے مناسب ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کی حقیقت ایسے پیرایہ میں بیان کرو جس کو لوگ سمجھ سکیں یعنی جو کچھ بتاؤ وہ ذات و صفات کے اسرار نہ ہوں۔ اور ایسی اصطلاحیں بھی بیان نہ کرو جن سے لوگ واقف نہ ہوں اور سمجھ نہ سکیں۔

گفت خلقاں چوں بہ بینند آسماں　　　من بہ بینم عرش را با عرشیاں

عرض کی۔ کہ مخلوق کی انتہا تو صرف یہاں تک ہے کہ وہ آسمان کو دیکھتی ہے میں عرش کو عرشیوں سمیت دیکھتا ہوں۔

ہشت جنت ہفت دوزخ پیشِ من　　　ہست پیدا ہمچو بُت پیشِ شمن

آٹھوں بہشت اور ساتوں دوزخ میرے سامنے اس طرح نمودار ہیں جس طرح بُت پرست کے آگے بُت۔

آٹھوں بہشتوں کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ خُلد ۲۔ دارالسلام ۳۔ دارالقرار ۴۔ جنّتِ عدن ۵۔ جنّت الماوٰی ۶۔ جنّت النعیم ۷۔ علیّین ۸۔ فردوس۔ ہفت دوزخ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ دوزخ تو ایک ہی ہے مگر اس کے طبقات سات ہیں، لہٰذا ہفت دوزخ سے ہفت طبقات دوزخ مراد ہیں اور ان کے بلا قید ترتیب یہ ہیں۔ ۱۔ سقر ۲۔ سعیر ۳۔ لظیٰ ۴۔ حطامہ ۵۔ جحیم ۶۔ جہنم ۷۔ ہاویہ۔

یا رسول اللہ۔ میں آٹھوں بہشتوں اور ساتوں طبقاتِ دوزخ کو بالکل واضح طور پر بلاشک و شبہ دیکھ رہا ہوں جس طرح بُت پرست کے آگے (سامنے) بُت رکھا ہوتا ہے۔

یک بہ یک وامے شناسم خلق را　　　ہمچوں گندم مَن زجَو در آسیا

میں مخلوق کو ایک ایک کر کے پہچانتا ہوں جس طرح چکّی کے کارخانے میں جَو اور گندم میں فرق

کر لیا جاتا ہے۔

کہ بہشتی کہ و بیگانہ کہ است　　　پیشِ مَن پیدا چو مور و ماہی است

کہ بہشتی کون اور غیر بہشتی کون ہے، میرے سامنے سانپ اور مچھلی کی طرح الگ الگ ظاہر ہیں .....!

ایں زماں پیدا شُدہ برایں گروہ　　　یَوْمَ تَبْیَضُّ وَ تَسْوَدُّ وُجُوہ

اس گروہِ (اولیا) پر اس وقت وہ دن مکشوف ہو جاتا ہے جس میں بہت سے چہرے نورِ نجات سے روشن ہو جائیں گے اور بہت سے چہرے خوفِ عذاب سے سیاہ پڑ جائیں گے"

حضرت مولانا روم علیہ الرحمتہ کا اس آیۂ مبارکہ کی طرف اشارہ ہے۔ یوم تبیضّ وجوہٌ وتسودّ وجوہٌ فاَمَّا الذینَ اسْوَدَّتْ وُجُوھُھُمْ اَکَفَرْتُمْ بعدَ اِیْمَانِکُمْ فذوقوا العذابَ بماکنتم تَکْفُرُوْنَ۔ یعنی جس روز بعض چہرے نورانی ہوں گے اور بعض چہرے ظلمانی ہوں گے، جن کے چہرے ظلمانی ہوں گے ان سے اللہ تعالےٰ خطاب فرمائے گا کہ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے؟ پس اب اپنے کفر کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھو" (آلِ عمران)

یہاں سے آخر سرخی تک حضرت مولانا رومی کا مقولہ ہے اور ایں گروہ کا مشارٌالیہ اہلِ کشف ہیں جن میں حضرت زید الخیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی شامل ہیں۔ یعنی اہلِ کشف روزِ قیامت کو آج ہی دیکھ رہے ہیں۔"!

پیش ازیں ہر چند جاں پُر عیب بُود　　　در رحم بود و ز خلقاں غیب بُود

ہر چند کہ جان اس سے پہلے دنیا ہی میں عیُوب سے پُر تھی لیکن وہ رحم جسم میں مستور تھی اور مخلوق سے غائب تھی، یعنی اشقیاء کی شقاوت کا پورا انکشاف نہیں تھا کیونکہ ان کی ارواح حجابِ جسم میں مستور تھیں اور عوام کی نظریں ان کے ادراکِ صفات سے قاصر تھیں۔

اَلشَّقِیُّ مَنْ شَقِیَ فِی بَطْنِ اُمٍّ　　　مِنْ سِمَاتِ اللّٰہِ یُعْرَفُ حَالُھُمْ

چنانچہ بدبخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں ہی بدبخت ہو، مگر علاماتِ الٰہیہ سے ان کا حال معلوم کیا جاتا ہے۔

طبرانی نے جامع صغیر میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ”اَلشَّقِیُّ مَنْ شَقِیَ فِی بَطْنِ اُمِّہٖ وَالسَّعِیْدُ مَن سعد فی بطن اُمّہٖ “ بدبخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی سے بدبخت ہو اور خوش نصیب وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی سے خوش نصیب ہو“ (جامع صغیر للسیوطی) مطلب یہ کہ سعادت وشقاوت رحمِ مادر ہی میں لکھ دی جاتی ہے اور عام لوگوں کو اس کی اطلاع نہیں، البتہ اہلِ کشف کو ان کا حال معلوم ہو جاتا ہے“

تا نہ زاد او مشکلاتِ عالم ست — آنکہ نا زادہ شناسد او کم ست

جب تک وہ ولادت ثانیہ عالم برزخ میں پیدا نہیں ہوا (عالم دنیا سے منتقل نہیں ہوا) تمام اہلِ عالم ارواح پر مشتبہ ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ کم ہیں جو غیر پیدا شدہ کو ایامِ حمل میں پہچان لیتے ہیں“

او مگر ینظر بنور اللہ بود — کاندرونِ پوست اورا رہ بود

ہاں وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھنے والا ہو، تاکہ پوست کے اندر تحقیقات کا راستہ ملا ہوا ہو یعنی جن حضرات کی چشم بصیرت نورِ حق سے منوّر ہے وہ حجابِ جسم ہی میں روح کے انجام کو معلوم کر لیتے ہیں کہ سعید ہے یا شقی ہے۔

حضرت زید کا جواب کہ یا رسُول اللہ خلقت کا حال مجُھ سے مخفی نہیں

جملہ را چوں روزِ رستاخیز من — فاش مے بینم عیاں از مرد و زن

زید نے عرض کی ”میں سب کو مرد ہوں یا عورتیں صاف صاف دیکھتا ہوں، جیسے قیامت کے دن سب نظر آئیں گے“

ہیں بگویم یا فرو بندم نفس — لب گزیدش مصطفےٰ یعنی کہ بس

ہاں فرمائیے یا رسول اللہ، سب کچھ کہہ ڈالوں یا چپ ہو رہوں۔؟ حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں اپنا ہونٹ مبارک دانتوں میں چبایا جس سے یہ مراد تھی کہ چپ ہو جاؤ“

یا رسول اللہ بگویم سرِ حشر — در جہاں پیدا کنم امروز حشر

زید کی التماس اور حضور کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ زید نے کہا۔ یا رسول اللہ میں حشر

کا بھید کہہ ڈالوں؟ آج ہی جہان میں سِرّ لشکر کو ظاہر کر دوں۔“؟

ہل مرا تا پردہ ہا را بر درم — تا چو خورشیدے بتابد گوہرم

مجھ کو اجازت دیجئے کہ خفا کے پردے اٹھا دوں۔ حتیٰ کہ آفتاب کی طرح میرا جوہرِ کشف درخشاں ہو جائے۔

تا کسوف آید زِ من خورشید را — تا نمایم نخل را و بید را

تاکہ میرے توضیح اسرار سے سورج ماند پڑ جائے (جو توضیح مادیات کرتا ہے) تاکہ میں نخل یعنی ثمر اعمال والوں کو اور ”بید“ یعنی تہی دستِ اعمال کو روشناس کرا دوں۔

وا نمایم روزِ رستاخیز را — نقد را و نقدِ قلب آمیز را

تاکہ میں قیامت کے دن کا فوٹو کھینچ دوں۔ کھرے سکّے اور کھوٹ ملے ہوئے سکّے کو الگ کر دکھاؤں۔

دستہا بیریدہ اصحابِ شمال — وا نمایم رنگِ زرد و رنگِ آل

اصحابِ شمال یعنی دوزخی لوگوں کو جن کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوں گے دکھا دوں، زرد رنگ اور سرخ رنگ نمایاں کر دوں۔

وا کشایم ہفت سوراخِ نفاق — در ضیائے ماہ بے خسف و محاق

اپنے کشف کے چاند کی روشنی میں جس کو گہن اور زوال نہیں ہے نفاق کے ساتوں سوراخوں یعنی اس کے تمام اسباب ونتائج کی قلعی کھول دوں“

وا نمایم من پلاسِ اشقیاء — بشنوانم طبل و کوس انبیاء

حکم ہو تو میں اشقیاء کے لباسِ ذلّت کو ظاہر کر دوں اور انبیاء علیہم السّلام کی شان وشوکت کا نظارہ دکھا دوں۔

دوزخ و جنّات و برزخ درمیاں — پیشِ چشمِ کافراں آرم عیاں

دوزخ اور بہشت اور برزخ جو ان کے درمیان ہے کافروں کے سامنے ظاہر کر دوں۔؟

وا نمایم حوضِ کوثر را بہ جوش — کآب بر رُوشاں زند بانگش خروش

حوضِ کوثر کو جوش مارتا ہوا دکھا دوں کہ ان کے منہ پہ پانی چھڑکے اور ان کے کان میں اپنی آواز

پہنچائے۔

وانکساں کہ تشنہ گرد ش مے دوند ؁ یک بہ یک را وا نمایم تا کہ اند

اور وہ لوگ جو پیاسے اس کے گرد دوڑتے ہیں ایک ایک کو دکھا دوں کہ کون لوگ ہیں۔

جن حالات کو اسی وقت آنکھوں سے دکھا دینے کا امکان ظاہر کیا ہے خدا جانے کس قدر زمانِ طویل کے بعد پیش آنے والے ہیں۔ اور ان کا مقام کس قدر خارج از قیاس مسافت پر ہے، وجہ یہ کہ تصرفِ قوی سے بُعد زمانی و مکانی میں قصرِ مسافت ممکن ہے۔ یعنی اولیاء اللہ کو یہ قوت تصرف حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ دنیا کے ہر گوشے میں اور آسمانوں کے ہر حصہ پہ تصرف کر سکتے ہیں اور سینکڑوں ہزاروں سال بعد ہونے والے واقعات کو اسی وقت دکھا سکتے ہیں کہ نفوسِ قدسیہ صفات الٰہی کے مظہر اتم ہیں۔ اور اِنّ اللہ علےٰ کل شیءٍ قدیر۔

مے لساید دوش بر دوشِ من ؁ نعرہ ہا شاں مے رسد در گوشِ من

میرے کندھے سے ان کا کندھا چھلتا ہے، ان کے نعرے میرے کان میں پہنچتے ہیں، گویا کہ میدانِ محشر قائم ہے لوگ اپنے اپنے حال میں بھاگ دوڑ رہے ہیں، کوئی حوضِ کوثر کے گرد چکر کاٹ رہا ہے تو کوئی خوش نصیب ساقیٔ کوثر رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے دستِ کرم سے آبِ کوثر نوشِ جان کر رہا ہے۔ اور تسنیم کے نعرے بلند ہو رہے ہیں اور حضرتِ زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ ان میں موجود ہیں اور اسی لمحہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بھی حاضر ہیں۔

اہلِ جنت پیش چشمم ز اختیار ؁ در کشیدہ یک بہ یک را در کنار

جنتی لوگ میری آنکھوں کے سامنے پسندیدگی کے ساتھ ایک دوسرے سے بغلگیر ہو رہے ہیں۔

دست یک دیگر زیارت مے کنند ؁ واز لباں ہم بوسہ غارت مے کنند

ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر ملاقات کرتے ہیں اور لبوں سے بوسے بھی اڑاتے ہیں۔

کر شدیں گوشم ز بانگِ آہ آہ ؁ از حنین و نعرۂ واحسرتاہ

میرے یہ کان دوزخیوں کی ہائے ہائے کی آواز اور رونے چلانے اور ہائے افسوس کے نعروں سے بہرے ہو گئے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَھُمْ فِیْھَا

زَفِیْرٌ وَّ شَھِیْقٌ۔ (سورۂ ہود ع ۹) پس جو بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے وہاں ان کا چیخنا اور دھاڑنا ہوگا۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وَھُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْھَا رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ کُنَّا نَعْمَلُ۔ اور یہ لوگ دوزخ میں چلاتے ہوں گے کہ ہمارے رب ہم کو یہاں سے نکال کر دنیا میں لے جا کر جیسے عمل کرتے تھے ویسے نہیں بلکہ نیک عمل کرینگے (سورہ فاطر ع ۴)

ایں اشارت ہاست گویم از نغول ؁ لیک مے ترسم ز آزارِ رسول

یہ تو صرف اشارے ہیں میں تہہ کی بات بھی عرض کر سکتا ہوں لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ملال سے ڈرتا ہوں۔

ہم چنیں مے گفت سرمست و خراب ؁ داد پیغمبر گریبانش بہ تاب

غرض حضرتِ زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ اسی طرح غلبۂ حال سے سرمست و بے سروپا کہے چلے جاتے تھے تو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ان کے گریبان کو تاب دیکر۔

گفت ہیں درکش کہ اسپت گرم شد ؁ عکسِ حق لا یستحیی زد شرم شد

فرمایا "ارے تمہارا توسنِ تقریر بہت تیز ہو گیا ہے اس کو روکو، تم پہ الحق لا یستحیی کا عکس پڑ گیا اس لئے جھجک جاتی رہی" مطلب یہ کہ اللہ تعالےٰ کو جو حق کے اظہار سے کوئی مانع نہیں تو اس کی صفت کا عکس تم پہ پڑ گیا تم بھی اب حقیقت کی سچی سچی باتیں کرنے سے رکتے نہیں۔

آئینہ تو جست بیروں از غلاف ؁ آئینہ و میزاں کجا گوید خلاف

تمہارا صاف گوئی کا آئینہ غلافِ اعتدال سے باہر آن پڑا۔ آئینہ اور ترازو بھلا خلاف کیوں کر کہیں گے۔ وہ تو سچ سچ کہیں گے۔" یعنی جن اسرار کا زبان پہ نہ لانا قرینِ مصلحت ہے تم بے کم و کاست ان کو بیان کرنے لگے ہو، جیسے آئینہ ہر منظر کو ہو بہو پیش کر دیتا ہے لہذا اب سکوت مناسب ہے کیونکہ اس جذبہ کی حالت میں احتیاط کا پہلو ملحوظ رہنا مشکل ہے کہ جو بات کہنے کی ہو وہی کہی جائے اور جو چھپانے کے قابل ہے وہ مخفی رکھی جائے جیسے کہ آئینہ اور ترازو کا حال ہے کہ وہ خلافِ واقعہ اظہار نہیں کرتے۔ غرض مغلوب الحال کا بیان و کلام بمنزلہ آئینہ و ترازو کے ہے کہ جو چیز آئینہ کے سامنے اور ترازو کے اندر آ جائے گی ضرور دونوں اس کا اظہار کر دیں گے۔ ہاں اگر اخفاء چاہتے ہو تو آئینہ و میزان سے کام ہی نہ لو۔ (مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ)

قربِ فرائض و قربِ نوافل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اللہ تعالیٰ قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تقرّب اِلیّ عبدی بشیءٍ احبّ الیّ مِمّا افترضتُ علیہ وما یزال عبدی یتقرّب الیّ بالنّوافل حتّٰی اَحْبَبْتُہٗ فاذا اَحْبَبْتُہٗ فکنتُ سمعہ الّذی یسمع بہٖ وبصرہُ الّذی یُبْصِرُ بہٖ ویدہ الّتی یَبْطِشُ بہا ورِجلہُ الّتی یمشی بہا وَاِن سَأَلَنِی لَاُعْطِیَنَّہٗ وَلَئِنِ استعاذنی لَاُعِیْذَنَّہٗ وما تردّدتُ عن شیءٍ انا فاعلہٗ تردُّدِی عَنْ نَفْسِ المؤمن یکرہُ الموت وانا اکرہُ مَسَائَتَہٗ وَلَابُدَّ لَہٗ مِنْہُ (بخاری ص۹۶۳ ج ۲، مشکوٰۃ)

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے جو شخص میرے کسی ولی کو ستاتے ہیں اس کو اعلانِ جنگ دیتا ہوں اور میرا بندہ جن اعمال کے ذریعہ میری طرف تقرّب حاصل کرتا ہے ان میں سے فرائض سے بڑھ کر مجھے کوئی عمل محبوب نہیں اور میرا بندہ پابندی نوافل کے ساتھ میری طرف تقرّب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں۔ پس جب میں اس کو اپنا محبوب بناتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سُنتا ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ چلتا ہے، اور جب وہ مجھ سے کچھ سوال کرتا (مانگتا) ہے تو میں اس کا سوال ضرور پورا کرتا ہوں، اور اگر وہ میری پناہ طلب کرتا ہے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں اور مجھ کو کسی چیز میں جو مجھے کرنی ہو اس قدر "تردّد" نہیں ہوتا جس قدر ایک مومن کی جان قبض کرنے میں اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ موت کو ناپسند کرے اس لئے کہ مجھے اس کی ناراضگی ناگوار گذرتی ہے درانحالیکہ (وقت مقررہ پر) موت اس کے لئے ضروری ہوتی ہے۔"

اولیاء اللہ کیلئے، دیکھنے، سننے، چلنے اور تصرّف کرنے میں دُور و نزدیک کا فرق مِٹ جاتا ہے

علامہ فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ کذالک العبد اذا واظب علی الطاعات بلغ المقام الّذی یقولُ اللہُ کنتُ لہٗ سمعًا وبصرًا فاِذا صار نور جلالِ اللہِ سمعًا لّہٗ سمع القریب والبعید واذا صار ذالک النور بصرًا لّہٗ رأی القریب والبعید واذا صار ذالک النّور یدًا لّہٗ قدر علی التّصرّف فی الصعب والسہل والبعید والقریب۔" (تفسیر کبیر مطبوعہ مصر ص۴۸۰ ج ۵) اسی طرح جب بندہ اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری میں مستقل مزاجی کے ساتھ پابندی اختیار کر لیتا ہے تو اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے اس بندے کے کان اور آنکھ بن جاتا ہوں۔ پس جب نورِ جلالِ الٰہی اس کی سماعت بن گیا تو اس بندے کے لئے دور و نزدیک کی آوازوں کا سُننا یکساں ہو جاتا ہے۔ اور جب یہ نور اس کی بینائی بن گیا تو اس کے لئے نزدیک و دُور کا دیکھنا یکساں ہو جاتا ہے۔ اور جب یہ نور اس کا ہاتھ بن گیا تو اس کو مشکل اور آسانی میں دُور و نزدیک کے معاملات میں قدرتِ تصرّف حاصل ہو جاتی ہے۔"

ولی اللہ، قدرتِ الٰہی کا مظہر ہوتا ہے

حضرت محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، غوثِ صمدانی سیدنا محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز، فرماتے ہیں: "پس تُو اپنے سارے جسم اور اجزاء کو تمام خلقت کے ساتھ بُت سمجھ لے اور ان میں سے کسی چیز کی بھی فرمانبرداری نہ کر پس اس وقت تو اسرارِ علوم لدنیہ اور ان کے عجائبات کا امین بنایا جائے گا۔ اور تکوین یعنی پیدا کرنا اور خارق عادات یعنی کرامات تیری طرف پھیر دی جائیں گی اور تیرے سپرد کر دی جائیں گی، وہ کرامات اس قدرت اور طاقت کی قسم میں سے ہیں جو بہشت میں مومنوں کو حاصل ہوں گی۔ اور تو اس حالت میں ایسا ہو جائے گا کہ گویا تو آخرت میں مرنے کے بعد زندہ کیا گیا ہے، پس تیرا سارا وجود قدرتِ الٰہی کا مظہر بن جائے گا۔ تو خدا تعالےٰ کے ساتھ سُنے گا۔

خدا کے ساتھ تو دیکھے گا، خدا کے ساتھ بولے گا، خدا کے ساتھ تو پکڑے گا، خدا کے ساتھ تو چلے گا اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ تو عقل کرے گا اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ تو سکون و آرام پائے گا۔ پس تو غیر اللہ سے اندھا اور بہرا ہو جائے گا۔ اور غیر اللہ کی کوئی ہستی تجھے نظر نہ آئے گی، بشرطیکہ تو حدود الٰہی کو نگاہ رکھے اور اوامر و نواہی شرعیہ پہ پورا پورا قائم رہے، اگر حدود الٰہیہ میں سے کوئی چیز کٹ گئی اور ضائع ہو گئی تو جان لے کہ تو فتنہ و بلاء میں ڈال دیا گیا ہے اور تیرے ساتھ، شیطان کھیل رہے ہیں، پس شریعت کے حکم کی طرف رجوع کر اور اسے لازم پکڑ اور اپنی ہوا و ہوس کو چھوڑ دے، ہر وہ حقیقت جس کی گواہی شریعت نہ دے وہ بے دینی اور کفر ہے۔" (فتوح الغیب)

پس جب بندے کے سب اعضاء رضائے الٰہی سے متحد ہو جاتے ہیں تو اس کے متعلق مجازاً یہ فرمایا کہ میں ہی اس کے اعضاء بن جاتا ہوں، گویا بندہ فاعل ہے آلۂ فعل اللہ تعالےٰ ہے، چونکہ یہ مرتبہ کثرتِ نوافل سے حاصل ہوتا ہے اس لئے اس کا نام قُربِ نوافل ہے۔ اس سے پہلے ارشاد ہے کہ مجھ کو بندے کے تمام تقرّب والانے والے اعمال سے فرائض زیادہ پسند ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقرّب "تقرّب بالنوافل" سے بھی افضل ہے، اس کی کیفیت یہ ہے کہ بندے کی ہستی ایسی مضمحل ہو جائے کہ وہ اپنے ارادہ و قدرت کو اللہ تعالےٰ کے ارادہ و قدرت کے سامنے کالعدم سمجھے یعنی حقیقی فاعل، اللہ تعالےٰ کو قرار دے اور اپنے آپ کو صرف آلۂ فعل سمجھے۔

قُم بِاذنِ اللہ، قربِ فرائض اور قُم بِاذنی، قربِ نوافل ہے

حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "قُمْ بِاذنِی" قربِ نوافل ہے۔ مرتبہ الوہیت میں کہ عروج ہے پیش آتا ہے۔ جیسا کہ شمس تبریز پہ گذرا (کہ انہوں نے مُردہ کو کہا "میرے حکم سے اُٹھ کھڑا ہو") اور "قُمْ بِاذنِ اللہِ" فرائض ہے اور یہ نزول بعد العروج میں پیش آتا ہے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس مرتبے میں تھے اور یہ مرتبہ اعلیٰ ہے اوّل سے، شرک و کفر کہنا اس (قُم بِاذنِی) کو بھی جہل ہے" اس کی تشریح میں اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے "قولہ، قُم بِاذنِی قربِ نوافل ہے۔ اقول: جس کی تعبیر اصطلاحی اس عنوان سے کرتے ہیں کہ عبد فاعل ہو اور حق تعالےٰ

آلہ، اور قربِ فرائض کو اس عنوان سے تعبیر کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ فاعل ہو اور عبد آلہ اور یہ اوّل سے اعلیٰ ہے، سو قم باذنی میں احیاء (مُردہ کو زندہ کرنے) کی اسناد عبد کی طرف ہے اور باذن اللہ میں حق کی طرف تفصیل و تحقیق اس مسئلہ کی مسائل مثنوی (مولانا رومی) میں مذکور ہے۔ قولہ شرک کفر کہنا اس کو بھی جہل ہے۔ اقول: جس کا منشاء ناواقفی ہے فن سے" (امداد المشتاق ملفوظ ۱۰۷)

مولانا رومیؒ مثنوی میں وضاحت فرماتے ہیں

ما چو چنگیم و تو زخمہ مے زنی زاری از ما نے تو زاری مے کنی

الٰہی، ہم گویا سازہ (سارنگی) ہیں تو اس کو بجاتا ہے۔ یہ رونا ہمارا نہیں بلکہ تو رو رہا ہے۔

یعنی۔ یا اللہ، چونکہ ہمارے افعال کا تو خالق ہے اس لئے تیری طرف ان افعال کی نسبت حقیقتہً ہے اور ہماری طرف مجازاً پس اگر ہم زاری بھی کریں تو وہ بھی تیرے خالق اور مؤثر ہونے کے اعتبار سے تیری ہی طرف منسوب ہو گی، واضح ہو کہ بندوں کے افعال کا خالق کے ساتھ منسوب ہونا باعتبار انکے خلق کے ہے نہ کہ باعتبار صدور کے بلکہ صادر ہونے کے اعتبار سے وہ افعال بندوں کے ساتھ ہی منسوب ہیں۔ پس زاری میکنی سے یہ مقصود نہیں کہ معاذ اللہ زاری کا صدور فی الواقعہ اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ ہماری زاری کا خالق ہے، اسلئے گویا زاری اسی کا فعل ہے اور یہ مجاز کی ایک قسم ہے جس میں ایک فعل کو فاعل کے بجائے سبب کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ جس کی قرآن مجید اور حدیث شریف میں متعدد مثالیں آئی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں وارد ہے۔ "فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ" - اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اے پیغمبر جب ہم آیاتِ قرآن کو پڑھیں تو تم ساتھ ساتھ پڑھو۔" اس آیت میں جبرئیل علیہ السلام کی قرأت کو اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے (کذا فی کلید مثنوی) مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں "یہ مناجات فرق بعد الجمع کے مرتبے میں ہے جب سالک کی سیر عروج کی طرف ختم اور اس کا وجود فانی ہو جاتا ہے تو پھر وہ بشریّت کی طرف نزول کرتا ہے اور اپنی ذات کا جلوہ آئینۂ حق میں دیکھتا ہے اور یہ عرفان کا سب سے بلند مقام ہے، اب وہ اپنی ذات کو معدوم اور ذاتِ حق کے ساتھ موجود دیکھتا ہے اور اپنے تمام افعال و صفات کو حق کے ساتھ منسوب پاتا ہے۔"

ما چو نائیم و نوا در ما ز تُست ما چو کوہیم و صدا در ما ز تُست

ہماری مثال ایک نے کی سی ہے۔ اور ہم میں سے جو آواز نکلتی ہے وہ تجھ سے ہے ہم گویا پہاڑ ہیں اور ہماری گونج تجھ سے ہے۔

ماچو شطرنجیم اندر بُردو مات   بُردو ماتِ ماز تست اے خوش صفات

ہم شطرنج کے مُہروں کی طرح فتح و شکست میں مصروف ہیں، اے عالی صفات ہماری فتح و شکست تیری طرف سے ہے۔ جس طرح شطرنج کے مُہروں کی بُردو مات شاطر کا فعل ہے۔

توُز قرآں باز خواں تفسیر بیت   گفت ایزدؔ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ

اے کم فہم انسان اگر تم کو تشفی نہیں ہوئی تو ان ابیات کی تفسیر قرآن مجید سے پڑھ لو جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ۔ غزوۂ بدر میں جب کفار کی فوج لشکرِ اسلام پر غالب ہونے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے جناب باری میں فتح کے لئے دعا کی اور سجدے سے سر اٹھا کر کنکریوں کی ایک مٹھی کفار کی طرف پھینکی، خدا کی قدرت۔ اس مٹھی کا پھینکنا تھا کہ کفار بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ یہ آپ کا معجزہ تھا، اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ یعنی۔ اے محبوب، تم نے جو کنکریاں پھینکی تھیں وہ تم نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ تعالےٰ نے پھینکی تھیں جس سے ظاہر ہے کہ عبد کا فعل درحقیقت معبود کا فعل تھا۔ یعنی اس فعل کا خالق اللہ تعالےٰ تھا۔

اس مضمون کی تفصیل تنویر الایمان حصّہ اوّل کی تمہید میں ملاحظہ فرمائیں۔

گر بپرّانیم تیر آں کے زماست   ماکمان و تیر اندازش خدا ست

اگر ہم تیر پھینکیں تو وہ تیر اندازی ہماری طرف سے کب ہے بلکہ ہم بمنزلہ کمان کے ہیں اور اس کا تیر انداز اللہ تعالےٰ ہے۔ یعنی جس طرح کمان محض آلۂ تیر اندازی ہے اور وہ خود انداز نہیں ہے۔ بلکہ تیر انداز کماندار ہے۔ اسی طرح ہم خود مؤثر نہیں بلکہ مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے ہم سے صرف فعل صادر ہوتا ہے، ان اشعار میں مولانا روم علیہ الرحمۃ نے اللہ تعالےٰ کو فاعل اور بندے کو آلہ قرار دیا ہے۔ اس کو تصوّف کی اصطلاح میں قربِ فرائض کہتے ہیں۔ اور اگر اس کے برعکس بندے کو فاعل اور اللہ تعالےٰ کو آلہ کہا جائے تو یہ قربِ نوافل ہے۔ (مفتاح العلوم)

اولیائے اللہ سے توسّل و استمداد کا ثبوت احادیث و ارشاداتِ محدّثین و علمائے اُمّت سے

حضرت جابر اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا "لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان میں سے ایک لشکر لڑائی کیلئے بھیجا جائے گا، تو لشکری آپس میں کہیں گے، دیکھو کہ تم میں کوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا صحابی موجود ہے۔؟ تو انہیں ایک صحابی مل جائے گا (تو لشکری اس صحابی کے وسیلہ سے فتح کی دُعا اللہ تعالےٰ سے کریں گے) تو اس صحابی کی برکت سے ان لشکریوں کو فتح دی جائے گی۔ (پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ) ان میں سے دوسرا لشکر لڑائی کے لئے بھیجا جائے گا تو وہ آپس میں کہیں گے، کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اصحاب کو دیکھا ہو۔؟ (تو انہیں ایسا شخص مل جائے گا وہ اس کے وسیلہ سے اللہ تعالےٰ سے فتح کی دعا مانگیں گے) تو اس تابعی کے صدقے میں انہیں فتح نصیب ہو جائے گی۔ (پھر کچھ وقت کے بعد) تیسرا لشکر لڑائی پر بھیجا جائے گا تو کہا جائے گا کہ ایسے شخص کو تلاش کرو جس نے اصحابِ رسول کے دیکھنے والے کو دیکھا ہو (تو انہیں بھی تبع تابعی کے وسیلہ سے فتح حاصل ہو جائے گی) پھر (کچھ وقت کے بعد) چوتھا لشکر بھیجا جائے گا تو کہا جائے گا کہ دیکھو ان لشکریوں میں کوئی ایسا شخص موجود ہے جس نے اصحابِ رسول کے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھا ہو۔؟ تو تلاش کرنے کے بعد انہیں ایسا ایک شخص مل جائے گا۔ پس انہیں اس تبع تبع تابعی کے توسّل سے فتح دیدی جائے گی"۔ (مسلم ص۳۰۸ ج۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنی والدہ کی قبر پر آئے اور روئے، اپنے ساتھیوں کو بھی رُلا دیا۔ پھر حضور نے فرمایا۔ "میں نے اپنے رب سے اجازت چاہی کہ میں اپنی والدہ کے لئے طلبِ مغفرت کروں تو مجھے اس کی اجازت نہ دی گئی تو میں نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی اور اس کی اجازت مجھے دے دی، لہٰذا تم قبروں کی زیارت کیا کرو کہ بلاشبہ قبر کی زیارت موت کی یاد دلاتی ہے"۔ (ابوداؤد ص۸۹) اس کے حاشیہ میں ہے "علماء نے فرمایا قبر کی زیارت کرنا مستحب ہے کہ اس سے رقتِ قلب حاصل ہوتی ہے اور مرنا یاد آتا ہے۔

اس کے علاوہ زیارتِ قبور میں اور بھی عمدہ فائدے ہیں، جیسے کہ صاحبِ قبر کے لئے دعا اور اموات کے لئے طلبِ مغفرت اور یہ امر مسلّمہ طریقہ جاری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم قبرستان بقیع میں تشریف فرما ہوا کرتے تھے اور اہلِ قبرستان کو سلام کہتے اور ان کے لئے بخشش کی دعا مانگا کرتے تھے لیکن اہلِ قبور سے استمداد کے بارے میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور دوسرے انبیا علیہم السّلام کے علاوہ دوسروں سے مدد مانگنے کا بہت سے فقہاء نے انکار کیا ہے۔ اور مشائخ صوفیہ نے قدسنا اللہ باسرارھم تمام انبیآء و اولیاء سے استمداد کو ثابت فرمایا ہے اور بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالےٰ بھی اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور ان میں سے اہلِ کشف و کمال حضرات کے نزدیک یہ امر مقرر ہے، ان کے نزدیک اہلِ قبور انبیاء و اولیاء اللہ سے استمداد میں کوئی شک نہیں ہے، حتّٰی کہ ان میں سے بہت لوگوں کو ارواح سے فیوض حاصل ہو چکے ہیں۔ ارواح سے براہِ راست فیض حاصل کرنے والوں کو اپنی اصطلاح میں "اویسیہ" کہتے ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا "حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ الرحمۃ کی قبر دعاؤں کی مقبولیت اور حاجات پوری ہونے کے لئے مجرّب ہے"۔ حجۃ الاسلام، امام غزالی فرماتے ہیں "جس ہستی سے اس کی زندگی میں مدد مانگی جاتی ہو اس کی وفات کے بعد مدد مانگی جائے" زیارتِ قبر کے آداب یہ ہیں کہ قبلہ کی جانب پشت کر کے قبر کی طرف منہ کر کے صاحبِ قبر کے منہ کے سامنے کھڑا ہو اور اس کو سلام کرے۔ قبر کو ہاتھ نہ لگائے اور نہ چومے اور نہ نوحہ کرے، جمعہ کے دن اصحابِ قبور کی زیارت خصوصاً دن کے اول وقت زیادہ افضل ہے۔ اور حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ میّت کو جمعہ کے دن اور دنوں سے زیادہ قوّتِ ادراک (معلوم کرنے جاننے، پہچاننے اور سننے کی قوّت) عطا کی جاتی ہے"۔

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم یقول اَبْغُوْنِیْ فی ضُعَفَائِکُمْ فَاِنَّما تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِکُمْ (ترمذی ص۲۰۳ ج ۱) حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا۔ مجھ کو اپنے ضعفاء میں تلاش کیا کرو۔ پس بلاشبہ تمہارے ضعفاء (اولیاء اللہ) کے وسیلہ سے ہی تمہیں رزق دیا جاتا ہے اور تمہیں ان کے وسیلہ سے ہی مدد دی جاتی ہے"۔ اس کے حاشیہ میں ہے، "یعنی مجھ کو ضعفاء میں تلاش کیا کرو کہ بلاشبہ ان کی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے بعض اوقات

میں ان کے ساتھ صورۃً موجود ہوتا ہوں اور اس فرمان سے اغنیاء (مالداروں) کے میل ملاپ سے منع فرمایا گیا ہے (مجمع البحار) فی شرح السنّۃ انّ النبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کان یستفتح بصعالیک المھاجرین (فی تفسیر قولہٖ تعالےٰ وکانوا من قبل یستفتحون علی الّذین کفروا ای یستنصرون علی المشرکین ویقولون اللّٰھم انصرنا بنبیّ آخر الزمان فکذالک کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یقول اللّٰھم انصرنا بفقراء المھاجرین - کذا فی اللمعات -

شرح السنۃ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقراء مہاجرین کے وسیلے سے فتح کی دعا مانگا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد، وکانوا من قبل یستفتحون علی الّذین کفروا کی تفسیر میں ہے کہ مشرکین پر فتح پانے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے وسیلہ سے مدد طلب کیا کرتے تھے اور یوں دعا مانگا کرتے تھے، یا اللہ، آخر الزمان نبی کے صدقے میں ہماری مدد فرما۔ اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے، یا اللہ فقراء مہاجرین کے صدقے میں ہماری مدد فرما۔"

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ میری آنکھوں کی بینائی کام نہیں کرتی، میں اپنی جماعت کو نماز پڑھانے جایا کرتا ہوں اور جب بارشوں کا موسم ہوتا ہے تو میرے گھر اور مسجد کے درمیان وادی میں پانی بھر جاتا ہے اور اس کی وجہ سے میں ان کی مسجد میں انہیں نماز پڑھانے پہنچ نہیں سکتا۔ یا رسول اللہ، میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر میں تشریف لا کر نماز پڑھیں تاکہ میں اس مقام کو اپنے لئے نماز پڑھنے کا مقام بنا لوں"

حضور نے فرمایا "انشاء اللہ عنقریب میں یونہی کروں گا" اگلے روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام، ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ہمراہ ان کے گھر تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت طلب فرمائی۔ عتبان نے اجازت دی، حضور گھر میں داخل ہوئے اور بیٹھنے سے پہلے پوچھا "تم اپنے گھر میں کس مقام پر چاہتے ہو کہ میں وہاں نماز پڑھوں"؟ عتبان کہتے ہیں کہ میں نے گھر کے ایک کونے کی جانب اشارہ کیا۔ تو حضور نے وہاں کھڑے ہو کر تکبیر کہی، ہم حضور کے پیچھے کھڑے ہو گئے، حضور نے ہمیں دو رکعت پڑھا کر سلام پھیرا۔ اس کے بعد ہم نے حضور کے لئے جو کھانا تیار کیا تھا

بیٹھیں خدمت کیا۔ عتبان فرماتے ہیں "اس کے بعد اہلِ محلّہ کے بہت سے آدمی میرے گھر میں جمع ہو گئے۔ الحدیث۔ اس کے تحت۔ امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صالحین (اولیاء اللہ) اور ان کے آثار سے تبرک حاصل کیا جائے اور جس مقام پر صالحین تشریف فرما ہو چکے ہوں اس مقام پر نماز پڑھی جائے اور ان سے برکت طلب کی جائے۔ نیز اس حدیث سے فاضل کا مفضول کے گھر آنا اور اس کی دعوت میں شریک ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ نیز اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی گھر میں کوئی نیک مرد آئے تو اس کے پڑوسیوں اور اہلِ محلہ کا اس کی زیارت، اس کی تعظیم و تکریم اور اس سے استفادہ کی خاطر اس کے گھر میں جمع ہونا اور مردِ صالح ولی اللہ کی مجلس میں شامل ہونا بلاشبہ مستحب ہے۔" (مسلم ص۲۳۴ ج ۱)

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا "ایک اندھی بڑھیا کے ایک نوجوان بیٹے نے وفات پائی اور بڑھیا نے اس کے منہ پر کپڑا ڈال دیا۔ ہم اس کو صبر کی تلقین کر رہے تھے اور تسلی دے رہے تھے۔ اسی دوران وہ کہنے لگی "یا اللہ، تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے پیغمبر صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی طرف اس اُمید پر ہجرت کی کہ تو تکلیفوں میں میری مدد کرے، آج میری مصیبت کو نہ ٹال دے۔ یا اللہ، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا صدقہ میری مدد کر۔" حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ابھی وہاں بیٹھے تھے کہ اس مُردہ نے جو اپنے باپ کے لحاظ سے انصاری تھا اپنے منہ سے کپڑا ہٹایا اور اپنی بوڑھی مہاجر والدہ سے کہا "اب تم مت گھبراؤ میں اچھا ہو گیا" چنانچہ ہم سب نے اس نوجوان کے ساتھ کھانا کھایا۔" (بیہقی، ابن عدی، الکلام المبین ص۱۰۴، ۱۰۵)

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کنتُ ادخلُ بیتَ الّذی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔ گفت عائشہ بودم من کہ مے در آمدم خانہ خود راکہ در وے مدفون بود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلّم وابوبکر نیز مدفون شدہ بود در وے وَاِنّی وَاضِعٌ ثوبی۔ وحال آنکہ من نہندہ و انگندہ بودم جامۂ خود را یعنی رداء را از بدن واقولُ اِنّما ھُوَ زوجی وابی ومیگفتم بدلِ خود آیا اگر مے پرسید نداز اں کسے نیست مدفون مگر شوہر من کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم است و پدر من کہ ابوبکر است رضی اللہ عنہ فلمّا دُفِنَ عُمَرُ۔ پس ہرگاہ کہ دفن کردہ شد عمر رضی اللہ عنہ فَوَاللہِ مَا دَخَلْتُہٗ اِلّا وانا مشدودۃ علیّ ثیابی۔ پس بخدا سوگند نہ در آمدم آں خانہ را مگر آنکہ من

بستہ شدہ است برمن جامہ ہائے من۔ حیاءً مِّنْ عمر۔ از جہت شرم داشتن از عمر کہ بیگانہ بود۔"
(رواہ احمد)

و دریں حدیث دلیلے واضح است بر حیاتِ میّت و علم وے و آنکہ واجب است احترامِ میّت نزد زیارتِ وے خصوصاً صالحاں و مراعاتِ ادب بہ قدر مراتب ایشاں چنانچہ در حالتِ حیات ایشاں بود زیرا کہ صالحاں را مدد بلیغ است مر زیارت کنندگانِ خود را بہ اندازۂ ادب ایشاں۔ (کذا فی شرح الشیخ)

حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے حجرے میں جہاں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ مدفون تھے، اپنے اُوپر چادر لپیٹے بغیر (بے پردہ) آیا کرتی تھی اور اپنے دل میں یہ کہتی کہ اگر کوئی پوچھے تو کہہ دوں گی کہ اس حجرے میں میرے خاوند کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہیں اور میرے والد کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تو دفن ہیں (چونکہ کوئی نامحرم نہیں اس لئے پردہ کی ضرورت بھی نہیں) مگر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس حجرے میں مدفون ہوئے تو خدا کی قسم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے حیاء کی وجہ سے کبھی بھی بغیر پردہ کئے اور چادر لپیٹے اس حجرے میں داخل نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ حضرت عمر بیگانے یعنی نامحرم تھے۔" اس حدیث میں واضح دلیل ہے میّت کے حیات ہونے اور علم رکھنے پر اور یہ کہ قبر کی زیارت کے وقت اور اصحابِ قبور کے مراتب کے لحاظ سے ادب ملحوظ رکھنا واجب ہے جس طرح کہ ان کی دنیوی زندگی میں احترام کیا جاتا تھا اس لئے کہ مزاراتِ اولیاء کی زیارت کرنے والا جس قدر ادب و احترام کرنے والا ہوتا ہے اسی قدر اصحابِ قبور اولیاء اللہ کی مدد اس زیارت کرنے والے کو پہنچتی ہے۔" (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ۔ کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور فصل سوم)

نیز شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ مشائخ عظام میں سے ایک[1] نے فرمایا ہے۔ کہ بزرگوں میں سے میں نے چار بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ جس طرح دنیوی زندگی میں تصرّف کیا

[1] یہ شیخ سیدی علی قرشی قدس سرہٗ ہیں کما فی البہجۃ۔ [2] بہجۃ الاسرار میں دو کس دیگر یہ بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت شیخ عقیل منبجی اور حضرت شیخ محمد بن قیس حرانی، قدس اللہ تعالےٰ اسرارہما۔

کرتے تھے اسی طرح اپنی قبروں میں ہوتے ہوئے تصرّف فرماتے ہیں۔ بلکہ دنیاوی زندگی سے بڑھ کر قبروں میں رہ کر تصرّف فرما رہے ہیں۔ ان میں سے ایک شیخ معروف کرخی علیہ الرحمۃ اور دوسرے سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ ہیں۔ ان کے علاوہ دو دوسرے بزرگوں کا نام لیا۔ ۲۔ اس سے یہ مقصد نہیں کہ ان چار بزرگوں کے علاوہ اور دوسرے اہلِ قبور تصرّف نہیں فرماتے بلکہ جو کچھ اس بزرگ نے دیکھا اور پایا وہ بیان کیا ہے اور سیّدی احمد بن مرزوق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ دیارِ مغرب کے بڑے عظیم فقہاء و علماء و مشائخ سے ہیں انہوں نے فرمایا "ایک دن شیخ ابو العباس حضرمی علیہ الرحمۃ نے مجھ سے پوچھا کہ" زندہ ولی کی مدد قوی ہے یا مردہ کی"؟ میں نے کہا یہ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ زندہ کی امداد قوی ہے، اور میں کہتا ہوں کہ ولی اللہ اس جہان سے انتقال کے بعد زیادہ قوی امداد کرتا ہے"، تو میرے اس جواب پر شیخ نے فرمایا "ہاں ٹھیک ہے، اس لئے کہ دنیا سے انتقال کے بعد ولی اللہ حضوری و لبساطِ حق تعالیٰ میں ہوتا ہے" اور اس سلسلے میں بزرگانِ دین کی اتنی کثیر روایات ہیں جو حد و حساب سے باہر ہیں۔ اور قرآن و حدیث اور ارشاداتِ بزرگانِ دین میں ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی جو اہلِ قبور سے مدد طلب کرنے کو ناجائز قرار دے اور اس مسئلہ کو رد کرے، اور قرآن مجید کی آیات اور احادیث کی رُو سے یہ بات تحقیق کے ساتھ ثابت ہے کہ رُوح باقی ہے (وفات سے رُوح فنا نہیں ہو جاتی)، اور یہ ثابت ہے کہ رُوح کو قبر کی زیارت کرنے والوں کے حالات کا علم و شعور ہوتا ہے اور ارواحِ کاملین کا اللہ تعالیٰ کے مقام قرب میں ہونا ثابت ہے جس طرح کہ یہ اولیاء اللہ دنیاوی زندگی میں تھے، بلکہ ان کو (دنیاوی) زندگی سے زیادہ مقاماتِ قربِ الٰہی وفات کے بعد حاصل ہیں اور یہ بھی (ثابت ہے) کہ اولیاء اللہ کو دنیا کے ہر حصّہ میں تصرّف کی قدرت حاصل ہے اور تصرّف کی طاقت دنیاوی زندگی میں بھی ان کے جسموں کو نہیں بلکہ) ان کی روحوں کو حاصل ہوتی ہے اور (وفات کے بعد رُوح فنا نہیں ہوتی بلکہ) روح باقی ہے (تو ثابت ہوا کہ وفات کے بعد بھی اولیاء اللہ کی ارواح کو طاقت و قدرت حاصل ہے) اور (یاد رہے) کہ اللہ تعالیٰ عزّ و شانہٗ کے علاوہ اور کوئی بھی متصرّفِ حقیقی نہیں ہے (بلکہ اولیاء اللہ کی قدرت تصرّف بہ عطائے الٰہی ہے) اور سب کچھ اسی کی قدرت سے ہے اور یہ (اولیاء اللہ) اپنی دنیوی زندگی میں بھی اور انتقال کے بعد بھی جلال حق میں فانی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی محبوبیت کی وجہ سے اپنے کسی محبوب دوست کے ذریعہ سے کسی کو کچھ دیتا ہے تو یہ (توحید و عرفان سے) دُور نہیں ہے، جس طرح کہ (اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی) دنیوی زندگی میں (ان کے ذریعہ و وسیلہ سے دوسرں

پر عنایات اور فضل و کرم کرتا) تھا اور دونوں حالتوں میں (حقیقتہً) فعل و تصرّف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے کسی اور کا نہیں) اور ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے کہ دونوں حالتوں کے درمیان کوئی فرق ثابت ہو سکے اور ایسی کوئی چیز پائی نہیں گئی ہے جو اس پر دلیل بن سکے۔ اور شیخ ابنِ حجر ہیثمی مکّی نے اپنی شرح میں اس حدیث لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْ قبورَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدًا کی تشریح میں فرمایا ہے کہ یہ لعنت کا حکم اس صورت میں ہے کہ کوئی شخص قبر کے پاس صاحبِ قبر کی تعظیم کے طور پر نماز پڑھے کہ یہ فعل حرام ہے بالاتفاق، مگر کسی پیغمبر یا کسی صالح (ولی اللہ) کے (مزار) کے قریب مسجد بنانا اور صاحبِ مزار کی تعظیم کے ارادہ کے بغیر اور قبر کی جانب مُنہ کئے بغیر قبر کے قریب نماز پڑھنا اس نیّت سے کہ صاحبِ قبر سے مدد حاصل ہو تا کہ اس کی رُوحِ پاک کی ہمسائیگی اور قبر کی برکت کی وجہ سے عبادت کا ثواب کامل ہو جائے کوئی حرج نہیں ہے" (اشعۃ اللمعات ص۲۴۳ ج ۱)

شرح شفا قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ جلد اوّل میں فرماتے ہیں۔

علاّمہ علی قاری علیہ الرحمۃ "شفاعت بہ اجماعِ اُمّت ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا "روزِ قیامت شفاعت نفع نہ دے گی، مگر جس کے لئے رحمان نے اذن فرمایا اور اس کی بات سے راضی ہوا" اور خارجیوں اور معتزلہ کا انکار کچھ معتبر نہیں اور ان کا استدلال آیت فَمَا تَنْفَعُھُمْ شَفَاعَۃُ الشّٰافِعِیْنَ سے درست نہیں کیونکہ یہ آیت کفّار کے ساتھ خاص ہے اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کفّار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے کچھ نفع نہ ہوگا، اور معتزلہ کا احادیث شفاعت کو شفاعت رفع درجاتِ اہل جنّت کے ساتھ خاص کرنا باطل ہے کیونکہ دلائل کی صراحت سے ثابت ہے کہ مومنین کو جہنم سے بھی نکالیں گے"۔

"میزان الشعریعۃ الکبریٰ" میں فرماتے ہیں جمیع الائمۃ

امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ المجتھدین یشفعون فی اَتباعِھِمْ و یلاحِظُوْنَھُمْ فی شدائدھم فی الدنیا والبرزخ ویوم القیامۃ حتیّٰ یجاوزوا الصراط۔" تمام ائمہ مجتہدین اپنے پیروؤں کی شفاعت کرتے ہیں اور دنیا و برزخ اور قیامت ہر جگہ کی سختیوں میں ان پر نگاہ رکھتے ہیں یہاں تک کہ وہ پلصراط سے پار ہو جائیں"

علاّمہ نابلسی قدّس سرّہٗ - حدیقہ ندیہ" میں فرماتے ہیں "کرامات الاولیاء باقیۃٌ

لعدَ مَوْتِهِمْ ایضًا وَمَنْ زَعَمَ خلاف ذالك فهُوَ جاهِلٌ مُتعَصِّبٌ"۔ اولیاء کی کرامتیں بعد وفات بھی باقی ہیں جو اس کے خلاف زعم کرے وہ جاہل ہٹ دھرم ہے۔"

امام ابن الحاج مکی علیہ الرحمۃ "مدخل" میں فرماتے ہیں "إن کان المیّت المزار ممّن ترجی برکتہٗ فیتوسّل الی اللّٰہ تعالٰے بہٖ یبدأ بالتوسّل إلی اللّٰہ تعالیٰ بالنبی صلی اللّٰہ تعالٰے علیہ وسلّم إذ ھُوَ العُمْدَۃ فِی التوسل والاصل فی ھٰذا کلّہٖ والمشروع لہٗ ثمّ یتوسّل بھم الی اللّٰہ تعالٰے لِاَنّہٗ سبحانہٗ اجتباھم وشرّفھُمْ وَکرّمَھُمْ فکما نفع بھم فی الدّنیا ففی الاٰخرۃ اکثر فمن اراد حاجتہٗ فلیذھب الیھم ویتوسّل بھم فِانّھم الواسطۃ بین اللّٰہ تعالیٰ وخَلْقِہٖ وقد تقرّر فی الشرع وعلم ما لِلّٰہِ تعالٰے بھم من الاعتناء وذالک کثیرٌ مشھور وما زال النّاس من العلماء والاکابر کابرًا عن کابرٍ مشرقًا ومغربًا یتبرّکون بزیارۃ قبورھم ویجدون برکۃ ذالك حِسًّا وَ مَعْنیً"۔ الیٰ آخرہٖ ملخصًا۔

یعنی اگر صاحبِ مزار ان لوگوں میں ہے جن سے امید برکت کی جاتی ہے تو اسے اللہ تعالٰے کی طرف وسیلہ کرے، پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلّم سے توسّل کرے کہ حضور ہی توسّل میں عمدہ اور ان سب باتوں میں اصل اور توسّل کے مشروع فرمانے والے ہیں، پھر صالحین اہلِ قبور سے اپنی حاجت روائی و بخششِ گناہ میں توسّل اور اس کی تکرار و کثرت کرے کہ اللہ تعالٰے نے انہیں چنا اور فضیلت و کرامت بخشی تو جس طرح دنیا میں ان کی ذات سے نفع پہنچایا یونہی بعد انتقال اُس سے زیادہ پہنچائے گا، تو جسے کوئی حاجت منظور ہو ان کے مزارات پر حاضر ہو اور ان سے توسّل کرے کہ یہی واسطہ ہیں۔ اللہ تعالٰے اور اس کی مخلوق میں اور بیشک شرع میں مقرر و معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالٰے کو ان پر کیسی عنایت ہے۔ اور یہ خود بکثرت و شہرت ہے اور ہمیشہ علمائے اکابر خلف و سلف مشرق و مغرب میں ان کی زیارتِ قبور سے تبرّک کرتے اور ظاہر و باطن میں اس کی برکتیں پاتے رہے ہیں۔"

امام علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ نے شرح مقاصد میں اہلسنّت کے نزدیک علم و ادراک موتٰی کی تحقیق کر کے فرمایا "ولھٰذا ینتفع بزیارۃ القبور الابرار والاستعانۃ من نفوس الاخیار"۔ اسی لئے قبور اولیاء کی زیارت اور ارواح اخیار سے استعانت نفع دیتی ہے۔

شیخ عبد الحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں "حجّۃ الاسلام امام غزالی، گفتہ است ہر کہ استمداد کردہ میشود بروے در حیات استمداد کردہ میشود بروے بعد از وفات"۔ جس ولی اللہ سے اس کی حیات میں استمداد کی جاتی ہو اس کی وفات کے بعد اس سے استمداد کی جاتی ہے۔

سیّد جمال مکّی علیہ الرحمۃ کے فتاویٰ میں امام شہاب الدّین رملی علیہ الرحمۃ سے منقول ہے "لِلاَنبیاءِ والرّسُل وَالْاَوْلیاءِ والصالحین اِغاثۃٌ بعد مَوْتِھِمْ"۔ انبیاء و رسل و اولیاء و صالحین بعد وفات بھی فریاد رسی فرماتے ہیں۔"

امام مجتہد حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ "اِنّی لَاَتَبَرَّكُ بِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَجِیْءُ اِلٰی قَبْرِہٖ فَاِذا عَرَضَتْ لِی حَاجَۃٌ صَلَّیْتُ رَکْعَتَیْنِ وَسَأَلْتُ اللّٰہَ عِنْدَ قَبْرِہٖ فتقضٰی سَرِیْعًا"۔ میں امام اعظم حضرت ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں۔ پس جب مجھ کو کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس اللہ تعالٰے سے سوال کرتا ہوں تو میری حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے۔" (مقدمہ شامی)

فقہ کی معتبر کتاب ردّ المحتار صفحہ ۳۳۴ ج ۳ میں ہے۔ "اِنّ الْاِنْسَانَ اِذا ضاعَ لہٗ شیءٌ واراد اَنْ یردّہ اللّٰہ سبحانہٗ علیہ فَلْیَقِفْ علیٰ مکانٍ عالٍ مستقبل القبلۃ وَیَقْرَأُ الفاتحۃ ویُھْدی ثوابھا للنّبیّ صلے اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم ثمّ یُھدی ثواب ذالك لِسَیّدی احمد ابن علوان و یقول یا سیّدی احمد یا ابن علوان اِنْ تُرَدَّ عَلَیَّ ضَالّتِی وَاِلّا نزعتك مِنْ دیوانِ

اَلْاَوْلِیَاءِ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَرُدُّ عَلٰی مَنْ قَالَ ذَالِکَ ضَالَّتَہٗ بِبَرَکَتِہٖ "

جب کسی انسان کی کوئی چیز کھو جائے اور وہ چاہے کہ اللہ تعالےٰ اس کی وہ گم شدہ چیز لوٹا دے تو اسے چاہئے کہ کسی اونچی جگہ قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور فاتحہ پڑھ کر ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً نذر کرے ۔ اور پھر اس کا ثواب سیدی احمد ابن علوان کی خدمت میں ہدیۃً نذر کرے اور کہے یا سیدی احمد یا ابن علوان میری کھوئی ہوئی چیز مجھے واپس دلا دے ورنہ میں آپ کو اولیاء کی فہرست سے خارج کر دوں گا ۔ (یعنی اگر مجھے کھوئی ہوئی چیز واپس نہ ملی تو میں آپ کو ولی تسلیم نہیں کروں گا) اس طرح عمل کرنے اور کہنے سے اللہ تعالےٰ آپ کی برکت سے وہ کھوئی ہوئی چیز اسے لوٹا دیگا "

الحرز الثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں ۔ وَاِذَا انْفَلَتَتْ حصن حصین میں ہے ۔ دَابَّۃُ اَحَدِکُمْ بِاَرْضٍ فَلَاۃٍ فَلْیُنَادِ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا اَلْمُرَادُ بِھِمُ الْمَلَائِکَۃُ اَوِ الْمُسْلِمُوْنَ مِنَ الْجِنِّ اَوْ رِجَالُ الْغَیْبِ اَلْمُسَمُّوْنَ بِاَبْدَالٍ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ یَحْتَاجُ اِلَیْہِ الْمُسَافِرُوْنَ وَاِنَّہٗ مُجَرَّبٌ ۔ اور جب کسی آدمی کا چوپایہ کسی جنگل میں گم ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ یوں پکارے "اے اللہ کے بندو اسے روک دو"، اللہ کے بندوں سے فرشتے مراد ہیں یا نمازی جن یا مردانِ غیب (اولیاء اللہ) جنہیں ابدال کہا جاتا ہے ۔ یہ حدیث حسن ہے، مسافروں کو اس کی احتیاج ہے اور یہ بیشک مجرب (تجربہ شدہ) ہے "

غوث الاعظم سے مدد چاہنے و نماز غوثیہ کی ترکیب

حضرت ملا علی قاری محدث علیہ الرحمۃ نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیدی الشریف عبدالقادر ص۶۱ میں تحریر فرماتے ہیں " محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے مَنِ اسْتَغَاثَ بِیْ فِیْ کُرْبَۃٍ کُشِفَتْ عَنْہُ وَمَنْ نَادَانِیْ بِاِسْمِیْ فِیْ شِدَّۃٍ فُرِجَتْ عَنْہُ وَمَنْ تَوَسَّلَ بِیْ اِلَی اللّٰہِ فِیْ حَاجَۃٍ قُضِیَتْ " جس نے تکلیف میں میرے ذریعہ استغاثہ کیا اس کی تکلیف رفع کر دی گئی اور جس نے سختی میں میرا نام لے کر مجھے پکارا اس کی سختی آسان کر دی گئی اور جس نے میرے وسیلے سے اللہ تعالےٰ سے کوئی حاجت

طلب کی اس کی حاجت روائی کر دی گئی " اور حضور غوث اعظم نے نماز غوثیہ کی ترکیب اس طرح بتائی ہے ۔ اول دو رکعت نماز نفل پڑھے ہر رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھے سلام پھیر کر گیارہ بار صلوٰۃ وسلام پڑھے ۔ پھر بغداد کی جانب (شمال کی طرف) گیارہ قدم چلے ہر قدم پر میرا نام لے کر اپنی حاجت عرض کرے اور یہ دو شعر پڑھے ۔

اَیُدْرِکُنِیْ ضَیْمٌ وَاَنْتَ ذَخِیْرَتِیْ ۔۔۔ وَاُظْلَمُ فِی الدُّنْیَا وَاَنْتَ نَصِیْرِیْ

وَعَارٌ عَلٰی حَامِی الْحِمٰی وَھُوَ مُنْجِدِیْ ۔۔۔ اِذَا ضَاعَ فِی الْبَیْدَاءِ عِقَالُ بَعِیْرِیْ

یہ لکھ کر حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔ وَقَدْ جُرِّبَ ذَالِکَ مِرَارًا فَصَحَّ اس عمل کا بارہا تجربہ کیا گیا اور ہر بار صحیح ثابت ہوا " حضور غوث اعظم علیہ الرحمۃ کا یہ ارشاد شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے "اخبار الاخیار" میں نقل فرمایا ہے ۔ اور بہجۃ الاسرار ذکر فصل صحابہ ص۱۰۲ مطبوعہ مصر میں بھی منقول ہے ۔

قطب ربانی، قیوم زمانی شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی قدسنا اللہ باسرارہٖ

فرماتے ہیں " حضور پر نور سیدنا غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز کو اللہ تعالےٰ نے یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ جو قضا لوحِ محفوظ میں بہ شکلِ مبرم لکھی ہوئی ہو اور اس کی تعلیق صرف علم خداوندی میں ہو ایسی قضا میں بھی باذن اللہ تصرف فرما سکتے ہیں " ملخصًا ۔ مکتوب ۲۱۷ جلد اول ص۳۶۶ ترجمہ مکتوباتِ امام ربانی مطبوعہ تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور ۔

حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مبارک زمانہ سے قیامت تک جتنے اولیاء ابدال، اقطاب، اوتاد، نقباء، نجباء، غوث یا مجدد ہوں گے بغیر ان کے واسطے اور وسیلے کے کوئی شخص ولی نہیں ہو سکتا ۔" ملخصًا ۔ مکتوب ۱۲۳ جلد سوم ص۲۴۷ ۔

" مجدد الف ثانی بھی حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا نائب ہے جس طرح سورج کا پرتو پڑنے سے چاند منور ہوتا ہے اسی طرح مجدد الف ثانی پر بھی تمام فیوض و برکات حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بارگاہ سے فائض ہو رہے ہیں ۔" ملخصًا ۔ مکتوب ۱۲۳ جلد سوم ص۲۴۸ ۔

" عارف ایسے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے کہ عرض ہو یا جوہر، آفاق ہوں یا انفس تمام مخلوقات اور موجودات

کے ذرّوں میں سے ہر ایک ذرّہ اس کے لئے غیب الغیب کا دروازہ ہو جاتا ہے اور ہر ایک ذرّہ بارگاہِ الٰہی کی طرف اس کے لئے ایک سڑک بن جاتا ہے " ملخصاً۔ مکتوب ۱۱۱ صفحہ ۲۸۶ ج ۳)

"اکمل اولیاء اللہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ یہ قدرت عطا فرماتا ہے کہ وہ بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔" (ملخصاً۔ مکتوب ۵۸ صفحہ ۱۹ ج ۲)

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی

کی کتاب "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں ہے کہ وہ خود اور ان کے بارہ اساتذۂ حدیث و پیرانِ سلسلہ - نادِ علیًّا مَظْهَرَ العجائبِ ÷ تَجِدْهُ عَوْنًا لَّكَ فِي النَّوَائِبِ ÷ كُلُّ هَمٍّ وَّغَمٍّ سَيَنْجَلِي ÷ بِوَلَايَتِكَ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ ÷ کی سندیں لیتے اجازتیں دیتے وظیفہ کرتے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے "پکار علی کو جن کی ذات پاک سے وہ خوارق و فیوض ظاہر ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر عقلیں اچنبھے میں ہیں، جب تو انہیں پکارے گا تو انہیں مصائب و آفات میں اپنا مددگار پائے گا۔ ہر پریشانی اور رنج اب دور ہوتا ہے آپ کی ولایت سے یا علی یا علی یا علی۔

مرزا مظہر جانجاناں

کے ملفوظات میں ہے "نسبت بہ آنجناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ۔ میرسد و فقیر را نیازے خاص بہ آنجناب ثابت ست، در وقتِ عروضِ عارضۂ جسمانی توجّہ بہ آنحضرت واقع میشود و سبب حصول شفا مے گردد۔ آنجناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے نسبت پہنچتی ہے اور فقیر کو آنجناب سے خاص نیازمندی ثابت ہے جسمانی بیماری لاحق ہو جانے کے وقت آنحضرت سے توجّہ واقع ہو جاتی ہے اور حصولِ شفا کا سبب بن جاتی ہے۔" اس کے آگے فرماتے ہیں "یک بار قصیدہ کہ مطلعش اینست۔ فروغِ چشم آگاہی امیر المومنین حیدر ÷ زانگشتِ ید اللّٰہی امیر المومنین حیدر۔ بجناب ایشاں عرض نمودم نوازشہا فرمودند۔" ایک بار ایک قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے۔

فروغِ چشم آگاہی امیر المومنین حیدر زانگشتِ ید اللّٰہی امیر المومنین حیدر

ان کی خدمت میں مَیں نے عرض کیا تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ نے نوازشیں فرمائیں۔"

شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی

"ہمعات" میں فرماتے ہیں "بہ ارواح طیّبہ مشائخ متوجّہ شود و برائے ایشاں فاتحہ خواند یا بزیارت قبر ایشاں

رود و ازانجا انجذاب دریوزہ کند۔" اولیاء اللہ کی ارواحِ طیّبہ کی طرف متوجہ ہو اور ان کے لئے فاتحہ پڑھے یا ان کی قبروں کی زیارت کے لئے جائے اور وہاں سے بھیک مانگے۔

شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ

تفسیر عزیزی پ الٓمٓ صفحہ ۶ پر فرماتے ہیں "افعال عادی الٰہی مثل بخشیدن فرزند و توسیع رزق و شفائے مریض و امثال ذالک را مشرکاں نسبت بہ ارواحِ خبیثہ و اصنام مے نمایند و کافر مے شوند، و موحداں از تاثیرِ الٰہی یا خواص مخلوقات او مے دانند از ادویہ و عقاقیر یا دعائے صلحائے بندگانِ او کہ ہمہ از جناب او در خواستہ انجاح میکنانند مے فہمند و در ایمان ایشاں خلل نمے افتد۔" اللہ تعالیٰ کے افعال عادی کو مثلاً اولاد بخشنا، رزق کی فراخی، مریض کو شفا دینا اور اسی طرح کے دوسرے کاموں کو مشرک لوگ ارواحِ خبیثہ اور بتوں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں۔ اور توحید پرست (مسلمان) اللہ تعالیٰ کی تاثیر سے یا اس کی مخلوقات کے خواص سے (ان کاموں کو) جانتے ہیں مثلاً دواؤں اور جڑی بوٹیوں سے یا اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں (اولیاء اللہ) کی دعا سے کہ یہ (اولیاء اللہ) سب کچھ بارگاہِ الٰہی سے ہی مانگ کر مطلب حل کرا دیتے ہیں۔ سمجھتے ہیں اور ان کے ایمان میں خلل نہیں پڑتا۔"

شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ

"تحفۂ اثنا عشریہ" صفحہ ۳۹۶-۳۹۷ میں فرماتے ہیں۔ "حضرت امیر و ذرّیہ طاہرہ او را تمام امّت بر مثال پیران و مرشداں مے پرستند و امورِ تکوینیہ را بہ ایشاں وابستہ مے دانند و فاتحہ و درود و صدقات و نذر بنام ایشاں رائج و معمول گردیدہ چنانچہ با جمیع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است۔" حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم اور ان کی اولاد پاک کو ساری امّت کے مسلمان مریدوں کی طرح ان کو مرشد جان کر ان کی پرستش کرتے ہیں اور امورِ تکوینیہ کو ان سے وابستہ جانتے ہیں اور فاتحہ و درود و صدقات و نذر نیاز ان کے نام پر رائج اور معمول بن چکا ہے، جیسے کہ جمیع اولیاء اللہ سے یہی معاملہ جاری ہے۔"

شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ

تفسیر فتح العزیز پارہ عمّ سورۂ انشقت صفحہ ۱۱۳ میں فرماتے ہیں "و بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ و استغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجّہ بہ ایں سمت نمے گردد و اویسیاں تحصیل کمالات باطنی از آنہا مے

نمایند وارباب حاجات و مطالب حلّ مشکلات خود از آنہا مے طلبند و مے یابند" اولیاء اللہ کے بعض خواص سے ہے کہ جنہوں نے اپنے آپ کو انسانوں کی تکمیل وارشاد کا آلہ جارحہ بنا لیا ہے وہ اس (وفات کے بعد عالمِ برزخ) کی حالت میں بھی دنیا (کے معاملات) میں تصرّف فرماتے ہیں اور چونکہ ان کے حواسِ مُدرکہ میں کمال وسعت ہوتی ہے اس لئے (اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں مستغرق ہونے کے باوجود) ان کا استغراق دنیا کی طرف متوجّہ ہونے میں رکاوٹ نہیں بنتا (یعنی ان کی توجّہ دنیا کے معاملات کی طرف بھی برابر رہتی ہے اور وہ دنیوی امور میں متصرّف رہتے ہیں) اور ان (وفات پائے ہوئے اولیاء اللہ سے) اویسیہ طریقہ کے مُرید باطنی کمالات حاصل کرتے ہیں، اور حاجتوں والے (حاجت مند) اور اپنے مطلبوں والے ان سے اپنی مشکلات کا حل طلب کرتے اور (اپنے مقصد) پاتے ہیں"

نیز سورہ عبس ص۵ میں فرماتے ہیں "و بناء بریں است کہ از اولیائے مدفونین و دیگر صلحائے مومنین انتفاع و استفادہ جاری است" یہی وجہ ہے کہ قبروں میں مدفون اولیاء اللہ اور صالح مومنین (کی قبروں) سے نفع حاصل کرنے اور فائدہ (فیض و برکات اور مدد) حاصل کرنے کا طریقہ جاری ہے۔"

حضرت علّامہ احمد بن محمّد خفاجی علیہ الرحمۃ "عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی" میں حجۃ الاسلام، امام محمّد غزالی علیہ الرحمۃ و امام فخر الدّین رازی علیہ الرحمتہ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں۔

"وَلِذَا قِيْلَ اِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الْاُمُوْرِ فَاسْتَعِيْنُوْا مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ اِلَّا اَنَّهٗ لَيْسَ بِحَدِيْثٍ كَمَا تُوُهِّمَ وَلِذَا اتَّفَقَ النَّاسُ عَلٰى زِيَارَةِ مَشَاهِدِ السَّلَفِ وَالتَّوَسُّلِ بِهِمْ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَاِنْ اَنْكَرَهٗ بَعْضُ الْمَلَاحِدَةِ فِيْ عَصْرِنَا وَالْمُشْتَكٰى اِلَيْهِ هُوَ اللّٰهُ" اسی لئے کہا گیا ہے کہ جب تم کاموں میں متحیّر ہو تو مزاراتِ اولیائے اللہ سے مدد مانگو، مگر یہ حدیث نہیں ہے جیسا کہ بعض کو وہم ہوا، اور اسی لئے مزاراتِ سلف صالحین کی زیارت اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ بنانے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے، اگرچہ ہمارے زمانے میں بعض مُلحد بے دین لوگ اس کے مُنکر ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ان کے فساد کے متعلق فریاد ہے۔"

شیخ محقق حضرت عبد الحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "لیت شعری چہ میخواہند

ایشاں بہ استمداد و امداد کہ ایں فرقہ منکر اند آنرا، آنچہ ما مے فہمیم ازاں این ست کہ داعی دعا کند خدا و توسّل کند بہ روحانیّت ایں بندۂ مقرّب یا نداء کند ایں بندۂ مقرّب را کہ اے بندۂ خدا و ولئے وے شفاعت کن مرا و بخواہ از خدا کہ بدہد مسئول و مطلوب مرا، اگر ایں معنے شرک باشد چنانکہ منکر زعم مے کند باید کہ منع کردہ شود توسّل و طلب دعا از دوستانِ خدا در حالتِ حیات نیز و ایں مستحب و مستحسن ست بہ اتفاق و شائع است در دین و آنچہ مروی و محکی ست از مشائخ اہلِ کشف در استمداد از ارواح کمّل و استفادہ ازاں خارج از حصر ست و مذکور ست در کتب و رسائل ایشاں و مشہور ست میانِ ایشاں، حاجت نیست کہ آنرا ذکر کنیم و شاید کہ منکر متعصب سود نہ کند اورا کلمات ایشاں، عافانا اللہ من ذالک، کلام دریں مقام بجد اطناب کشید بہ رغم منکراں کہ در قرب ایں زماں پیدا شدہ اند کہ منکر اند استمداد و استعانت را از اولیائے خدا، و متوجّہاں بجناب ایشاں را مشرک بخدا و عبدۂ اصنام میدانند و میگویند آنچہ میگویند"

الی آخرہ ۔ ملتقطا (اشعۃ اللمعات)

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس (گمراہ) فرقہ کے لوگ جو استمداد و امداد کے منکر ہیں یہ چاہتے کیا ہیں۔" استمداد و امداد کا جو مطلب ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور اس بندۂ مقرّب کی روحانیت سے توسّل کرے، یا اس بندۂ مقرّب کو ندا کرے کہ اے بندۂ خدا اور اس کے وَلی تو میری شفاعت کر اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ وہ میرا مسئول و مطلوب عطا کر دے، اگر اس معنے میں استمداد و توسّل شرک ہو جیسا کہ منکر خیال کرتا ہے تو چاہئے کہ دوستانِ خدا (اولیاء اللہ) کی دنیوی زندگی کی حالت میں بھی ان سے توسّل و طلب دعا ممنوع ہو، حالانکہ یہ مستحب اور مستحسن ہے بالاتفاق، اور یہ دین میں معمول و مشہور ہے اور مشائخ اہلِ کشف سے ارواحِ کاملین سے استمداد و استفادہ کے بارے میں جو روایات و حکایات ہیں وہ اس قدر ہیں کہ حصر و شمار میں نہیں آسکتیں، یہ روایات و حکایات بزرگانِ دین کی کتب و رسائل میں مذکور اور ان کے درمیان مشہور ہیں۔ اور اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ ہم یہاں ان روایات و حکایات کا ذکر کریں اور شاید کہ منکر ہٹ دھرم کے لئے بزرگانِ دین کے ارشادات سود مند بھی نہ ہوں۔ عافانا اللہ من ذالک، اس مقام میں کلام بہت طویل ہو گیا۔ ان منکروں کی ناک رگڑنے کو جو حال ہی میں ایک فرقہ کی صورت میں پیدا ہو گئے ہیں کہ اولیاء اللہ سے استمداد و استعانت کے منکر ہیں اور اولیاء اللہ کی جناب میں متوجہ ہونے والوں کو مشرک باللہ اور بُت پرست سمجھتے اور جو جی میں آتا ہے

بکتے چلے جاتے ہیں۔"

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر تمام وہابیہ کے پیشوا، اسمٰعیل دہلوی کی بکواسیات میں سے ایک بکواس بطورِ نمونہ پیش کر دی جائے۔ لکھتا ہے :-

"یہ جو بعضے لوگ اگلے بزرگوں کو دُور دُور سے پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں کہ یا حضرت تم اللہ کی جناب میں دُعا کرو کہ وہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت روا کرے اور پھر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے کچھ شرک نہیں کیا اس واسطے کہ گو اس مانگنے کی راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا، لیکن پکارنے کی راہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کو ایسا سمجھا کہ دُور نزدیک سے برابر سُن لیتے ہیں، جب ہی ان کو اس طرح سے پکارا۔"

(تقویۃ الایمان ص ۳۸)

بر بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

فقیر نے کسی تبصرہ یا حاشیہ آرائی کے بغیر، سرکارِ دوعالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے ارشادات وعمل کی احادیث درج کر دی ہیں، صحابہ کرام علیہم الرضوان کے عمل وارشادات کی احادیث بھی نقل کر دی ہیں۔ اور محدّثین، مجتہدین، مشائخ عظام وعلمائے اُمّت کے اقوال بھی پیش کر دیئے ہیں۔ اور پھر امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی کا فتویٰ بھی قارئین کے سامنے رکھ دیا ہے۔ مسئلہ کے دونوں رُخ آپ کے سامنے ہیں۔ اب یہ قارئین کے ذمّے ہے کہ وہ ہر قسم کے تعصّب کو بالائے طاق رکھ کر ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچیں اور فیصلہ کریں کہ صحیح راستہ کونسا ہے اور غلط راستہ کونسا ہے۔ آیا اصل اسلام وہ ہے جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دیا۔ اور ہدایت کے ستاروں صحابہ کرام علیہم الرضوان اولیائے اللہ اور علمائے اُمّت کے ذریعہ بالتسلسل ہم تک پہنچا؟ یا اصل اسلام یہ ہے جو فرقہ وہابیہ پیش کرتا ہے۔ قارئین بتائیں کہ جو اسلام وہابی پیش کرتے ہیں یہ اُس اسلام کے سراسر مخالف ومتضاد ہے یا نہیں جو حضور پُرنور حبیبِ ربّ غفور سیّد یوم النّشور سیّد المرسلین، خاتم النبیّین، امام الانبیاء خلیفۃ اللہ الاعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے مخلوقِ خدا کو عطا فرمایا ہے؟ قرآن مجید، حدیث شریف اور سلف وخلف صالحین کے ارشادات سے بالوضاحت ثابت ومبرہن ہے کہ اللہ تعالےٰ کی عطا واذن سے نفوسِ قدسیہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ قدسنا اللہ باسرارہم کو قدرتِ تصرّف حاصل ہے، علوم اسرارِ لدنیہ سے مالامال اور خالق ومخلوق کے درمیان رابطہ ووسیلہ ہیں۔ ان سے استمداد وتوسّل نہ صرف یہ کہ مستحب ومستحسن بلکہ سنّت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے عمل وارشادات سے ثابت ہے۔ لیکن وہابیہ ان تمام امور کو شرک صریح قرار دیتے ہیں۔ تو قارئین خدا کے لئے بتائیں کہ وہابیہ کے مذہب کی رُو سے تمام مشائخ وعلماء، صحابہ کرام اور خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تک مشرک قرار پاتے ہیں یا نہیں؟ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ من ذالک، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلیّ العظیم۔

دیوبندیوں، مودودیوں، ندویوں، غیر مقلدّین وغیرھم تمام وہابیہ کا ممدُوح اور مسلّم پیشواء اسماعیل دہلوی، کس دھڑلے سے لکھتا ہے :-

"اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرّف کرنے کی قدرت نہیں دی اور کوئی کسی کی حمایت نہیں کر سکتا، یہ بھی معلوم ہوا کہ پیغمبرِ خدا کے وقت میں بھی کافر اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے۔ مگر یہی پکارنا اور منّتیں ماننا اور نذر نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا یہی ان کا کفر وشرک تھا سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو اس کو اللہ کا بندہ ومخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔" (تقویۃ الایمان ص ۱۸)

مذہب وہابیہ کے علی الرغم اتمامِ حجّت کیلئے

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی کا محاکمہ

پیش خدمت کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں

فرماتے ہیں :-

"یہ بات ٹھہری ہوئی ہے کہ ان چاروں مواطن (۱ عالم دنیا میں تشریف آوری سے قبل، ۲ دنیوی زندگی میں، ۳ انتقال کے بعد عالم برزخ اور ۴ میدانِ محشر) میں پہلا موطن اس جنابِ عالم وعالمیان صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے خاص ہے، یعنی جیسا کہ آپ کے خلعتِ جسمانی پہننے سے قبل آپ کی رُوحِ مبارک سے توسّل کیا گیا۔ کسی دوسرے نبی یا ولی کی رُوح سے وقوع میں نہیں آیا۔ اس منقبتِ عظمےٰ میں دوسرا کوئی نبی یا ولی آپ کے ساتھ شریک نہیں اور نہ وارد ہونا نصّ کا حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے سوا اس باب میں کفایت کرتا

ہے، مگر آنجناب سے توسّل نشأۂ حیاتِ دنیا میں ظاہر ہے کہ آپ کے خصائص سے نہیں ہے، بلکہ آپ کے بعض تابعین کو بھی جو آپ کے شرفِ اتباع اور شرفِ قرابت سے مشرف ہیں ثابت ہے اور ثبوت کرامات و تصرّفات غیر متناہیہ ان حضرات کا مکتوبات میں اس مطلب کے اثبات میں کافی ہے۔ اور قضیہ طلب باراں میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ کے توسّل سے بھی یہ امر ثابت ہوتا ہے اس بارے میں کسی عالم کا خلاف معلوم و متحقق نہیں ہے، اسی طرح قیامت کے دن انبیاء اور اولیائے اُمّت سے بھی بہ وسیلۂ شفاعت توسل و استمداد جائز ہے۔ چنانچہ عقائد کی کتابوں میں موجود ہے، اب رہا تبرّک و توسّل عالمِ برزخ اور موطنِ قبر میں، وہ بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اولیاء و صلحائے امت کے ساتھ بھی جائز ہے۔ اس جہت سے کہ حالتِ حیات میں تو جوازِ توسّل عام ہے اور یہ ٹھہرا ہوا ہے کہ موت کے بعد رُوح میّت باقی رہتی ہے اور ایمان و عمل صالح اور سیّد الرُسل صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے شرفِ اتباع کے سبب اس کو شعور و ادراک اور عنداللہ قُرب و منزلت کا مقام حاصل ہوتا ہے، تو ان کی وفات کے بعد بھی ان سے توسّل میں کوئی امر مانع نہیں۔ اس لئے کہ توسّل و استمداد کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو اس بندۂ خاص کے ساتھ جو محبت و اکرام ہے۔ اس واسطے سے اللہ تعالےٰ سے دُعا کی جائے اور سوال کیا جائے۔ یا اس بندہ کی روح سے طلب و التماس کرنا ہے کہ اس کو حضرت حق تعالےٰ و تقدّس کی جناب میں جو قُرب و کرامت حاصل ہے اس کے وسیلہ سے وہ ہمارے لئے یہ دعا کرے، اور اس بارے میں نصّ صریح وارد ہونے کی حاجت نہیں کیونکہ جس (بندۂ خاص) کو وسیلہ ٹھہرایا ہے اس کی ذات باقی ہے، بخلاف پہلے موطن کے، بلکہ اس کی ممانعت میں نصّ کا وارد نہ ہونا (اس کے جواز کے لئے) کافی ہے۔ ہاں اگر اس بات پر کوئی دلیل قاطع قائم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی اور سے توسّل درست نہیں تو البتہ منع کرنا درست ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ (ایسی) کوئی دلیل نہیں۔" (جذب القلوب)

کرامات و تصرّفات اولیاء

ارشادِ غوثِ اعظم

امام اجلّ سیّدنا نورالدّین ابوالحسن علی شطنوفی قدس سرہ العزیز "بہجۃ الاسرار" میں بسندِ خود روایت فرماتے ہیں۔ "حضرت امام ابوالقاسم عمر بن مسعود بزاز و حضرت ابو حفص عمر کیمانی رحمہما اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہمارے شیخ سیّدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ اپنی مجلس میں برملا زمین سے بلند کرۂ ہوا پر چلتے اور ارشاد فرماتے "آفتاب طلوع نہیں کرتا یہاں تک کہ مجھ پر سلام کرے، نیا سال جب آتا ہے مجھ پر سلام کرتا اور مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے والا ہے، نیا ہفتہ جب آتا ہے مجھ پر سلام کرتا اور مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے والا ہے، نیا دن جو آتا ہے مجھ پر سلام کرتا ہے اور مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے والا ہے، مجھے اپنے رب کی عزّت کی قسم کہ تمام نیک بخت اور بد بخت مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں، میری آنکھ لوح محفوظ پر لگی ہے (یعنی لوح محفوظ میرے پیش نظر ہے) میں اللہ عزّوجل کے علم و مشاہدہ کے دریاؤں میں غوطہ زن ہوں، میں تم سب پر حجّت الٰہی ہوں، میں رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کا نائب اور زمین میں حضور کا وارث ہوں۔"

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں

حضرت حسن بصری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔ "عبادت کرنے والوں میں ہمارے یہاں ایک حبشی بھی تھا جو اکثر ویرانہ میں رہا کرتا تھا۔ ایک روز میں نے بازار سے ایک چیز خریدی اور اس کے پاس لے گیا، اس نے مجھ سے پوچھا "یہ کیا چیز ہے"؟ میں نے کہا "یہ کھانا ہے کہ تیرے واسطے لایا ہوں" اس نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا، اور میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگا، میں نے دیکھا کہ خرابہ کی دیواریں اور اینٹیں اور پتھر سب کے سب سونا (زرِ خالص) بن گئے۔ اس وقت مجھے کمال درجہ کی پشیمانی ہوئی اور جو چیز میں لے گیا تھا، اس کو وہیں چھوڑ دیا اور اس کی ہیبت نے مجھے اس جگہ

نہ ٹھہرنے دیا" (کشف المحجوب)

حضرت ابراہیم ادہم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

"میرا گذر ایک چرواہے پر ہوا اور میں نے اس سے پانی پینے کو مانگا، اس نے کہا "میرے پاس پانی اور دودھ دونوں ہیں تو کونسی چیز مانگتا ہے"؟ میں نے کہا "پانی مانگتا ہوں" یہ سن کر اس نے اپنا عصا پتھر پر مارا، بحکمِ الٰہی فوراً اس پتھر سے ایک نہایت شیریں چشمہ جاری ہو گیا، یہ امر دیکھ کر مجھ کو سخت تعجب ہوا، اس نے میرے استعجاب پر کہا "تعجب نہ کر، جب بندہ خدا تعالیٰ کا فرمانبردار ہو جاتا ہے، تو سب جہاں اس کا تابعدار ہو جاتا ہے"! (کشف المحجوب)

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

"ایک دفعہ میں ایک جماعت کے ساتھ ایک کشتی میں سوار ہوا جو مصر سے مقام "جدہ" کو جا رہی تھی، ایک جوان گدڑی پوش بھی اس کشتی میں سوار تھا، مجھے اس کے ساتھ ہمنشینی کی خواہش ہوئی، مگر اس کی ہیبت اسے مخاطب کرنے سے باز رکھتی تھی۔ اس لئے کہ وہ بڑا معزز شخص تھا اور عبادتِ الٰہی سے کسی وقت خالی نہ رہتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن ایک آدمی کی جواہرات کی تھیلی گم ہو گئی اور تھیلی کے مالک نے اس گدڑی پوش جوان پر تہمت لگائی کہ میرا چور یہ ہے"! دوسرے لوگوں نے اس جوان پر سختی کرنی چاہی، میں نے کہا "اس کے ساتھ ایسی باتیں نہ کرو، میں اس سے ابھی دریافت کرتا ہوں"

میں نے اس کے پاس جا کر اسے نرمی سے کہا "یہ لوگ آپ پر چوری کی بدگمانی کرتے ہیں، پس کیا کرنا چاہیئے"؟ یہ سن کر اس نے اپنا منہ آسمان کی طرف اٹھایا اور منہ سے کچھ ایسے الفاظ نکلے جن کو میں سمجھ نہ سکا، مگر اسی وقت دیکھا کہ دریا کی تمام مچھلیاں سطحِ آب پر آ گئی ہیں اور ہر مچھلی کے منہ میں ایک جواہر ہے، اس جوان نے ایک مچھلی سے ایک جواہر لے کر جس کا جواہر گم ہوا تھا اس کو دے دیا، جب کشتی میں سوار آدمیوں نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ جوان فوراً کشتی سے اتر کر پانی کے اوپر چلتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ حال دیکھ کر کشتی کے سب آدمی نہایت شرمندہ و شرمسار ہوئے اور جس کا جواہر گم ہوا تھا اس نے اس جوان کا دیا ہوا جواہر ندامت کے عالم میں دریا میں پھینک دیا"! (کشف المحجوب)

حضرت ابراہیم رقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

"ابتدائے فقر میں میں حضرت مسلم مغربی علیہ الرحمۃ اللہ کی زیارت کا قصد کیا، جب ان کی مسجد میں آیا تو آپ امامت کر رہے تھے اور "الحمد" غلط پڑھ رہے تھے، میں نے اپنے دل میں کہا "ایسے شخص کے لئے میں نے خواہ مخواہ اتنا لمبا سفر اختیار کیا جو غلط اور صحیح کا امتیاز نہیں کر سکتا"! اور چونکہ رات زیادہ ہو چکی تھی اس لئے اسی مسجد میں پڑ رہا، اگلے دن میں وضو کرنے اور پانی پینے کی غرض سے "فرات" کی طرف روانہ ہوا تو دیکھتا کیا ہوں کہ راستے میں ایک شیر سو رہا ہے، میں خاموشی کے ساتھ گذر گیا اور جب نہرِ فرات سے واپس ہوا تو دیکھا کہ ایک شیر میرے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ میں نے خوف کے مارے چلانا اور شور کرنا شروع کیا، حتیٰ کہ حضرت مسلم مغربی اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے، جب شیروں نے آپ کو دیکھا تو انہوں نے اپنی گردنیں جھکا دیں، حضرت مسلم مغربی نے دونوں کے کان پکڑ کر ان کو ڈانٹا کہ "اے خدا کے کتو، میں نے تم کو کب کہا تھا کہ تم میرے مہمانوں سے اس طرح پیش آؤ"؟

اس کے بعد آپ نے مجھے فرمایا "اے ابراہیم تم ظاہر کے ٹھیک کرنے میں مشغول ہو اور مخلوق سے ڈرتے ہو، اور میں باطن کے ٹھیک کرنے میں مشغول ہوں اس لئے مخلوقِ خدا مجھ سے ڈرتی ہے"! (کشف المحجوب)

امام الاولیاء سیدنا علی ہجویری داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ

فرماتے ہیں "مجھے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کو میں حل نہ کر سکتا تھا" اس لئے میں حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور اپنی مسجد کے حجرہ میں تن تنہا ہیں مگر میرا واقعہ من و عن بیان فرما رہے ہیں، میں نے عرض کی "یا حضرت آپ یہ باتیں کس سے فرما رہے تھے"؟ فرمایا "بیٹا میں یہ باتیں اس ستون سے کر رہا تھا کیونکہ حق تعالےٰ نے اس ستون کو قوتِ گویائی عطا فرمائی ہے، لہٰذا اس نے جو مجھ سے سوال کیا تھا اس کا میں اسے جواب دے رہا تھا"!

نیز فرماتے ہیں "فرغانہ کے علاقے میں "سلانک" نامی ایک گاؤں ہے وہاں ایک "اوتاد" رہتا تھا میں مقام "روز گند" سے اس "اوتاد" کی زیارت کے لئے روانہ ہوا، جب آپ کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے

دریافت فرمایا "کیسے آئے ہو"؟ میں نے عرض کی "آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں"! فرمایا۔ "اے بیٹے، میں فلاں روز سے تجھے دیکھ رہا ہوں اور جب تک میں تجھ کو غائب نہ کرلوں گا، تمہیں برابر دیکھتا رہوں گا"۔ میں نے اپنے دل میں دنوں اور سالوں کا حساب لگایا تو وہ دن جس کے متعلق حضور نے اشارہ فرمایا تھا میری توبہ کا دن تھا، پھر حضور نے فرمایا "اے بیٹا سفر کرنا لڑکوں کا کام ہے، لیکن یہ زیارت خلوصِ دل سے کر کیونکہ حضوریٔ دل سے حضوریٔ جسمی کوئی اچھی بات نہیں ہے" اس کے بعد اپنی بوڑھی خادمہ سے فرمایا "اے فاطمہ، جو کچھ تیرے پاس ہو وہ لا تاکہ یہ درویش اس کو کھالے" یہ سن کر فاطمہ کچھ انگور لائی، جب میں نے خیال کیا تو وہ موسم انگوروں کا نہ تھا اور مزید تعجب کی بات یہ بھی ہے کہ انگوروں کے ہمراہ کچھ تازہ کھجوریں بھی تھیں، حالانکہ فرغانہ کے علاقے میں کھجور کا ہونا ایک امر ناممکن تھا"! (کشف المحجوب)

حضرت ابو عمرو عثمان صریفینی و حضرت ابو محمد عبدالحق حریمی علیہما الرحمۃ

فرماتے ہیں "ہم مورخہ ۳ صفر ۵۵۵ ہجری بروز یک شنبہ میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دربار میں حاضر تھے، حضور نے وضو کر کے کھڑاویں پہنیں اور دو رکعت پڑھیں، بعد سلام ایک عظیم نعرہ فرمایا اور ایک کھڑاؤں ہوا میں پھینکی، پھر دوسرا نعرہ فرمایا اور دوسری کھڑاؤں پھینکی، وہ دونوں ہماری نگاہوں سے غائب ہوگئیں، پھر تشریف رکھی، ہیبت کے سبب کسی کو پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ تئیس دن بعد عجم سے ایک قافلہ حاضر ہوا اور کہا "اِنَّ مَعَنَا لِلشَّیخِ نَذرًا" ہمارے پاس حضور کی ایک نذر ہے۔ فاستأذناہُ فقال خُذوہ منھم"، ہم نے اس نذر کو لینے کے میں حضور سے اذن طلب کیا، حضور نے فرمایا "لے لو" انہوں نے ایک من ریشم اور خز کے تھان اور سونا اور حضور کی وہ کھڑاویں جو اس روز ہوا میں پھینکی تھیں پیش کیں، ہم نے اُن سے کہا "یہ کھڑاویں تمہارے پاس کہاں سے آئیں"؟ وہ بولے "۳ صفر روز یکشنبہ ہم سفر میں تھے کہ کچھ راہزن جن کے دو سردار تھے، ہم پر آپڑے، ہمارے مال لوٹے اور کچھ آدمی قتل کئے اور ایک نالے میں تقسیم کو اترے، نالے کے کنارے ہم تھے، فقلنا لو ذکرنا الشیخ عبدالقادر فی ھذا الوقت و نذرنا لہٗ شیئًا من اموالنا ان سلمنا ہم نے کہا بہتر ہو کہ اس وقت ہم حضور غوث اعظم کو یاد کریں اور نجات پانے پر حضور کے لئے کچھ مال نذر مانیں"۔ ہم نے حضور کو یاد کیا ہی تھا کہ دو عظیم نعرے سُنے، جن سے جنگل گونج اٹھا اور ہم نے راہزنوں کو دیکھا کہ ان پر خوف چھا گیا، ہم سمجھے ان پر کوئی اور ڈاکو آپڑے ہیں، اتنے میں وہ ہم سے بولے "آؤ اپنا مال لے لو اور دیکھو ہم پر کیا مصیبت پڑی، ہمیں اپنے دونوں سرداروں کے پاس لے گئے، ہم نے دیکھا وہ مرے پڑے ہیں اور ہر ایک کے پاس ایک کھڑاؤں پانی سے بھیگی رکھی ہے، ڈاکوؤں نے ہمارے سب مال ہمیں پھیر دیئے اور کہا "اس واقعہ کی کوئی عظیم الشان خبر ہے"! (بہجۃ الاسرار)

حضرت امام شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

"ہمارے شیخ حضرت عبدالقاہر نجیب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ جب کسی مُرید پر نظر عنایت فرماتے وہ پھولتا پھلتا اور بلند رُتبہ کو پہنچتا، ایک دن میں حضور میں حاضر تھا، ایک دہقانی ایک بچھڑا لایا اور عرض کی یہ ہماری طرف سے حضرت کی نذر ہے اور چلا گیا، بچھڑا آ کر حضرت کے سامنے کھڑا ہوا۔ حضرت نے فرمایا یہ بچھڑا مجھ سے کہتا ہے "میں آپ کی نذر نہیں ہوں میں حضرت شیخ علی بن ہیتی (علیہ الرحمۃ) کی نذر ہوں، آپ کی نذر میرا بھائی ہے"!

کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ وہ دہقانی ایک اور بچھڑا لایا جو صورت میں اس کے مشابہ تھا، اور عرض کی "اے میرے سردار میں نے حضور کی نذر یہ بچھڑا مانا تھا اور وہ بچھڑا جو پہلے میں حاضر لایا وہ میں نے حضرت شیخ علی بن ہیتی کی نذر مانا ہے، مجھے دھوکا ہو گیا تھا" یہ کہہ کر پہلے بچھڑے کو لے لیا اور واپس گیا" (بہجۃ الاسرار)

عارف باللہ ابو الفتح بن ابی الغنائم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

"اہلِ بطائح سے ایک شخص ایک دُبلا بیل کھینچتا ہوا ہمارے شیخ حضرت سید احمد رفاعی (علیہ الرحمۃ) کے حضور لایا اور عرض کی "اے میرے آقا، میرا اور میرے بال بچوں کا قوت اسی بیل کے ذریعہ سے ہے، اب یہ ضعیف ہو گیا اس کے لئے قوت و برکت کی دعا فرمایئے" حضرت نے فرمایا شیخ عثمان بن مرزوق (بطائحی علیہ الرحمۃ) کے پاس جا اور انہیں میرا سلام کہہ اور اُن سے میرے لئے دعا چاہ" وہ بیل کو لے کر یہاں حاضر ہوا، دیکھا کہ حضرت سیدی عثمان تشریف فرما ہیں اور ان کے گرد شیر حلقہ باندھے ہیں، یہ پاس حاضر ہوتے ڈرا، فرمایا "آگے آ" قریب

گیا، قبل اس کے کہ یہ حضرت رفاعی کا پیغام پہنچائے سیّدی عثمان نے خود فرمایا "میرے بھائی شیخ احمد پر سلام، اللہ میرا اور ان کا خاتمہ بالخیر فرمائے"۔ پھر ایک شیر کو اشارہ فرمایا کہ اُٹھ اس بیل کو پھاڑ۔ شیر اُٹھا اور بیل کو مار کر اُس میں سے کھایا، حضرت نے فرمایا "اب اُٹھ آ" وہ اُٹھ آیا، پھر دوسرے شیر سے فرمایا "اُٹھ اس میں سے کھا" وہ اٹھا اور کھایا، پھر اُسے بلالیا، تیسرا شیر بھیجا یونہی ایک ایک شیر بھیجتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے سارا بیل کھالیا، اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ "بطیحہ" کی طرف سے ایک بہت فربہ بیل آیا اور حضرت کے سامنے آکھڑا ہوا۔ حضرت نے اس شخص سے فرمایا "اپنے بیل کے بدلے یہ بیل لے لو"۔ اس نے پکڑ تو لیا مگر دل میں کہتا تھا "میرا بیل تو مارا گیا اور مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی اس بیل کو میرے پاس پہچان کر مجھے ستائے گا۔ ناگاہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور حضرت کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دے کر عرض کی "یاسیّدی نذرت لك ثورا واتیت بہ الی البطیحۃ فاستلب منّی ولا ادری این ذھب" اے میرے مولیٰ میں نے ایک بیل حضور کی نذر کار کھا تھا اسے "بطیحہ" تک لایا وہاں سے میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا معلوم نہیں کہاں گیا"!

فرمایا "قد وصل الینا ھو تراہ" وہ ہمیں پہنچ گیا، یہ دیکھو یہ تمہارے سامنے ہے" وہ شخص قدموں پر گر پڑا اور حضرت کے پائے مبارک کو چوم کر کہا "اے میرے مولیٰ، خدا کی قسم اللہ نے حضرت کو ہر چیز کی معرفت بخشی اور ہر چیز یہاں تک جانوروں کو حضرت کی پہچان کرادی"!

حضرت نے فرمایا "یاھذا ان الحبیب لا یخفی عن حبیبہ شیئاً ومن عرف اللہ عزوجل عرفہ کل شیء" اے شخص بیشک محبوب اپنے محبوبوں سے کوئی چیز چھپا نہیں رکھتا جسے اللہ کی معرفت ملتی ہے اللہ اسے ہر چیز کا علم عطا کرتا ہے" پھر بیل والے سے فرمایا "تو اپنے دل میں میرا اشاکی تھا اور کہہ رہا تھا کہ میرا بیل تو مارا گیا اور خدا جانے یہ بیل کہاں کا ہے مبادا کوئی اسے میرے پاس پہچان کر مجھے ایذا نہ دے"۔ یہ سُن کر بیل والا رونے لگا، فرمایا "کیا تُو نے نہ جانا کہ میں تیرے دل کی جانتا ہوں سجا اللہ اس بیل کو تجھ پر مبارک کرے"۔ وہ بیل کو لے کر چند قدم چلا، اب اُسے یہ خطرہ گذرا کہ مبادا مجھے یا میرے بیل کو کوئی شیر اڑے آئے، فرمایا "شیر کا خوف ہے"؟ عرض کی "ہاں" حضرت نے جو شیر سامنے تھے اُن میں سے ایک حکم دیا کہ اُسے اور اُس کے بیل کو بحفاظت پہنچا دے" شیر اٹھا اور ساتھ ہو لیا۔ اس کے پاس سے شیر وغیرہ کو دور کرتا کبھی اس کے داہنے کبھی بائیں اور کبھی پیچھے چلتا، یہاں تک کہ وہ امن

کی جگہ پہنچ گیا۔ اور اپنا قصہ حضرت رفاعی احمد (علیہ الرحمۃ) سے عرض کیا حضرت روئے اور فرمایا "ابن مرزوق کے بعد ان جیسا پیدا ہونا دشوار ہے" اللہ تعالیٰ نے اس بیل میں برکت رکھی کہ وہ شخص بڑا مالدار ہو گیا۔"

(بہجۃ الاسرار)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر مختصراً

نذر و نیاز کا مسئلہ

بھی حل کر دیا جائے۔ اس لئے کہ فرقۂ ضالہ وہابیہ، اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کو حرام اور شرک قرار دیتے ہیں، واضح رہے کہ نذر اولیاء کو "مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰه" میں داخل کرنا باطل ہے، ایسا ہوتا تو ائمہ دین کیونکر اُسے قبول فرماتے اور کھاتے کھلاتے بلکہ مَا اھل بہ لغیر اللّٰہ، وہ جانور ہے جو ذبح کے وقت تکبیر میں غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو، شریعت مطہرہ میں غیر خدا کے لئے نذر فقہی بالاتفاق ناجائز و ممنوع اور حرام ہے یعنی وہ نذر جو بہ نیتِ عبادت و تقرّب مانی جائے، یہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اور غیر اللہ کے لئے ناجائز و حرام اور یقیناً کفر ہے۔ اولیائے کرام کے لئے ان کی حیات ظاہری خواہ باطنی میں جو نذریں کہی جاتی ہیں یہ نذر فقہی نہیں، عام محاورہ ہے کہ اکابر کے حضور جو ہدیہ پیش کریں اسے نذر کہتے ہیں، مثلاً شاگرد اپنے اُستاد سے یوں کہے یہ آپ کی نذر ہے، یا کوئی یوں کہے "یا حضرت غوث الاعظم، آپ دعا فرمائیں اگر میری یہ حاجت پوری ہو جائے یا مصیبت دور ہو گئی تو میں آپ کے نام کی گیارہویں کی نیاز دوں گا یا آپ کے نام کی دیگ پکاؤں گا تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ میرے خدا ہیں اور مصیبت کے دور ہونے یا مراد پوری ہونے پر میں اس طرح آپ کی عبادت کروں گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں گیارہویں کے طعام یا دیگ کے پلاؤ کا صدقہ اللہ تعالیٰ کے نام پر کروں گا، اس پر جو ثواب ملے گا وہ آپ کو بخشوں گا۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ "شامی" "کتاب الصوم بحث نذر اموات میں فرماتے ہیں۔ "بان تکون صیغۃ النذر للّٰہ تعالیٰ للتقرب الیہ ویکون ذکر الشیخ مرادًا بہ فقراءہ" صیغہ نذر کا اللہ کی عبادت اس کا تقرب چاہنے کے لئے ہو اور شیخ کا نام لینے سے یہ مراد ہو کہ یہ صدقہ میں حضرت شیخ کے روضۂ اقدس کے فقیروں کو تقسیم کروں گا۔ پس اولیاء اللہ کے نام کی نذر کا مطلب یہ ہوا کہ صدقہ خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اس کے ثواب کا ہدیہ ارواح اولیاء کے لئے اور اس صدقہ کا مصرف مزار ولی اللہ

کے خدام وفقراء ہیں۔ اس کے جواز میں کوئی شک نہیں اور تمام مسلمان یہی کرتے ہیں ۔

قرآن مجید میں ہے حضرت مریم کی والدہ نے نذر مانی کہ میں اپنے اس حمل کے بچہ کو تیری نذر کرتی ہوں، یہ بچہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا ۔ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۔" حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ میں بیت المقدس میں چراغ کے لئے تیل بھیجوں گا حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا " اپنی نذر کو پورا کرو۔"

مشکوٰۃ شریف باب النذور میں ہے " ایک شخص نے نذر مانی کہ میں مقام 'بوانہ' میں اونٹ ذبح کروں گا" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا " اگر وہاں کوئی بت وغیرہ نہ تھا تو نذر پوری کرو۔"

نیز مشکوٰۃ شریف باب مناقبِ عمر میں ہے کہ بعض بیویوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام جنگِ اُحد سے بخیریت واپس تشریف لائے تو آپ کے سامنے دَف بجائیں گی " یہ نذر بھی لُغوی وعرفی تھی نہ نذر شرعی وفقہی، جس کا مطلب یہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے حضور دَف بجا کر خوشی کا نذرانہ پیش کیا جائے گا، نہ کہ نعوذ باللہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی عبادت مقصود تھی، تو ثابت ہوا کہ صدقات وخیرات کی نذر میں کسی مقام یا بزرگ یا کسی مزار کے فقراء وخدام کی قید لگانا جائز ہے، نہ کہ وہابیہ کے کہنے سے شرک وکفر یا بدعت وگمراہی ۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ کے برادر شاہ رفیع الدین صاحب، رسالہ نذور، میں فرماتے ہیں "نذر کہ اینجا مستعمل مے شود بہ معنے شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیشِ بزرگاں مے برند نذر ونیاز مے گویند" جس نذر کے ممنوع ہونے پر حکم لگایا جاتا ہے وہ بہ معنے شرعی ہوتی ہے، اور عرف یہ ہے کہ جو چیز بزرگوں کے حضور لے جاتے ہیں اسے نذر ونیاز کہتے ہیں " یہ ممنوع نہیں ۔!

حضرت امام سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ " حدیقہ ندیہ " میں فرماتے ہیں " ومن ھٰذا القبیل زیارۃ القبور والتبرک بضرائح الاولیاء والصالحین والنذر لھم بتعلیق ذالک علی حصول شفاء اوقدوم غائب فانّہ مجازٌ عن الصدقۃ علی الخادمین لقبورھم کما قال الفقہاء فیمن دفع الزکوٰۃ لفقیر وسمّاھا قرضًا صحّ لِاَنّ العبرۃ بالمعنی لا باللفظ ۔" یعنی۔ اسی قبیل سے ہے زیارت قبور اور مزاراتِ اولیاء وصلحا سے برکت لینا اور بیمار کی شفا یا مسافر کے آنے پر اولیائے گذشتہ کے لئے منت ماننا کہ وہ ان

کے خادمانِ قبور پر تصدق سے مجاز ہے، جیسے فقہاء نے فرمایا ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ دے اور قرض کا نام لے تو صحیح ہو جائے گی کہ اعتبار معنے کا ہے نہ کہ لفظ کا۔"

ظاہر ہے کہ یہ نذر فقہی ہوتی تو احیاء کے لئے بھی نہ ہو سکتی، حالانکہ دونوں حالتوں میں یہ عرف وعمل قدیم سے اکابرِ دین میں معمول ومقبول ہے ۔"

نیز مسلک دیوبندیہ وہابیہ کے مفتیٔ اعظم رشید احمد گنگوہی نے فتاویٰ رشدیہ، الحظر والاباحۃ، میں صاف لکھا ہے " بادشاہ یا نواب کو جو ہدیہ دیا کرتے ہیں، اگر رشوت یا بوجہ معصیت کے نہیں بلکہ محض اخلاص مندی ہے تو درست ہے، اور بزرگوں کو بھی جو دیتے ہیں وہ ہدیہ ہے درست ہے اور جو اموات اولیاء کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنے ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے اور جو نذر بمعنے تقرّب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے "

اس فتویٰ سے بھی ہمارا مدعا ثابت ہے، لہٰذا منکرین کی خرافات ناقابلِ توجہ ہے " فافہم ۔

مسئلہ نذر ونیاز کی وضاحت کے بعد چند کراماتِ اولیاء مزید پیش کر دیتا ہوں۔ تاکہ اتمام حجت ہو جائے واضح رہے کہ اس مختصر رسالہ میں کراماتِ اولیاء کا حصر واحصاء مقصود نہیں اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ عربی، فارسی، اردو اور دنیا کی مختلف زبانوں میں بے شمار ایسی مستند ومشہور کتب موجود ہیں جو کراماتِ اولیاء سے بھرپور ہیں۔ اور ان کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قرونِ ثلاثہ سے آج تک تمام مسلمان تصرّفاتِ اولیاء کو تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں، لہٰذا منکرین وہابیہ کا انکار قطعاً مردود ہے ۔

جنّات پر حکومت

حضرت ابوسعید عبداللہ بن احمد علیہ الرحمۃ نے حضور پرنور سیدنا غوث اعظم قدس سرہ العزیز کی حیات مبارک میں وصالِ اقدس سے سات برس پہلے ۵۵۴ ہجری میں ان کی صاحبزادی فاطمہ ناکتخدا سولہ سال کی عمر اپنے مکان کی چھت پر گئیں وہاں سے کوئی جنّ اڑا لے گیا، یہ بارگاہِ انور سرکارِ غوثیت میں حاضر ہو کر نالشی ہوئے، ارشاد فرمایا " اذھب اللیلۃ الی خراب الکرخ واجلس علی التل الخامس وخطّ علیک دائرۃ فی الارض وقل وانت تخطھا بسم اللہ علی نیۃ عبد القادر" آج رات ویرانۂ کرخ میں جاؤ اور وہاں پانچویں ٹیلے پر بیٹھو اور اپنے گرد زمین پر ایک دائرہ کھینچو اور دائرہ

کھینچنے ہیں یہ پڑھو لسم اللہ علیٰ نیۃ عبدالقادر۔ جب رات کی پہلی اندھیری جھکے گی مختلف صورتوں کے جِن گروہ گروہ تمہارے پاس آئیں گے خبردار انہیں دیکھ کر خوف نہ کرنا پچھلے پہر ان کا بادشاہ لشکر کے ساتھ آئے گا اور تم سے کام پوچھے گا اس سے کہنا عبدالقادر نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور لڑکی کا واقعہ بیان کرنا۔ حضرت ابوسعید عبداللہ فرماتے ہیں "میں گیا اور حسبِ ارشاد عمل کیا، مُہیب صورتوں کے جِن آئے مگر کوئی میرے دائرہ کے پاس نہ آسکا، وہ گروہ گروہ گذرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا بادشاہ گھوڑے پر سوار آیا اور اس کے آگے جنّات کی فوجیں تھیں، بادشاہ دائرے کے سامنے آکر ٹھہرا اور کہا "اے آدمی تیرا کیا کام ہے"؟ میں نے کہا "حضور عبدالقادر نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے" میرا یہ کہنا تھا کہ فوراً بادشاہ نے گھوڑے سے اُتر کر زمین چُومی اور دائرے کے باہر بیٹھ گیا، اس کے ساتھ فوج بھی بیٹھی، بادشاہ نے مجھ سے مقصد پوچھا میں نے لڑکی کا واقعہ بیان کیا بادشاہ نے ہمراہیوں سے کہا "یہ کس نے حرکت کی"؟ کسی کو معلوم نہ تھا کہ اتنے میں ایک شیطان لایا گیا اور لڑکی اس کے ساتھ تھی۔ کہا گیا کہ یہ چین کے عفریتوں سے ہے۔ بادشاہ نے اس سے کہا "کیا باعث ہوا کہ تو اس لڑکی کو حضرت قطب کے زیرِ سایہ سے لے گیا؟" وہ بولا "یہ میرے دل کو بھا گئی"! بادشاہ نے حکم دیا اس عفریت کی گردن ماردی گئی اور لڑکی میرے حوالے کردی۔ میں نے کہا "میں نے آج کا سا معاملہ نہ دیکھا جو تم نے حضور کے حکم کو ماننے میں کیا" ! بادشاہ نے کہا "ہاں، وہ اپنے دولت کدے سے ہم میں عفریتوں پر جو زمین کے منتہٰے پر رہتے ہیں نظر فرماتے ہیں تو وہ ہیبت سے اپنے مسکنوں کی طرف بھاگ جاتے ہیں۔ اور بیشک اللہ تعالےٰ جب کسی کو قطب کرتا ہے جِنّ وانس سب پر اُسے قابو دیتا ہے" (بہجۃ الاسرار)

تقدیرِ معلّق کی تبدیلی

تاجر ابوالمظفر تجارت کی غرض سے سفر کو جانے لگا تو روانگی سے پہلے حضرت شیخ حمّاد علیہ الرحمۃ کے حضور حاضر ہوا۔ عرض کی "میں ایک سو دینار کی مالیّت کا سامان اور ایک سو دینار نقد لے کر قافلے کے ساتھ سفر کو جا رہا ہوں، آپ دعا فرمائیں" شیخ حمّاد نے فرمایا "تم یہ سفر ملتوی کر دو ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گے، ڈاکو تمہارا سب سامان اور نقدی لُوٹ کر تجھے بھی قتل کر ڈالیں گے" تاجر پریشانی کے عالم میں واپس ہوا۔ راستے میں حضور غوث اعظم قدسنا اللہ باسرارہٖ ملے پوچھا "کس لئے پریشان ہو"؟

اس نے تمام واقعہ عرض کیا، فرمایا "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، شوق سے سفر کو جاؤ، انشاءاللہ تعالیٰ بخیریت واپس کامیاب آؤ گے"! سوداگر قافلے کے ہمراہ روانہ ہوگیا، ملک شام میں بہت نفع کمایا، وحلب، میں پہنچا تو رقم کی تھیلی کہیں رکھ کر بھول گیا۔ بہت تلاش کی تھیلی نہ ملی۔ اسی رنج کی حالت میں سوگیا۔ خواب دیکھا کہ ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا ہے اور اس کو قتل کر ڈالا ہے، گھبراہٹ میں آنکھ کھل گئی۔ تھیلی جہاں رکھی تھی یاد آگئی۔ بغداد پہنچ کر سوچا کہ پہلے شیخ حمّاد کی خدمت میں حاضری دوں یا غوث اعظم کے حضور حاضر ہوں۔ اتفاقاً بازار میں شیخ حمّاد مل گئے۔ فرمایا "پہلے غوث اعظم سے جاکر ملو کہ وہ غوث اعظم ہیں، انہوں نے تمہارے لئے ستّر مرتبہ دعا کی تب جاکر تمہاری تقدیرِ معلّق بدلی کہ ہونے والا واقعہ خواب میں بدل دیا گیا" تاجر غوثِ اعظم کی بارگاہ میں پہنچا۔ حضور نے دیکھتے ہی فرمایا۔ واقعی میں نے تمہارے لئے ستّر مرتبہ دعا کی تھی۔"

عالمِ نزع کے وقت امداد

امام فخرالدین رازی علیہ الرحمۃ کی نزع کا جب وقت آیا۔ شیطان آیا، کہ اس وقت شیطان پوری جان توڑ کوشش کرتا ہے کہ کس طرح اس کا ایمان سلب ہو جائے، اگر اس وقت پھر گیا تو پھر کبھی نہ لوٹے گا، اس نے ان سے پوچھا "تم نے عمر بھر مناظروں مباحثوں میں گذاری، خدا کو بھی پہچانا"؟ آپ نے فرمایا بیشک خدا ایک ہے" شیطان بولا اس پر کیا دلیل ہے"؟ آپ نے ایک دلیل قائم فرمائی، وہ خبیث معلّم الملکوت رہ چکا ہے، اس نے وہ دلیل توڑ دی، انہوں نے دوسری دلیل قائم کی اس نے وہ بھی توڑ دی یہاں تک کہ تین سو ساٹھ دلیلیں حضرت نے قائم کیں اور اس نے سب توڑ دیں، اب یہ سخت پریشانی میں اور نہایت مایوس ہوئے آپ کے پیر حضرت نجم الدّین کُبرٰی علیہ الرحمۃ کہیں دور دراز مقام پر وضو فرما رہے تھے، وہاں سے آپ نے آواز دی "یہ کہہ کیوں نہیں دیتا کہ میں نے خدا کو بے دلیل ایک مانا"

آفتاب آمد دلیلے آفتاب　　　گر دلیلے خواہی از وے رُو متاب

(ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ)

اقتدارِ ولایت

حضرت ابراہیم بن ادھم علیہ الرحمتہ "بلخ" کے بادشاہ تھے، ایک رات محل میں سو رہے تھے کہ آدھی رات کے وقت چھت پر کسی شخص کے چلنے کی آہٹ ہوئی۔ پکار کر پوچھا "کون ہے"؟ جواب ملا۔ "آپ کا ایک دوست ہوں، شام کو جنگل میں میرا اونٹ گم ہو گیا، اس کی تلاش میں ہوں"! فرمایا "شاہی محل میں اُونٹ کا کیا کام"؟ جواب ملا "جس طرح جنگل میں گمشدہ اُونٹ کا شاہی محل میں ملنا خلافِ عقل ہے اسی طرح شاہی محلات میں رہ کر اللہ تعالیٰ کا پا لینا بھی خلافِ عقل ہے"، یہ کہہ کر ہاتفِ غیب غائب ہوا۔ مگر حضرت کے دل میں عشقِ الٰہی کا تیر پیوست ہو گیا۔ صبح تختِ حکومت کو چھوڑ کر صحرا نوردی کے لئے نکل گئے۔ ایک دن دریا کے کنارے بیٹھے گدڑی سی رہے تھے۔ ایک امیر نے دیکھا تو کہا ہے

ترک کردہ ملکِ ہفت اقلیم را — مے زند بر دلق سوزن چوں گدا

ملک ہفت اقلیم ضائع میکند — چوں گدا بر دلق سوزن مے زند

اس شخص نے ملک ہفت اقلیم کی حکومت ترک کر کے کیا پایا؟ اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بھکاری کی مانند اپنی پھٹی گدڑی پر سوئی چلا رہا ہے، وسیع سلطنت ضائع کر دی اب سوئی چلا کر گدڑی کی حفاظت میں لگا ہے"!

شیخ سوزن زود در دریا فگند — خواست سوزن را بر آواز بلند

حضرت شیخ نے فی الفور سُوئی کو دریا میں پھینک دیا۔ اور پھر بلند آواز سے سُوئی کو طلب فرمایا۔

صد ہزاراں ماہئے اللّٰہیے — سوزنِ زر بر لب ہر ماہئے

سر بر آوردند از دریائے حق — کہ بگیر اے شیخ سوزن ہائے حق

لاکھوں مچھلیاں سطحِ آب سے نمودار ہو گئیں اور ہر مچھلی کے منہ میں سونے کی سُوئی دبی ہوئی تھی۔ ہر مچھلی دریا سے سر بلند کر کے شیخ کو پکار رہی تھی کہ اے شیخ، حق تعالےٰ کی بھیجی ہوئی سُوئیاں لے لیجئے۔

رُو بدو کردو بگفتش اے امیر — مُلکِ حق بہ یا چنیں ملک حقیر

حضرت شیخ نے اس امیر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے امیر یہ ملکِ حق (باطنی وجاودانی حکومت)

بہتر ہے یا یہ ملکِ حقیر بہتر ہے"؟ جو سراسر ناپائیدار و بے وفا ہے۔ (مثنوی مولانا روم علیہ الرحمہ)

غوثِ اعظمؓ کی ضمانت

راجہ رنجیت سنگھ کے دورِ حکومت میں بمقام "لاہور" ایک بدمعاش آدمی اپنے ہندو ہمسائے کی بیوی پر فریفتہ ہو گیا۔ ایک دن وہ ہندو اپنی بیوی کو لے کر سسرال کو چلا، وہ بدمعاش گھوڑے پر سوار ان کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ شہر سے کچھ دور ان کے پاس پہنچ کر بولا "تم تھک جاؤ گے کہاں تک پیدل چلو گے، میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ" ہندو نے انکار کر دیا۔ وہ بولا "اگر تم سوار نہیں ہوتے تو اپنی بیوی کو ہی سوار کر دو، عورت نے بھی انکار کر دیا، بولا "میں تمہارا ہمدرد ہمسایہ ہوں مجھ پر بے اعتمادی کیوں"؟

ہندو نے کہا۔ کوئی ضامن دو کہ ہم سے دھوکہ نہیں کرو گے۔ بولا "یہاں کون ہے جسے ضامن دوں"؟ عورت بولی "مسلمان جس بزرگ کی گیارہویں دیتے ہیں تم انہیں ضامن دو" بولا "مجھے بڑے پیر کی قسم، تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا" عورت سوار ہو گئی، تھوڑی دور چل کر بدمعاش نے ہندو کو قتل کر دیا، عورت کو لے بھاگا۔ وہ عورت روتی جاتی اور دائیں بائیں دیکھتی جاتی۔ بدمعاش نے پوچھا۔ "اب کسے تلاش کرتی ہے"؟ بولی "میں بڑے پیر کو دیکھتی ہوں کہ وہ ابھی تک امداد کو نہیں پہنچے"! بولا۔ "اسے مرے ہوئے صدیاں گذر گئیں وہ تیری کیا مدد کرے گا"؟

اتنے میں دو نقاب پوش گھوڑوں پر سوار آ پہنچے، ایک نے اس بدمعاش کو تلوار سے دو ٹکڑے کر دیا اور اپنے ساتھی کی کمر پر کوڑا مار کر کہا "اس عورت کو واپس لے چلو" سوار نے ہندو مقتول کے پاس پہنچ کر ٹھوکر ماری اور کہا "اٹھ کھڑا ہو" مقتول زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا، اور دونوں سوار غائب ہو گئے، جب ہندو بیوی کو لے کر گھر پہنچا تو اس بدمعاش کے لواحقین نے بدمعاش کا گھوڑا ان کے پاس دیکھ کر رنجیت سنگھ کے دربار میں فریاد کی، ہندو گرفتار کر کے لایا گیا، اس نے پورا واقعہ بیان کر دیا، رنجیت سنگھ نے کہا "کوئی گواہ پیش کرو" عورت بولی "وہاں اور تو کوئی موجود نہیں تھا مگر اس نقاب پوش کے ہمراہ جو سوار تھا وہ گل محمد شاہ مجذوب کا ہمشکل تھا" رنجیت سنگھ نے مجذوب کو بلوایا اور واقعہ کے متعلق دریافت کیا۔ مجذوب نے فوراً اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی اور کہا یہ اُس کوڑے کا نشان ہے، دیکھ

لیجئے! اس طرح واقعہ کی تصدیق ہوگئی، رنجیت سنگھ نے ہندو عورت کے شوہر کو بری کر دیا۔"

شہداء کی امداد

حضرت عُمیر بن حباب سلمی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بنو اُمیّہ کی لڑائی کے زمانے میں ہم نو آدمیوں کو گرفتار کر کے شاہِ روم کے سامنے پیش کیا گیا، بادشاہ نے حکم دیا کہ سب کی گردن ماردی جائے۔ جلّاد نے باری باری آٹھ مجاہدین کو قتل کر دیا۔ جب میری باری آئی تو چوبدار نے بادشاہ کا سر اور پیر چوم کر عرض کی "یہ نوجوان مجھے دیجئے۔" بادشاہ نے مجھے چوب دار کے حوالے کر دیا۔ وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اس نے اپنی لڑکی کو بلایا جو نہایت خوبصورت تھی، اور مجھے کہا "تو دیکھ چکا ہے کہ بادشاہ کے دربار میں میرا رتبہ کیا ہے میں تجھے اس لئے موت سے بچا کر لایا ہوں کہ تو بڑا حسین و خوبصورت نوجوان ہے اور میری بیٹی بھی نوجوان اور حسین ہے، میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی تیرے ساتھ کر دوں اور اپنا سارا مال و دولت تیرے حوالے کر دوں۔ مگر یہ تب ہوگا جب کہ تو میرے دینِ عیسائیت کو قبول کر لے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں حسین بیوی یا مال و دولت کی خاطر اسلام سے مُنحرف نہیں ہوں گا۔ تاہم اس نے مجھے اپنے گھر میں مہمانوں کی طرح رکھ لیا۔ وہ ہر روز مجھے یہی ترغیب دیتا اور میں سختی کے ساتھ اس کا انکار کر دیتا۔ کافی دن اسی طرح گذر گئے۔ ایک شب وہ لڑکی مجھے اپنے ساتھ اپنے باغ میں لے کر پہنچی اور مجھ سے پوچھا۔

"تم میرے باپ کی بات مان کیوں نہیں لیتے؟" میں نے کہا "بیوی اور مال و دولت کے لئے اپنا دین کیونکر چھوڑ سکتا ہوں؟" اس نے پوچھا "تم یہاں رہنا پسند کرتے ہو یا اپنے شہر جانا چاہتے ہو؟" میں نے کہا "میں اپنے وطن پہنچنا چاہتا ہوں۔" وہ بولی "تو تجھے میں آزاد کر دیتی ہوں، پھر مجھے آسمان کا ایک ستارہ بتا کر کہنے لگی۔ اسی ستارے کی سیدھ میں چلے جانا، رات کے وقت سفر کرنا دن کے وقت کہیں چھپ کر رہا کرنا۔" میرا شہر وہاں سے کئی روز کے سفر کے فاصلے پر تھا۔ میں اس سے رخصت ہو کر روانہ ہوا۔ میں رات کو سفر کرتا اور دن کو چھپ رہتا تھا۔ چوتھے روز میں ایک دن چھپا بیٹھا تھا کہ دُور سے چند سوار آتے دکھائی دیئے۔ میں ڈرا کہ شاید دشمن میری تلاش میں آ پہنچے، جب وہ قریب آئے تو میں نے دیکھا کہ وہ میرے وہی آٹھوں ساتھی تھے جنہیں شاہِ روم نے قتل کرا دیا تھا، انہوں نے مجھے آواز دی "اے عُمیر"، میں نے کہا "ہاں، میں عُمیر ہوں۔" پھر ان سے پوچھا "تم تو قتل کر دیئے تھے پھر زندہ کیونکر ہو

گئے؟" وہ بولے "ہاں، ہم لوگ اللہ تعالےٰ کی راہ میں قتل کئے گئے تھے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے شہیدوں کو زندہ رکھا ہے، آج ہم اللہ کے حکم سے امیر المومنین عمر بن عبد العزیز کی نمازِ جنازہ میں شریک ہونے جا رہے ہیں۔" پھر اُن میں سے ایک نے کہا "اے عُمیر اپنا ہاتھ دو" میں نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اس نے مجھے اپنے گھوڑے پر سوار کر لیا تھوڑی دیر چل کر اتار دیا تو میں اپنے گھر کے پاس کھڑا تھا۔"

(شرح الصدور۔ ابن عساکر)

شہید نے اپنے قاتل کو قتل کیا

حضرت ابو عبد اللہ شامی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں "ہم لوگ ملک روم میں جہاد کے لئے گئے، ہم میں سے دو آدمی دشمن کی تلاش میں ایک طرف نکلے۔ ایک رومی ملا۔ اس سے ہر دونوں لڑے، ان میں سے ایک شہید ہوگیا، دوسرے نے واپس آنا چاہا پھر دل میں خیال کیا کہ میرا ساتھی تو جنت میں چلا گیا اگر میں لوٹ جاؤں تو بڑے افسوس اور شرم کی بات ہے۔ میں نے رُومی سے مقابلہ کیا اور تلوار ماری، مگر وار خالی گیا۔ رُومی نے مجھ کو زمین پر پچھاڑ دیا اور سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ رومی مجھے ذبح کر دینے کے لئے سنبھل رہا تھا کہ میرا ساتھی شہید کھڑا ہوا اور رُومی کی گردن پکڑ کر زمین پر دے مارا اور ہم دونوں نے مل کر اس کو قتل کر دیا۔ پھر ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے چلے، میرا ساتھی ایک درخت کے نیچے جا کر جس طرح شہید ہو کر گرا تھا اسی طرح گرا۔" (شرح الصدور)

یا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اَغِثْنَا

امام ابن جوزی علیہ الرحمۃ "عیون الحکایات" میں ابو علی ضریر علیہ الرحمۃ سے روایت فرماتے ہیں۔

ملک شام میں تین بھائی اپنے وقت کے بڑے بہادر اور پہلوان تھے، کفار کے ساتھ ہمیشہ جہاد کرتے تھے ایک لڑائی کے دوران رُومی فوجیوں کے ہاتھوں تینوں گرفتار ہو گئے، شاہِ روم نے ان سے کہا "اگر تم دین نصاریٰ قبول کر لو تو میں اپنی لڑکیوں سے تمہاری شادی کر دوں گا اور ملک کی حکومت میں تم کو شریک کر لوں گا۔ ان تینوں نے سختی سے انکار کر دیا اور فریاد کی یا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اَغِثْنَا۔ یا رسول اللہ ہماری مدد فرمائیے۔" یہ سن کر شاہِ روم آگ بگولا ہوگیا۔ اس نے حکم دیا "تین دیگ تیل سے بھر کر آگ پر چڑھا

دیئے جائیں"۔ تین رات دن متواتر دیگوں کے نیچے آگ جلتی رہی۔ شاہِ روم ان تینوں بھائیوں کو روزانہ دیگوں کے پاس لے جاکر سمجھاتا رہا کہ میری پیشکش قبول کرلو ورنہ میں تمہیں تیل میں ڈال کر بھون ڈالوں گا۔ یہ تینوں انکار پر قائم رہے، چوتھے روز پھر بادشاہ نے ان سے کہا کہ اب بھی وقت ہے میری بات مان لو، ان تینوں نے بہ یک زبان کہا "ہمیں موت کا کچھ خوف نہیں - ہم دینِ اسلام سے نہیں پھر سکتے"۔

بادشاہ کے حکم سے بڑے بھائی کو دیگ میں ڈال دیا گیا۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے جل بھن کر کوئلہ ہوگیا۔ بادشاہ اس سے چھوٹے بھائی کو دیگ کے پاس لایا۔ اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ جب وہ نہ مانا تو اس کو بھی دیگ میں ڈال کر جلا ڈالا۔ جب تیسرے بھائی نے بھی بادشاہ کی بات ماننے سے انکار کردیا تو اسے بھی دیگ میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ معاً۔ ایک نجومی نے آگے بڑھ کر بادشاہ سے درخواست کی "اس خوبصورت نوجوان کو میرے سپرد کردیا جائے میں اس کو راہِ راست پر لے آؤں گا"۔ بادشاہ نے پوچھا تو اسے کیونکر راہِ راست پر لائے گا"؟ وہ بولا "میری ایک لڑکی بیحد خوبصورت ہے۔ میں اسے لڑکی کے حوالے کردوں گا، وہ اس کا دل لبھا کر اسے راہ راست پر لے آئے گی"۔ بادشاہ نے کہا، اچھا۔ چالیس دن کی مہلت دیتا ہوں۔ نجومی نوجوان کو اپنے گھر لایا اور اپنی لڑکی سے کہا "یہ نوجوان تیرے سپرد کرتا ہوں اور تجھے اجازت دیتا ہوں کہ تو جو چاہے کر مگر اس شرط پر کہ چالیس دن کے اندر اسکو اسلام ترک کردینے پر آمادہ کردے"۔ لڑکی نے خوش ہوکر کہا "میں یہ کام بخوبی سرانجام دوں گی آپ مطمئن رہیں"۔ لڑکی بن ٹھن کر ناز وادا سے اس کو اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ مگر نوجوان ذرہ بھر نہ ڈگمگایا۔ وہ دن بھر روزے سے رہتا اور رات بھر عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتا۔

اسی طرح ایک مہینہ گذر گیا، نوجوان نے لڑکی کو ایک بار بھی نظر اٹھا کر نہ دیکھا، ایک دن باپ نے لڑکی سے پوچھا "سناؤ، کہاں تک کامیابی ہوئی"؟ بولی "میں سمجھتی ہوں کہ چونکہ اس کے دو بھائی اس شہر میں ہلاک کئے گئے اس لئے یہاں رہ کر اس کے دل کا غم غلط نہ ہوگا۔ اگر آپ بادشاہ سے مزید مہلت حاصل کرکے ہمیں کسی دوسرے شہر میں بھیجدیں تو میں اس کو ضرور اپنے دام میں لے آؤں گی"۔ مجوسی نے بادشاہ سے مزید مہلت لے کر ان دونوں کو دوسرے شہر بھیجدیا۔ نوجوان یہاں بھی قائم اللیل وصائم النہار رہا۔ لڑکی کی جانب نگاہ تک نہ کی۔ جب یہ مہلت بھی ختم ہونے کو آئی، لڑکی نے ہتھیار ڈال دیئے، اس نے نوجوان سے کہا "اے جواں مرد، بیشک تو اپنے رب کی تابعداری میں سچا ہے، تیرا رب سچا اور تیرا دین سچا ہے، میں نے اپنا دین چھوڑا، سچے دل سے تیرا دین قبول کیا"! اب نوجوان نے خوش ہوکر کہا۔

"اگر تو اپنی بات میں سچی ہے تو کوئی ایسی تدبیر جلد کر کہ ہم دونوں یہاں سے نکل چلیں"۔ لڑکی نے ایک عمدہ قسم کا گھوڑا خرید کیا۔ رات کے وقت دونوں اس پر سوار ہوکر چھپ چھپا کر روانہ ہوگئے، دن کو کہیں چھپ رہتے، رات کو سفر کرتے رہتے۔ ایک رات یہ دونوں جارہے تھے کہ چند سوار گھوڑے دوڑاتے ان کے پاس پہنچے، نوجوان نے دیکھا کہ یہ دونوں اس کے بھائی ہیں اور ان کے ہمراہ چند فرشتے ہیں۔ نوجوان نے ان کو سلام کیا، اور بھائیوں سے پوچھا "تم کو تو شاہِ روم نے تیل میں جلا ڈالا تھا اب زندہ کیونکر آگئے"؟ انہوں نے جواب دیا "ہماری موت صرف اس قدر تھی کہ دیگ میں ایک غوطہ لگایا اور جنت الفردوس میں پہنچ گئے، اب اللہ تعالےٰ نے ہمیں تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ اس لڑکی کا نکاح تم سے کردیں"۔

پھر انہوں نے ان دونوں کا نکاح کردیا اور جہاں سے آئے تھے وہیں واپس چلے گئے۔ یہ نوجوان اپنی بیوی کو لے کر اپنے ملک شام پہنچا، اور ان کا یہ واقعہ سارے ملک میں مشہور ہوا۔ ایک شاعر نے کہا۔

سَیُعْطِی الصَّادِقِیْنَ بِفَضْلِ صِدْقٍ — نَجَاتًا فِی الْحَیَاتِ وَفِی الْمَمَاتِ

یعنی اللہ تعالےٰ سچے لوگوں کو ان کی سچائی کی برکت سے زندگی میں نجات دیتا ہے اور مرنے کے بعد بھی"۔ (شرح الصدور)

فرقہ وہابیہ کی اصلیت

بحمدہ تعالےٰ مسئلہ توسل واستمداد بہ اولیاء اللہ و متعلقہ امور کی وضاحت، قرآن مجید، حدیث شریف اور بزرگانِ دین مبین کے ارشادات وعمل سے بطریقِ احسن پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ نیز یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ منکرینِ وہابیہ، قرآن وحدیث کے منکر، صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے سبیل المومنین سے بھٹکے ہوئے اور اُمتِ مرحومہ سے کٹے ہوئے ہیں۔ ان کا طریق "مَا اَنَا عَلَیہِ وَاَصْحَابِی" کے خلاف ہے۔ یہ گمراہ ٹولہ "سوادِ اعظم" سے علیحدہ ہوکر بلاشک وشبہ جہنمی ہے۔ پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ حسبِ فرمانِ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ ان کو قریب آنے دیں اور نہ خود ان کے قریب ہوں۔ کہ یہ لوگ دین وایمان کے رہزن ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنے محبوبِ مکرم نورِ مجسم سرکارِ دو عالم

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے میں فرزندانِ توحید مسلمانانِ اہلسنت وجماعت کو وہابیہ کے فتنۂ عظیم سے محفوظ رکھے، آمین یارب العالمین۔

قارئین۔ فرقۂ وہابیہ کے صحیح خدوخال پہچاننے اور مفصل حالات جاننے کے لئے فقیر کی تصنیف "مکمل تاریخ وہابیہ" کا ضرور مطالعہ فرمائیں کہ فقیر نے اس کتاب میں ابتدا سے لے کر موجودہ زمانہ تک کے تمام وہابیہ کے چہروں کی تاریخی واقعات وشواہد سے مکمل نقاب کشائی کردی ہے۔

سرِدست "فرقہ وہابیہ" کی اصلیت کی وضاحت میں اعلیٰحضرت مجدد دین وملت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدسنا اللہ بسرہ العزیز کا ارشادِ مبارک تبرکاً وتیمناً نقل کردینے پر اکتفا کرتا ہوں۔

عرض۔ حضور، خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی "فرقہ وہابیہ" تھا؟

ارشاد۔ "ہاں۔ یہی وہ فرقہ ہے جسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ الکریم سے فہمائش کی اجازت چاہی تھی اور بحکم امیرالمومنین تشریف لے گئے اور ان سے پوچھا "کیا بات امیرالمومنین کی تم کو ناپسند آئی"؟ انہوں نے کہا "واقعۂ صفین میں ابوموسیٰ اشعری کو حکم بنایا یہ شرک ہوا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ، حکم نہیں مگر اللہ کے لئے"!

ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا "اسی قرآن کریم میں یہ آیت بھی تو ہے۔ فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَھْلِھَا۔ زن وشوہر میں خصومت ہو ایک حکم اس کی طرف بھیجو ایک حکم اس کی طرف سے اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کردے گا"؛ دیکھو وہی طریقۂ استدلال ہے جو وہابیہ کا ہوتا ہے کہ علمِ غیب وامداد وغیرہما میں ذاتی وعطائی کے فرق سے آنکھ بند اور نفی کی آیتوں پہ دعویٰ ایمان اور اثبات کی آیتوں سے کافر۔ اس جواب کو سُن کر اُن میں سے پانچہزار تائب ہوئے اور پانچ ہزار کے سر پہ سوت سوار تھی وہ اپنی شیطنت پہ قائم رہے؛ امیرالمومنین نے ان کے قتل کا حکم فرمایا۔ امام حسن، حسین اور دیگر اکابر رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو ان کے قتل میں تأمل ہوا کہ یہ قوم رات بھر تہجد اور دن بھر تلاوت میں بسر کرتی ہے۔ ہم کیونکر ان پہ تلوار اٹھائیں۔ مگر امیرالمومنین کو تو حضور عالم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے خبر دے دی تھی کہ نماز روزہ وغیرہ ظاہری اعمال کے بہ شدت پابند ہوں گے باایں ہمہ دین سے ایسا نکل جائینگے جیسے تیر نشانہ سے، قرآن پڑھیں گے مگر ان کے گلوں سے نیچے نہیں اُترے گا" امیرالمومنین کے حکم سے لشکر ان کے قتل پہ مجبور ہوا، عین معرکہ میں خبر آئی کہ وہ نہر کے پار اُتر گئے۔ امیرالمومنین نے

فرمایا "واللہ، ان میں سے اُس پار نہ جائیں گے سب اسی طرف قتل ہوں گے"؛ جب سب قتل ہوچکے امیرالمومنین نے لوگوں کے دلوں سے ان کے تقوے طہارت وتہجد وتلاوت کا وہ خدشہ دفع کرنے کے لئے فرمایا "تلاش کرو کہ اگر ان میں "ذوالثدیہ" پایا جائے تو تم نے بدترین اہلِ زمین کو قتل کیا"۔ تلاش کیا گیا۔ لاشوں کے نیچے نکلا جس کا ایک ہاتھ پستانِ زن کے مشابہ تھا، امیرالمومنین نے تکبیر کہی اور حمد الٰہی بجا لائے اور لشکر کے دل کا شبہ اس غیب کی خبر بتانے اور مطابق آنے سے زائل ہوگیا، کسی نے کہا "حمد ہے اُسے جس نے ان کی نجاست سے زمین کو پاک کیا"؛ امیرالمومنین نے فرمایا "کیا سمجھتے ہو کہ یہ لوگ ختم ہوگئے۔؟ ہرگز نہیں، ان میں سے کچھ ماں کے پیٹ میں ہیں کچھ باپ کی پیٹھ میں، جب ان میں سے ایک گروہ ہلاک ہوگا۔ دوسرا سر اٹھائے گا۔ حَتّٰی یَخْرُجَ اٰخِرُھُمْ مَعَ الدَّجَّالِ یہاں تک کہ ان کا پچھلا گروہ دجال کے ساتھ نکلے گا"؛

یہی وہ فرقہ ہے کہ ہر زمانہ میں نئے نام سے ظاہر ہوتا رہا اور اب آخیر وقت میں وہابیہ کے نام سے پیدا ہوا۔ ان کی جو جو علامتیں صحیح حدیثوں میں ارشاد فرمائی ہیں سب ان میں موجود ہیں۔ تحقرون صلاتکم عند صلاتھم وصیامکم عند صیامھم واعمالکم عند اعمالھم۔ تم ان کی نماز کے آگے اپنی نماز کو حقیر جانوگے اور ان کے روزوں کے آگے اپنے روزوں کو اور ان کے اعمال کے آگے اپنے اعمال کو یَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا یُجَاوِزُ تَرَاقِیَھُمْ۔ قرآن پڑھیں گے ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا۔ یَقُوْلُوْنَ مِنْ قَوْلِ خَیْرِ الْبَرِیَّۃِ بات بات پہ حدیث کا نام لیں گے اور حال یہ ہوگا کہ یمرقون من الدِّیْنِ کما یَمْرُقُ السَّھْمُ مِنَ الرَّمِیَّۃِ دین سے نکل جائیں گے جیسے تیر نشانہ سے سیماھم التَّحْلِیْقُ اُن کی علامت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر سر منڈے مُشَمِّرِیْ الْاُزُر گھٹنی ازاروں والے، ان کے پیشوا ابنِ عبدالوہاب نجدی کو سر منڈانے میں یہاں تک غلو تھا کہ عورت اس کے دینِ ناپاک میں داخل ہوتی تو اس کا سر بھی منڈا دیتا کہ زمانۂ کفر کے بال ہیں انہیں دور کرو، یہاں تک کہ ایک عورت نے کہا "جو مرد تمہارے دین میں آتے ہیں ان کی داڑھیاں مُنڈا یا کرو کہ وہ بھی تو زمانۂ کفر کے بال ہیں"!

. اس وقت سے باز آیا۔ اور اب وہابیہ کو دیکھئے ان میں اکثر وہی سر منڈانے اور گھٹنے پائچے والے ہیں۔ غزوۂ حُنین، میں حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے جو غنائم تقسیم فرمائے اس پہ ایک وہابی نے کہا کہ

ہیں اس تقسیم میں عدل نہیں پاتا کیونکہ کسی کو زیادہ کسی کو کم عطا فرمایا" اس پر فاروقِ اعظم نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں" فرمایا کہ "اسے رہنے دے کہ اس کی نسل سے ایسے ایسے لوگ پیدا ہونے والے ہیں (وہابیہ کی طرف اشارہ فرمایا) اُس سے فرمایا "افسوس اگر میں تجھ پر عدل نہ کروں تو کون عدل کرے گا"؟ اور فرمایا "اللہ رحم فرمائے میرے بھائی موسیٰ پر کہ اس سے زائد ایذا دیئے گئے" علماء فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ایک اس دن کی عطا سخی بادشاہوں کی عمر بھر کی داد و دہش سے زائد تھی، جنگل غنائم سے بھرے ہوئے ہیں اور حضور عطا فرما رہے ہیں اور مانگنے والے ہجوم کرتے چلے آتے ہیں اور حضور پیچھے ہٹتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب سب اموال تقسیم ہو لئے ایک اعرابی نے ردائے مبارک بدنِ اقدس پر سے کھینچ لی کہ شانہ و پشت مبارک پر اس کا نشان بن گیا۔ اس پر اتنا فرمایا "اے لوگو، جلدی نہ کرو، واللہ کہ تم مجھ کو کسی وقت بخیل نہ پاؤ گے" حق ہے، اے مالکِ عرش کے نائبِ اکبر، قسم ہے اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا کہ دونوں جہاں کی نعمتیں حضور ہی کی عطا ہیں۔ دونوں جہان حضور کی عطا سے ایک حصّہ ہیں ؎

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنیا وضَرَّتَها ومِنْ عُلُومِكَ عِلْمَ اللَّوحِ وَالْقَلَمِ

بیشک دنیا و آخرت حضور کی بخشش سے ایک حصّہ ہیں اور لوح و قلم کے تمام علوم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنَ حضور کے علوم کا ایک حصّہ۔

صلّی اللہ تعالےٰ علیك وسلّم وعلیٰ آلِك وصحبك وبارك وکرّم "

ایک روز بارگاہِ رسالت میں صحابہ کرام حاضر ہیں کہ ایک شخص آیا اور کنارۂ مجلسِ اقدس پر کھڑے ہو کر مسجد میں چلا گیا، ارشاد فرمایا "کون ہے کہ اسے قتل کرے" صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اُٹھے اور جا کر دیکھا کہ وہ نہایت خشوع و خضوع سے نماز پڑھ رہا ہے، صدیق اکبر کا ہاتھ نہ اُٹھا کہ ایسے نمازی کو عین نماز کی حالت میں قتل کریں۔ واپس حاضر ہوئے اور سب ماجرا عرض کیا، ارشاد فرمایا۔ "کون ہے کہ اسے قتل کرے" فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ اُٹھے اور انہیں بھی وہی واقعہ پیش آیا، حضور نے پھر ارشاد فرمایا "کون ہے کہ اسے قتل کرے" مولیٰ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اٹھے اور عرض کی "یا رسول اللہ، میں" فرمایا "ہاں، تم۔ اگر تمہیں ملے، مگر تم اسے نہ پاؤ گے" ایسا ہی ہوا۔ مولیٰ علی

رضی اللہ تعالےٰ عنہ جب تک جائیں وہ نماز پڑھ کر جا چکا تھا، ارشاد فرمایا "اگر تم اُسے قتل کر دیتے تو اُمّت پر سے بڑا فتنہ اُٹھ جاتا" یہ تھا وہابیہ کا باپ۔ جس کی ظاہری و معنوی نسل آج دنیا کو گندہ کر رہی ہے۔ اس نے مجلس اقدس کے کنارے پر کھڑے ہو کر ایک نگاہ سب پر کی اور دل میں یہ کہتا ہوا چلا گیا تھا کہ مجھ جیسا ان میں ایک بھی نہیں، یہ غرور تھا اس خبیث کو اپنی نماز و تقدّس پر اور نہ جانا کہ نماز ہو یا کوئی عمل صالح وہ سب اس سرکار کی غلامی و بندگی کی فرع ہے، جب تک ان کا غلام نہ ہوے کوئی بندگی کام نہیں دے سکتی و لہٰذا قرآنِ عظیم میں ان کی تعظیم کو اپنی عبادت سے مقدم رکھا کہ فرمایا۔ لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ط تاکہ تم ایمان لاؤ اللہ و رسول پر اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔ اور صبح شام اللہ کی پاکی بولو۔ یعنی نماز پڑھو تو سب میں مقدّم ایمان ہے کہ اس کے بغیر رسول مقبول کی تعظیم نہیں۔ اُس کے بعد تعظیم رسول ہے کہ بے اس کے نماز اور کوئی عبادت مقبول نہیں۔ یوں تو عبد اللہ تمام جہان ہے مگر سچا عبد اللہ وہ ہے جو عبدِ مصطفےٰ ہے ورنہ عبدِ شیطان ہو گا" والعیاذ باللہ تعالےٰ۔

خدا کے سب ہیں بندے پر خدا ملتا نہیں ان کو خدا ملتا ہے ان کو جو نبے بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا

(ملفوظات اعلیحضرت صنٹ ج اوّل)

عارفؒ باللہ حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں

فلسفی منکر شود در فکر و ظنّ　　　گو برو سر را بدان دیوار زن

فلسفی صرف قوّتِ فکریہ اور مقدّمات ظنّیہ کی بناء پر حقائق عالیہ کا انکار کرتا ہے اسے کہہ دو کہ ساری عمر اسی دیوارِ فکر سے سر پھوڑتے رہو۔

نطقِ آب و نطقِ خاک و نطقِ گل　　　ہست محسوسِ حواسِ اہلِ دل

پانی کا بولنا، مٹی کا بولنا اور گارے کا بولنا اہلِ دل یعنی اولیاء اللہ کے حواس کو محسوس ہو رہا ہے

فلسفی کو مُنکرِ حنّانہ است　　　از حواس انبیاء بیگانہ است

جو فلسفی ستونِ حنّانہ کے واقعۂ آہ و فغاں کا منکر ہے وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قوائے مُدرکہ کا اندازہ لگانے سے محروم محض ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ستون حنّانہ کا نالہ و آہ و فغاں ایک سِرّی و معنوی امر تھا جس کے احساس وسماعت کے لئے خاص انبیاء کا ادراک درکار ہو بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ستون حنّانہ کی صدائے نالہ اس وقت جملہ حاضرین صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سُنی تھی،

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ فلسفی کو انبیاء کے حواسِ لطیفہ کا کچھ شمہ معلوم نہیں کہ وہ ہر چیز کے حالی و وجدانی تکلم کو محسوساتِ ظاہریہ کی صورت میں محسوس کر سکتے ہیں اور ان کے تاثیر و تصرف سے دوسرے حاضرین کے لئے بھی وہ معنوی امر ظاہری اور حسّی حیثیت حاصل کر سکتا ہے۔ حتّٰی کہ ہر شخص کے لئے وہ امر معنوی امور ظاہرہ کی طرح مرئی و محسوس و ملموس ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ کوئی جبرئیل علیہ السلام کو نہیں دیکھ سکتا۔ مگر حضور پُرنور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے فیضِ صحبت سے عام حاضرین نے ان کو ایک خوش رُو، خوش پوش، اور مہذّب انسان کی صورت میں دیکھا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ باتیں کرتے سُنا تو یہ آپ کا زورِ تصرّف یا بہ الفاظِ دیگر معجزہ تھا جس سے بقدرتِ الٰہی ایک معنوی و روحانی امر تھوڑی دیر کے لئے محسوسات ظاہریہ کے عالم میں ظہور پذیر ہو گیا۔ جس سے ہر شخص اس کو ادراک کر سکے اور اس وقت وہ

اس معنویت کے حجاب میں مستور نہیں رہا۔ جس کے ادراک پر صرف انبیاء کی نظر ہی قادر ہو سکے۔

نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صحبت و تعلیم باطنی اور فیوض کی وجہ سے صحابہ کرام کو مقاماتِ ولایت کے بلند سے بلند تر مقامات حاصل تھے اور ان کے حواسِ مدرکہ نہایت قوی ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام نے کھانا کھاتے ہوئے طعام کو تسبیح کرتے ہوئے سُنا۔ پانی پینے کا پیالہ رکھا ہُوا تھا اور صحابہ کرام نے پیالہ کی تسبیح سُنی۔ یہ جملہ اُمور صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

گو بداو کہ ہر تو سودائے خلق　　　بس خیالات آورد در رائے خلق

اور وہ فلسفی کشف کے متعلق یوں کہتا ہے کہ ان لوگوں کی خلط سوداوی کا اثر ان اشخاص کے ذہن میں کچھ خیالات غلط جمع کر دیتا ہے۔ فلسفی لوگ چونکہ عالمِ محسوسات ظاہر کے مقیّد اور اُمورِ باطن کے منکر ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ انبیاء و اولیاء کے مشاہدات و مکشوفات کو سودا تخیّلاتِ باطلہ بلکہ جنون سے تعبیر کرتے ہیں

بلکہ عکسِ آں فساد و کفرِ او　　　آن خیالِ منکرے را زد برو

مگر درحقیقت ان حضرات کو سودا نہیں بلکہ اس کے برعکس فلسفی کے اعتقاد کے فساد اور انکار وکفر کی شامت نے یہ منکرانہ خیال اس کے اندر پیدا کر دیا ہے۔

گر نہ دیدی دیو را خود را بہ بیں　　　بے جنوں نہ بود کبودی بر جبیں

اے شیطان سیرت فلسفی اگر تُو نے شیطان نہیں دیکھا تو اپنے آپ کو دیکھ لے کیوں کہ شیطانی خیالات شیطنت کے بغیر نہیں ہو سکتے، جیسے جنون کے بغیر پیشانی پر نیلگونی نہیں ہوتی۔

ہر کرا در دل شک و پیچانی ست　　　در جہاں او فلسفی پنہانی ست

فلسفی کے سر سینگ نہیں ہوتے جو شخص بھی دل میں شک اور کج فہمی رکھے وہ دنیا میں چھپا فلسفی ہے۔ خواہ بہ ظاہر وہ پکّا مسلمان بنا پھرتا ہو۔ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ فلاسفہ منکرین کی مذمّت کے بعد فرماتے ہیں۔ فلاسفہ سے کوئی خاص فرقہ مراد نہیں بلکہ جس شخص میں کج فہمی اور غلط بینی کا مادہ ہو وہی اس ٹولہ میں شامل ہے خواہ بظاہر کیسی ہی مومنانہ صورت بنائے پھرتا ہو۔ پھر اس کے بعد فرماتے ہیں۔

اسم خواندی رو مسمّٰی را بجو　　　مہ بہ بالا دان نہ اندر آب جو

نام تو پڑھ لیا، جاؤ اب نام والے کی تلاش کرو، چاند کو اپنے اصلی مقام میں یعنی اوپر سمجھو نہ کہ نہر کے اندر یہ تو محض عکس ہے۔

گر ز نام و حرف خواہی بگذری
پاک کن خود را ز خود ہاں یکسری

اگر نام و حرف ذکر زبانی سے مسمّٰی کی طرف ترقی کرنا چاہتے ہو تو خبردار اپنے آپ کو خودی سے بالکل پاک کر لو۔

ہمچوں آہن ز آہنی بے رنگ شو
در ریاضت آئینہ بے زنگ شو

لوہے کی طرح لوہا ہونے کی صفت سے بے رنگ ہو جاؤ۔ اور ریاضت کر کے زنگ دور کر کے صاف آئینہ بن جاؤ۔ جس طرح لوہے میں صیقل سے اس کی سیاہی نہیں رہتی اور اس میں صورت کا عکس نظر آنے لگتا ہے۔ اسی طرح ریاضت و فنا سے تمہاری ذات میں صفاتِ الٰہی کا عکس آنے لگ جائے گا۔

خویش را صافی کن از اوصافِ خود
تا بہ بینی ذاتِ پاکِ صافِ خود

اپنے آپ کو خودی کے اوصاف سے پاک کر لو تاکہ اپنی ذاتِ پاک کو اس طرح پاؤ کہ :-

بینی اندر دل عُلومِ انبیاء
بے کتاب و بے مُعید و اوستا

اپنے دل میں آئینہ کے انعکاس کی طرح انبیاء کے علوم بلاواسطۂ کتاب و تکرار کرانے والے ہم سبق اور استاد کے پاؤ۔ حصولِ علم میں پہلے کتاب کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے جس کے نقوش و حروف ان کے وسیلہ سے معلومات کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ پھر استاد سے واسطہ پڑتا ہے جو یہ رہنمائی کرتا ہے، اس کے بعد ہم سبق کے ساتھ ربط و ضبط قائم ہوتا ہے جو ساتھ مل کر سبق کے یاد کرنے میں مدد دیتا ہے۔ مگر جو لوگ اپنے باطن کو صفاتِ ذمیمہ اور احساسِ خودی سے آئینہ کی طرح صاف کر لیتے ہیں۔ ان کو ان تینوں چیزوں کی ضرورت نہیں چنانچہ علوم حالیہ تو عموماً سینۂ نبوت سے بلا اکتساب فائز ہوتے ہیں اور احیاناً علوم مکتبہ منقولہ بھی بطورِ کرامت کے حاصل ہو جاتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ ہست از اُمّتم
کہ بود ہم گوہر و ہم ہمّتم

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ میری اُمّت میں بعض ایسے لوگ ہوں گے جو میرے جوہر علم و ہمّت کے پرتو ہوں گے"

یہ مضمون روایت بالمعنٰی ہے اس حدیث کی کہ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ رِجَالٌ مُحَدَّثُوْنَ۔

مر مرا زاں نور بیند جانِ شاں
کہ من ایشاں را ہمے بینم عیاں

ان کی روح مجھ کو اس نور سے مشاہدہ کرے گی جس نور کے ساتھ میں خود ان کو دیکھ رہا ہوں" یعنی جس طرح میں ان کے اوصافِ ولایت کا اپنے نورِ باطن سے مشاہدہ کر رہا ہوں اسی طرح وہ میرے اوصاف و کمالاتِ نبوّت اپنے نورِ باطن سے مشاہدہ کریں گے۔ چنانچہ اہلِ باطن کو اپنے کمالات کا علم یقینی و تحقیقی بطورِ شرح صدر کے حاصل ہوتا ہے

بے صحیحین و احادیث و رواۃ
بلکہ اندر مشربِ آبِ حیات

اس مشاہدہ میں نہ صحیح بخاری و صحیح مسلم اور نہ احادیث کی باقی کتابوں کا واسطہ ہوگا اور نہ راویوں کا بلکہ یہ معاملہ اس مشربِ عشق میں ہے جو رُوح کے لئے آبِ حیات ہے۔

اس بیان میں اشارۃً ان ظاہر پرست لوگوں کی تردید ہے جو کمالاتِ باطن کے منکر ہیں اور ان صدری و سرّی فیوض کے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ جو حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اور صحابہ سے عہد بہ عہد اور سلسلہ بہ سلسلہ دوسرے لوگوں کو تواتراً بذریعہ بیعتِ طریقت حاصل ہوتے ہیں۔ اور نقل و روایت کا دائرہ ان کو حصر کرنے سے قاصر اور تکلّم و سماعت کے قویٰ ان کے ضبط و اخذ سے عاجز ہیں۔ بلکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ تمام علومِ رسالت کمالاتِ نبوّت اور فیوضِ شارع صرف وہی ہیں جو نقلاً و روایۃً ہم تک پہنچے ہیں۔ اور حدیث کی کتابوں میں مندرج ہیں۔ ان کے بغیر کوئی سرّی تعلیم و باطنی فیض ایسا نہیں جو جناب رسول کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم سے اُمّت کو پہنچا ہو۔ حالانکہ ایسے سرّی علوم و باطنی فیوض کے متعلق جو بلا ظاہری درس و تکرار کے محض عملاً سینہ بہ سینہ پہنچے ہوں احادیث شریفہ میں اشارات پائے جاتے ہیں۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالےٰ عنہ قال حفظتُ من رسول اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُهما فبثثتُهٗ فیکم و اَمّا

الآخِرُ فَلَوْ بثثتُهُ قُطِعَ هٰذا الْبلعُوم یعنی مجری الطعام۔ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علوم کے دو ذخیرے جمع کئے ہیں جن میں سے ایک کو تو میں نے تم میں شائع کر دیا لیکن دوسرا الیس اگر میں اس کو شائع کر دوں تو یہ بلعوم کاٹ ڈالا جائے اور اس سے آپ کی مراد طعام کے گذرنے کی نالی تھی" اس سے ظاہر ہے کہ یہ مخفی و مستور علم سلوک ہے جس کا تعلق عمل سے ہے۔ جس کے اظہار و بیان کے لئے الفاظ کا دامن تنگ ہے اور اس کو بیان کے دائرے میں لانا محلِ خطر اور موجب فسادِ عالم ہے، اس کا نتیجہ یا تو سننے والوں کی گمراہی اور سوءِ اعتقاد یا اس کے کہنے والے کے حق میں سُولی پر چڑھنا یا قتل یا قید ہو جانا ہے۔ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذَالِكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذَالِكَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى ابْنِ آدَمَ۔ (رواہ الدارمی)

علم کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ علم جس کا تعلق دل سے ہے۔ پس یہ علم نافع ہے اور ایک علم زبان پر۔ پس یہ خداوند غالب و بزرگ کی حجّت ہے ابنِ آدم پر" (مشکوٰۃ) اس دائرہ میں اس امر کی تصریح ہے کہ علمِ طریقت اور علم شریعت کی دو قسمیں ہیں، علمِ شریعت ظاہری علم ہے جس کی پابندی کے لئے ہر ابنِ آدم مکلّف ہے اس لئے وہ سب پر اللہ کی حجّت ہے۔ مگر علمِ طریقت جو عمل سے تعلق رکھتا ہے اور شریعت کے اتمام و تکمیل کا درجہ ہے اس کا خاص لطائف روحانیہ اور عجائبات باطن سے تعلق ہے۔ اگرچہ عامہ عباد اس کے حصول پر مکلّف نہیں ہیں، مگر پورا فائدہ اور اعلیٰ نفع اسی سے حاصل ہوتا ہے۔ (مفتاح العلوم)

مَنْ لَّا شَيْخَ لَهُ فَشَيْخُهُ الشَّيْطَانُ

سیّدنا حضرت بایزید بسطامی قدّس سرہ العزیز کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے" (عوارف المعارف) امام اجلّ حضرت ابوالقاسم قشیری قدّس سرہٗ فرماتے ہیں۔ يَجِبُ عَلَى الْمُرِيْدِ اَنْ يَتَادَّبَ بِشَيْخٍ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ اُسْتَاذٌ لَا يُفْلِحُ

اَبَدًا" (رسالہ قشیریہ) مرید پر واجب ہے کہ کسی پیر سے تربیت لے کہ بے پیر کبھی فلاح نہ پائے گا" حضرت ابو علی الدقاق قدّس سرہ فرماتے ہیں: الشجرۃ اذا نبتت بنفسھا من غیر غارس فانھا تورق ولاکن لا تثمر کذالک المرید اذا لم یکن لہٗ استاذ یاخذ منہ طریقتہٗ نفسا فنفسا فھو عابد ھواہٗ لا یجد نفاذا" یعنی درخت جب بے کسی بونے والے کے آپ سے اُگے تو پتے لاتا ہے مگر پھل نہیں دیتا۔ یونہی مرید کے لئے اگر کوئی پیر نہ ہو جس سے ایک ایک سانس پر راہنمائی حاصل کرے تو وہ اپنی خواہشِ نفس کا پجاری ہے، راہ نہ پائے گا" (رسالہ قشیریہ) سیّدنا شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدسنا اللہ باسرارہٖ فرماتے ہیں " سَمِعْتُ كَثِيْرًا مِنَ الْمَشَائِخِ يَقُوْلُوْنَ مَنْ لَّمْ يَرَ مُفْلِحًا لَا يُفْلِحُ" میں نے بہت اولیاء کرام کو فرماتے سُنا کہ جس نے کسی فلاح پائے ہوئے کی زیارت نہ کی وہ فلاح نہ پائے گا" (عوارف المعارف)

سیّدنا حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی قدس سرہٗ العزیز "سبع سنابل" میں فرماتے ہیں ؎

چہ پیرت نیست پیرتست ابلیس
کہ راہِ دیں زدست از مکر و تلبیس

واضح رہے کہ فلاح دو قسم ہے۔ اوّل۔ انجام کار رستگاری۔ اگرچہ معاذ اللہ سبقت عذاب کے بعد ہو، یہ عقیدہ اہلسنت وجماعت میں ہر مسلمان کے لئے لازم اور کسی بیعت و مریدی پر موقوف نہیں۔ اس کے واسطے صرف نبی کو مرشد جاننا کافی ہے۔ یہ فلاح ظاہری ہے۔ دل و بدن دونوں پر جتنے احکام الٰہیہ ہیں، سب بجا لائے، کبیرہ سے بچے، صغیرہ پر مُصر نہ رہے۔ نفس کے خصائل ذمیمہ اگر دفع نہ ہوں تو معطل رہیں اُن پر کاربند نہ ہو، مثلاً دل میں بخل ہے تو نفس پر جبر کر کے ہاتھ کشادہ رکھے، حسد ہے تو محسود کی برائی نہ چاہے۔ علیٰ ہذا القیاس کہ یہ جہادِ اکبر ہے اور اس کے بعد مواخذہ نہیں بلکہ اجرِ عظیم ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے۔ اذا حسدتم فلا تبغوا واذا ظننتم فلا تحققوا واذا تطیرتم فامضوا وعلی اللہ فتوکلوا (رواۃ السنۃ فی کتاب الایمان) جب تمہارے دل میں حسد آئے تو زیادتی نہ کرو۔ اور بدگمانی آئے تو اسے جما نہ دو اور بدشگونی آئے تو رکو نہیں اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو"

دوم ۔ فلاحِ باطنی ۔ کہ قلب و قالب رذائل سے خالی اور فضائل سے متجلّی کر کے بقایائے شرکِ خفی دل سے دور کئے جائیں۔ یہاں تک کہ لا مقصود الا اللہ پھر لا مشہود الا اللہ پھر لا موجود الا اللہ۔ یہ فلاح احسان و منتہائے فلاح ہے۔ پہلی فلاح تقوےٰ میں تو عذاب سے دوری اور جنت کا چین ہے کہ فرمایا۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ ۔ دوسری فلاح احسان۔ اس سے اعظم ہے کہ عذاب کا کیا ذکر کسی قسم کا فکر یا اندیشہ یا غم بھی ان کے پاس نہیں آتا۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ فلاحِ احسان کے لئے مومن، مرشد کا محتاج ہے۔

عارف ربّانی مولانا رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر — ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

پیرِ کامل کا توسّل اختیار کرو کیونکہ پیر کی راہنمائی کے بغیر تقرّبِ الٰہی کا سفر شرورِ نفس و شیطان کی بڑی آفات اور خوف و خطر سے پُر ہے۔

آں رہے کہ بارہا تو رفتہ ای — بے قلاوز اندراں آشفتہ ای

دیکھو جس راستے پر تم بارہا چل چکے ہو بسا اوقات اس میں رہبر کے نہ ہونے سے پریشانی اٹھا چکے ہو۔

پس رہے را کہ نہ دیدستی تو ہیچ — ہیں مرو تنہا ز رہبر سر مپیچ

پس جس راستہ کو تم نے کبھی بھی نہ دیکھا ہو اس پر تنہا ہرگز نہ چلنا اور رہبر سے انحراف نہ کرنا۔

ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد — او ز غولاں گمرہ و در چاہ شد

جو شخص کسی مرشد کے توسّل کے بغیر راہِ سلوک پر چل پڑا وہ اکثر شیاطین کے اغوا سے گمراہ اور ہلاک ہو گیا۔

گر نہ باشد سایۂ پیر اے فضول — پس ترا سرگشتہ دارد بانگِ غول

اے فضول پسند آدمی، اگر تمہارے سر پر مرشد کی توجہ و تعلیم کا سایہ نہ ہو تو شیطان کے

خطرات و وساوس کی آواز جو تمہارے دل میں گونجتی رہے گی تم کو بہت پریشان رکھے گی۔

از تو داہی تر دریں رہ بس بُدند — غولت از رہ افگند اندر گزند

شیطان تم کو صراطِ مستقیم سے بہکا کر گزندِ ہلاکت میں ڈال دے گا۔ اس راستہ میں بہت سے لوگ تم سے بھی زیادہ ہشیار ہشیار گام فرسا ہو چکے ہیں جن کو شیطان نے گمراہ کیا ہے مرشد کے بغیر گمراہ ہونے کی وجہ جاہل کے لئے تو یہ ہے کہ اس کو شریعت کا علم نہیں ہوتا، ذرا قلب میں ذکر سے کوئی کیفیت پیدا ہوئی تو اپنے آپ کو صاحبِ کمال سمجھنے لگتا ہے اور متکبّرانہ خیال اس کے لئے تباہی کا موجب بن جاتا ہے، کچھ کشف ہونے لگتا ہے تو اپنے کشف کے اعتبار پر کسی امرِ شرعی کا انکار کرنے لگتا ہے، کوئی شیطانی خواب آ گیا کہ فلاں گناہ کرو تو اس کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، خصوصاً جب وہ اپنے باطنی ذوق و شوق یا کشف میں کمی نہیں پاتا اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ فعل جب باطنی کیفیات کو مضر نہیں تو ضرور حلال ہو گا۔ حالانکہ یہ کیفیات اگر مخالفتِ شرع کے ساتھ ہوں تو قابلِ اعتبار نہیں ہوتیں اور یہ کیفیات جو ریاضت کا ثمرہ ہیں اس فعل کے مقبول و مستحسن ہونے کی دلیل نہیں ہیں۔ اور اگر کوئی شخص عالم ہے تو شیطان اس پر تسلّط کرتا ہے کہ اوّل کسی ایسی طاعت کی طرف بلاتا ہے جس کا انجام کوئی معصیت ہوتی ہے یا ریاضت میں اعتدال نہیں رہنے دیتا اور اس سے جسمانی ضرر ہوتا ہے جو بہت سی طاعاتِ ضروریہ کے ترک و تخلّف کا باعث بن جاتا ہے، کبھی دقائقِ معصیت تک نظر نہیں پہنچنے دیتا اس لئے وہ شخص ایسی نافرمانیوں میں مبتلا رہتا ہے، کبھی ایسے معاصی کے محسوس و معلوم ہونے پر بھی شیطان یہ شرارت کرتا ہے کہ مرض تو کچھ ہوتا ہے اور اس کا چارہ و علاج کچھ اور تجویز کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کا نفسانی و روحانی مرض اور بھی ترقی کر جاتا ہے۔ بعض اوقات عقائد میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ اور دلیل کے مقدمات میں خدشہ ڈالتا ہے حتّٰی کہ اس کو کسی بدعت کا معتقد بنا دیتا ہے یا بے دین و ملحد بنا دیتا ہے ملّتِ اسلام میں بہتّر گمراہ فرقے ہیں جو اسی طرح عالموں کی کج فہمی اور اغوائے شیطان سے پیدا ہوئے ہیں۔ بعض اوقات شیطان اس شخص کو تردّد میں ڈال دیتا ہے کہ میرے لئے کون سا عمل بہتر ہوگا، کبھی ایک کو چھوڑتا ہے تو دوسرے کو اختیار کرتا ہے اور کبھی دوسرے کو ترک کر

کے نیرے کو لیتا ہے اور اس طرح اس کو کسی عمل پہ دوام و استقامت نہیں ہوتی اور اس کی برکات حاصل نہیں ہوتیں۔ پس شیطان کے ان سب شرور و مفاسد کا سدِ باب یہ ہے کہ شیخ کامل سے بیعت کی جائے جو ان تمام مشکلات کا چارہ جانتا ہے۔ (مفتاح العلوم شرح مثنوی شریف)

اور ان کے علاوہ شیطان کا ایک بڑا ہتھیار یہ بھی ہے کہ وہ ایسے انسان کو اس خیال فاسد میں مبتلا کر دیتا ہے کہ تُو تو خود عالم و فاضل ہے، قرآن و حدیث کو سمجھنے والا اور عابد و زاہد ہے پھر تجھے کیا ضرورت کہ کسی کی بیعت اختیار کرے اور اپنے جیسے انسانوں کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے بیٹھے۔؟ بھلا تجھ میں اور ان اولیاء اللہ میں کیا فرق ہے، اور ان میں کونسی خوبی ہے جو تجھ میں نہیں۔؟ پھر اولیاء اللہ کے پاس جانے میں کیا فائدہ؟ جب کہ قرآن و حدیث میں موجود ہے کہ بیعتِ مرشد، پیر پرستی اور اولیاء اللہ کی تعظیم و تکریم عبادتِ غیر اللہ ہے، یہ سب شرک و بدعت کی باتیں ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ابلیس لعین اپنے چیلوں کو سوچنے کا موقعہ ہی نہیں دیتا کہ جب کہ مفسرین، محدثین، ائمہ دین، فقہاء اور اکابر علمائے اُمت سب کے سب اولیاء اللہ کی غلامی اختیار کرتے آئے ہیں اور جس کسی نے کچھ پایا ہے اولیاء اللہ کی توجہ اور ان کی نظرِ کرم سے ہی پایا ہے تو یہ طریقہ شرک و بدعت کس طرح ہو سکتا ہے؟ کیا یہ سب بزرگانِ دین قرآن و حدیث کی تعلیمات سے بے بہرہ تھے، کیا یہ ممکن ہے کہ سب علمائے اُمت شرک و بدعت میں گرفتار ہو جائیں؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو یہ ہمارے خیالات کہیں شیطان کی پیداوار ہی نہ ہوں، ساری امت کے طریقہ کے خلاف ہو کر کہیں ہم گمراہ ہی نہ ہو گئے ہوں۔؟ مختصر یہ کہ نفس امارہ و ابلیس کے جال میں پھنسا ہوا انسان توحیدِ شیطانی کو توحیدِ حقیقی سمجھتے ہوئے اسی طرح اپنی عمر عزیز کو ضائع کر دیتا ہے اور دین و ایمان سے محروم رہ کر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ خسر الدنیا والآخرہ۔

حضرت مولائے روم علیہ الرحمۃ نصیحت فرماتے ہیں

با ہوا و آرزو کم باش دوست — چوں یُضلّک عن سبیل اللہ دوست

غرض نفسانی خواہش اور تمنائے فضول کے تابع نہ ہو جب کہ وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے گمراہ کرتی ہے۔ یعنی مصلحتِ صحیح کے مقابلہ میں اپنی ذاتی خواہش اور طبعی میلان کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے جو تقاضائے نفس ہے۔ بلکہ جو کچھ مقتضائے مصلحت ہو اس پہ عمل کرنا ہی سیدھا راستہ ہے۔

ایں ہوا را نشکند اندر جہاں — ہیچ چیزے ہمچو سایۂ ہمرہاں

اس ہوائے نفسانی کو دنیا میں کوئی چیز مرشدانِ کامل کے بغیر زائل نہیں کر سکتی۔

اندر آ در سایۂ آں عاقلے — کش نتاند بُرد از رہ ناقلے

تم اس عارف کامل کے سایہ میں آجاؤ جس کو کوئی اغوا کرنے والا راہِ راست سے پھیر نہیں سکتا۔

پس تقرب جو بدو سوئے اِلٰہ — سر مپیچ از طاعتِ او ہیچ گاہ

پس اس کے وسیلے سے حق تعالےٰ کی طرف تقرب کرو، مرشد کی اطاعت سے کسی وقت پہلو تہی نہ کرو۔

زانکہ اُو ہر خار را گلشن کند — دیدۂ ہر کور را روشن کند

کیونکہ وہ مشکلاتِ طریقت کے ہر کانٹے کو کامیابی کا باغ بنا سکتا ہے۔ ہر گمراہی کے اندھے دل کی آنکھوں کو بصیرت و ہدایت کے نور سے روشن کر سکتا ہے۔

ظِلِ اُو اندر زمیں چوں کوہِ قاف — روحِ او سیمرغ بس عالی طواف

اس کا سایہ زمین میں کوہِ قاف کے سایہ کی طرح ہمہ گیری کے ساتھ پڑتا ہے۔ اس کی رُوح نہایت بلند چکّر لگانے والا سیمرغ ہے۔ ظِلّ سے مراد عارف کامل کا جسم ہے۔ یعنی جس طرح "ظِلّ" ذی ظِلّ، کا تابع ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کا جسم روح کے تابع ہے۔ اور کوہِ قاف کی تشبیہ میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ ان اہلِ اللہ کے سایہ کی برکت عام اور ہمہ گیر ہے۔ یعنی جس طرح عام خیال کے موافق کوہ قاف کو اطرافِ عالم پہ محیط سمجھا جاتا ہے اسی طرح اہل اللہ کا سایہ اہلِ جہان پہ حاوی ہے بلکہ کوہ قاف اور اس کے سایہ کا محیطِ عالم ہونا تو ایک فرضی افسانہ ہے۔ اولیاء اللہ کا سایہ فی الواقع تمام عالم کے لئے پناہ اور حصارِ حمایت ہے۔

دستگیر و بندۂ خاص اِلٰہ طالباں را مے بَرد تا پیش گاہ

وہ طالبانِ رشد و ہدایت کا دستگیر ہے، اللہ کا خاص بندہ ہے، طالبوں کو خدا کی بارگاہ تک پہنچا دیتا ہے۔

گر بگویم تا قیامت نعتِ اُو ہیچ اُو را غایت و مقطع مجو

اگر میں اس کی مدح و ستایش کے گیت قیامت تک بھی گاتا رہوں تو اس کے اختتام و اتمام کی امید نہ رکھو۔

آفتابِ روح نے آنِ فلک کہ ز نُورش زندہ اند اِنس و ملک

مرشد روحانی سورج ہے آسمان سے منسوب ہونے والا سورج نہیں، اس کے نور سے انسان اور فرشتے زندہ ہیں۔

در بشر رُوپوش گشت ست آفتاب فہم کن واللہُ اعلم بالصواب

وہ روحانیت کا آفتاب ایک بشر کے جسم میں پنہاں ہو رہا ہے اس نکتے کو سمجھ لو اور اللہ بہتر جانتا ہے۔ آفتاب سے مراد نورِ حق ہے۔ اور نورِ حق کے بشر میں رُوپوش ہونے سے یہ مقصود ہے کہ وہ بشر کامل بواسطۂ روح کے مظہرِ حق ہے۔ کیونکہ رُوح دیگر موجودات کے مقابلے میں مظہرِ اتم ہے۔ چونکہ یہ اشارہ دقیق ہے اس لئے فہم کن کا حکم فرمایا اور چونکہ پھر بھی اس میں غلط فہمی کا احتمال ہے، لہٰذا پھر اس کو حوالۂ بہ علم خدا کر دیا۔ (مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ)

مرشد کامل کا فیض سکراتِ موت، قربِ قیامت اور میدانِ محشر کی آفتوں سے بچاتا ہے

عارف باللہ حضرت مولائے روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

سایۂ یزداں بود بندۂ خُدا مُردۂ ایں عالم و زندہ خُدا

خدا کا خاص بندہ یعنی مرشد کامل خدا کا سایہ ہوتا ہے جو اس جہان کے تعلقات سے مردہ اور خدا کے تعلقات سے زندہ ہوتا ہے۔

دامنِ اُو گیر زود تر بے گماں تا رہی از آفتِ آخر زماں

جلدی اور بلا تأمل اس مرشد کا دامن پکڑ لے تاکہ آخر زمانہ کی آفت سے نجات پائے۔ آخری زمانہ سے اگر عمر کی آخری ساعت مراد لیں تو اس کی آفت سکراتِ موت اور فتنۂ ابلیس ہے۔ اگر قربِ قیامت مراد لیں تو اس کی آفت دجّال اور یاجوج ماجوج ہیں اور اگر روزِ محشر مراد لیں تو اس کی آفت میزان اور حساب و کتاب ہے، تینوں جگہ مرشد کامل کا فیض مؤمن و مخلص مرید کی دستگیری کرے گا۔ موت کے وقت کلمۂ توحید زبان پر جاری ہو جائے گا۔ قرب قیامت میں دجّال وغیرہ کے سامنے وہ توحید و اسلام پر قائم رہے گا۔ اور محشر میں مرشد کی شفاعت سے نجات ہو جائے گی۔

کیف مدّ الظلّ نقشِ اولیاست کو دلیلِ نورِ خورشیدِ خداست

کیف مدّ الظل میں جو سایہ کا اشارہ ہے۔ اس سے مراد اولیاء اللہ کا وجود مبارک ہے جو خورشیدِ حق کے نور کی طرف رہنما ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا۔ اے پیغمبر (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم) کیا تم اپنے رب کی طرف نہیں دیکھتے کہ اس نے کس طرح سایہ کو دراز کیا اور اگر وہ چاہے تو اس کو ساکن کر دے پھر ہم نے آفتاب کو اس پر دلیل بنایا۔

مولانا روم قدسنا اللہ باسرارہٖ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جو سایۂ ظاہری کا حکم آیا ہے۔ یہی مثال اولیاء اللہ کی ہے کہ جس طرح سایۂ ظاہری سے سورج اور اس کی رفتار کا پتہ لگتا ہے، اسی طرح اولیاء اللہ کی ذات بابرکات جو ظلّ اللہ ہیں، ان کے وجود سے آفتابِ حق یعنی اللہ تعالےٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس مقام پر مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لطیف نکتہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دراصل تمام ممکنات عدم کے اندھیرے میں ہیں۔ نفسِ وجود، خدا کی ذات ہے اور وجود، نور ہے۔ جب وہ ذاتِ پاک اعیان و متعیّنات میں ظاہر ہوئی تو ممکنات اس نور و ظلمت کے درمیان ظاہر ہو گئیں، پس یہ موجودات

خدا کا سایہ ہیں اور سایہ اسی نور کو کہتے ہیں جو ظلمت کی آمیزش رکھتا ہو۔ یہی حال ان موجودات ممکنہ کا ہے جن میں وجود کے ساتھ عدم کی آمیزش ہے۔ پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ:

"تیرے رب نے وجود کو کیسا دراز کیا ہے یہاں تک کہ اس سے ممکنات کے سائے ظاہر ہو گئے، اگر وہ چاہتا تو اس کو دراز نہ کرتا اس کے بعد سورج کو اس پر دلیل بنایا، یعنی اس نکتہ کو سمجھنے کے لئے اس کو ایک مثال بنا دیا، چنانچہ جب سورج کے آگے کسی جسم کثیف کی آڑ آجاتی ہے تو اس کے نور سے ساتھ اندھیرے کے مِل جانے سے سایہ پیدا ہو جاتا ہے"
(مفتاح العلوم)